مصنّف، شمارہ ۱۴۰۷) اور ابوسلیمان المُصْعَب (ابن الاَبّار: التکملۃ، شمارہ ۱۰۹۷) کا ذکر ملتا ہے، جنھوں نے اپنے باپ کے علم و فضل کی نشر و اشاعت کی۔

ابن حزم کی وفات کے بعد خاص طور پر ایسی کتابیں لکھی گئیں جن میں اس کی تعلیمات پر شدید نکتہ چینی کی گئی تھی۔ پانچویں صدی کے اواخر میں (الذہبی: تذکرۃ، ۲: ۹۰ ببعد) جب قاضی ابن العربی [رک بآن] مشرقی ممالک سے واپس آئے تو انھوں نے دیکھا کہ بلاد مغرب میں اِلحاد اور بِدعت کا زور ہے، جس کی تردید میں انھوں نے کتاب القواصِم والعَواصِم (الذہبی نے تذکرۃ، ۴: ۳۲۳ ببعد میں اس کا حوالہ دیا ہے) اور دوسرے رسائل تصنیف کیے۔ اس زمانے کے لگ بھگ محمد بن حیدرہ (الذہبی: کتاب مذکور، ۴: ۵۲) اور عبداللہ بن طلحہ (ابن الاَبّار: کتاب مذکور، شمارہ ۱۳۳۰؛ المقری ۱: ۹۰۵، سطر ۸) نے ان کا ہاتھ بٹایا۔ پھر تقریبًا ایک صدی کے بعد مالکی فقیہ عبدالحق بن عبداللہ (ابن الاَبّار: کتاب مذکور، شمارہ ۱۸۱۲) اور ابن زَرْقُون (وہی مصنّف، شمارہ ۹۶۷) ابن حزم کی تردید کے لیے میدان میں اتر آئے۔ ابن زَرْقُون نے اس کی کتاب المُحلّٰی کے جواب میں کتاب المعلّٰی تصنیف کی۔ دوسری طرف اسی ابن زَرْقُون کے ایک شاگرد ابن الرُّومیّہ نے، جو نباتیات کا مشہور عالم ہوا ہے، بڑے جوش و خروش اور عقیدت مندی کے ساتھ ابن حزم کی حمایت کی۔ پھر ابن العربی ایسے جلیل القدر صوفی نے بھی اس کی تصنیفات کی اشاعت کی اور کتاب المحلّٰی کا ایک خلاصہ تیار کیا، جس کا نام بھی المعلّٰی رکھا گیا۔

[اضافہ از ضمیمہ، (آ) طبع اوّل، لائڈن:] Asin Palaocios کی کتاب (*Abenḥázam de Córdoba y su Historia critica de las ideas relgiosas*)، جو کتاب الفَصل فی المِلَلِ والاَہْواء والنِّحَل کے جزئی ترجمے اور تجزیۂ مطالب پر مشتمل ہے، کی پہلی جلد میں ابن حزم کے مفصّل حالات، اپنے عہد میں اس کے موقف و مقام، اس کی نشوونما، اس کے فقہی اور فلسفیانہ اصول، اس کی تصانیف اور اس کے مسلک کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔ ۱۹۳۵ء تک اس کتاب کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی تھیں، طبع میڈرڈ (Madrid) ۱۹۲۷-۱۹۳۲ء؛ قبّ وہی مصنّف: *El Cordobés Abenházam, primer historiador de les ideas religiosas, Discurso de recepción en la Academia de la Historia*، میڈرڈ ۱۹۲۴ء؛ *La indiferencia religiosa en la España Musulmana*، کتاب الفصل، ۵: ۱۱۹-۱۲۴، کا ہسپانوی ترجمہ، در *Cultura Española*، ۱۹۰۷ء؛ کتاب الفصل (قاہرہ ۱۳۲۱ھ، ۵: ۱۳۶-۱۴۰) کے ایک باب کا ترجمہ E. Bergdolt نے کیا تھا (*Ibn Ḥazms Abhandlung über die Farben*، در *ZS*، ۹ (۱۹۳۳ء): ۱۳۹-۱۴۶)؛ ۱۹۲۹ء میں کتاب الفصل قاہرہ میں دوسری بار طبع ہوئی تھی [اردو ترجمہ، تین جلدوں میں، از عبداللہ العمادی، حیدر آباد دکن ۱۹۴۵ء ببعد]۔

A. R. Nykl نے طوق الحمامۃ کا انگریزی ترجمہ (*A Book Containing the Risala known as the Dove's Neckring about love and lovers*، پیرس ۱۹۳۱ء) کیا۔ اس نے اپنے مقدّمے کے تیسرے باب میں مصنّف (ابن حزم) پر بحث و تمحیص کی ہے اور کتاب کا سالِ تصنیف ۴۱۲-۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء متعیّن کیا ہے (ص lvii ببعد؛ دیکھیے Asin Palacios : *Abenházam*، ۱: ۷۷ ببعد، تعلیقہ ۹۲) [اس کا ایک شگفتہ ترجمہ بزبان انگریزی پروفیسر آربری نے ۱۹۵۴ء میں کیا تھا]۔ طوق الحمامۃ کا روسی ترجمہ M. A. Sallier نے کیا تھا (Ibn Hazm, *Ožerelje Golubki, perewods arabskogo* M. A. Salje [Sallier] pod redakciej I. Ju. Kračkowskogo، ماسکو ۱۹۳۳ء)۔ [طوق الحمامۃ کا فرانسیسی میں ترجمہ L. Bercher نے کیا، جو الجزائر سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔ اس کا جرمن میں ترجمہ M. Weisweiler نے بعنوان *Das Halsband der Taube* کیا، جو لائڈن سے ۱۹۴۱ء میں اور دوسری بار فرینکفرٹ سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا]۔ طوق الحمامۃ کے متن پر تنقید کے لیے گولٹ تسیہر کی کتاب مذکورۂ بالا (در مقالہ) کے علاوہ قبّ براکلمان، در *Lit. Zentralbl*، ۱۹۱۵ء، عمود ۱۲۷۶ اور اس کا مقالہ *Beiträge zur Kritik u. Erklärung von Ibn Ḥazm's Ṭauq al-Hamama*، در مجلّہ *Islamica*، ۵ (۱۹۳۲ء): ۴۶۲-۴۷۴۔ اس مقالے میں طوق الحمامۃ کے ان تمام اقتباسات کے حوالے مذکور ہیں جو ابن قیّم الجوزیّہ کی کتاب رَوْضَۃُ المُحِبِّین و نُزْہَۃ المُشْتاقِین (دمشق ۱۳۴۹ھ) میں نقل کیے گئے ہیں؛ نیز قبّ W. Marcais: *Observations sur le texte du ''Tawq al-Hamam''*، در *Mémorial Henri Basset*، پیرس ۱۹۲۸ء، ۲: ۵۹-۸۸ اور قبّ Nykl کے ترجمے کے حواشی (ص ۲۲۲ ببعد)۔ طوق الحمامۃ کی ایک طباعت دمشق (۱۳۴۹ھ) سے شائع ہوئی، نیز قبّ E. Wiedemann: *Beiträge zur Gesch. der Naturwissenschaften XLII. Zwei naturwissenschaftliche Stellen aus dem werk von Ibn Ḥazm über die Liebe, über das Sehen und den Magneten*، در *S.B.P.M.S Erlg.*، ج ۴۷ (۱۹۱۵ء): ۹۳-۹۷۔

اخلاق میں رسالۃ الاخلاق والسیر فی مداواۃ النُّفُوس کے تین مختلف مطبوعہ متن موجود ہیں (نیز دیکھیے سرکیس (Sarkis): مُعْجَمُ المَطْبُوعات، قاہرہ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء، عمود ۸۶)۔ Asin Palacios نے اس کتاب کا مطالعہ اور ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا (*Los caracteres y la conducta. Tratado de moral práctica por Abenházam de Córdoba*، میڈرڈ ۱۹۱۶ء نیز دیکھیے اس مصنّف کی کتاب *Abenházam*، ۱: ۲۳۲ ببعد اور اسی کا مضمون در *al-Andalus*، ۲ (۱۹۳۴ء): ۱۸؛ وہی مصنّف: *La*

moral gnómica de Abenházam، در *Cultura Española*، ۱۹۰۹ء)۔ نیز اس کتابچے کے لیے قب A. R. Nykl: *Ibn Ḥazm's Treatise on Ethics*، در *A.J.S.L.* (۱۹۲۴ء) ۴۰:۳۰-۳۶.

کتاب الاِحْکَام فی اُصُولِ الاَحْکَام کی ایک اشاعت ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۶ء میں مکتبۃ الخانجی قاہرہ میں شروع ہوئی تھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب تک مکمّل نہیں ہوئی.

کتاب مسائل اصول الفقه (قب آ، طبع اوّل، لائڈن، ۲: ۳۸۵الف، سطر ۲۴ و سطر ۲۷، الصّغانی کے بجاے الصَّنْعانی پڑھیے)، اُصولِ فقہ سے متعلّق چند اقتباسات پر مشتمل ہے، جنھیں محمد بن اسمٰعیل الامیر الصّنعانی نے ابن حَزْم کی کتاب المُحلّٰی کے مقدمے سے منتخب کیا تھا اور جن کے ساتھ اس نے اپنی توضیحات وتشریحات شامل کر دی ہیں۔ یہی رسالہ مجموعة رسائل فی اصول التّفسير واصول الفقه، مرتبہ جمال الدّین القاسمی، دمشق ۱۳۳۱ھ، صفحات ۲۷-۵۲ اور مجموعة الرسائل المُنِيْرِيّه (قاہرہ ۱۳۴۳-۱۳۴۶ھ)، ۱: ۷۷-۹۹ میں بھی موجود ہے.

کتاب المُحلّٰی (قب آ، طبع اوّل، لائڈن، ۲: ۳۸۴الف، سطر ۲۷) [القاهرة ۱۳۴۷-۱۳۵۲ھ] کے لیے بھی دیکھیے Asin: *Abinházam*، ۱: ۲۶۱ ببعد.

کتاب الناسخ والمنسوخ، جو تفسیر الجلالین کی بعض اشاعتوں کے حاشیے پر طبع ہوئی تھی (قب ۲: ۳۸۵ب، سطر ۵۸)، کا مصنف بدیہی طور پر ابو عبداللہ محمد بن حَزْم تھا [اور اسے غلط طور پر ابو محمد علی بن حَزْم کی طرف منسوب کیا گیا ہے].

ابن حَزْم کی جو کتابیں موجود ہیں ان میں ۱۶ مقالات کے ایک مجموعے کا اَور اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ مقالات مختلف حجم کے ہیں اور انھیں H. Ritter نے کتب خانۂ مسجد فاتح (استانبول) کے عربی مخطوطے، شمارہ ۲۷۰۴ میں دریافت کیا۔ مقالات ایک حد تک جوابات اور تردیدوں پر مشتمل ہیں۔ ان کی پوری تفصیل Asín Palacios نے اپنے مقالے بعنوان *Un Códice inexplorado del Cordobés Ibn Ḥazm*، در مجلّۂ *al-Andalus*، ۲، (۱۹۳۴ء): ۱-۵۶ میں درج کی ہے۔ ممکن ہے کہ رسالة الدُّرَّة فی تحقیق [ن: تدقیق] الکلام فیما یَلْزَمُ الاِنْسانَ اِعْتِقادُه، جو ان مقالات میں شامل ہے (شمارہ ۴)، وہی رسالة الدُّرَّة ہو، جس کے خلاف بعد میں قاضی ابن العربی الاِشبیلی (قب Asin Palacios: *Abenházam*، ۱: ۳۰۳ ببعد) نے رسالة الغُرَّة تحریر کیا تھا.

اس کے علاوہ ایک اَور تصنیف مراتب الاجماع بھی محفوظ ہے، قب فہرست مخطوطات بانکی پور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۸۹۲؛ قب حاجی خلیفہ: کشف الظنون، طبع فلوگل (Flügel)، ۵: ۴۸۵، شمارہ ۱۱۷۴۷ اور *JA*، سلسلہ ۴، شمارہ ۱۸، (۱۸۵۱ء): ص ۵۰۰ ببعد.

مآخذ: تصانیف مذکورۂ بالا کے علاوہ: (۱) یاقوت: ارشاد الاریب (طبع وقفیۂ گب ۶: ۵)، ۸۶۵ ببعد، (۲) ابن خَلِّکان طبع وسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، شمارہ ۴۵۹، (۳) ابن القِفْطی: تأریخ الحکماء، طبع Lippert، ص ۲۳۲ ببعد؛ (۴) ابن بَشْکُوال: الصِلَة، شمارہ ۸۸۸ و ۴۰: (۵) الضَّبّی: بُغْیَة المُلْتَمِس، شمارہ ۱۲۰۴ و ۴۱۲؛ (۶) عبدالواحد المَرّاکُشی: المُعْجِب (طبع ڈوزی Dozy)، باردوم، اشاریہ؛ (۷) ابن خاقان: مَطْمَح (قسطنطینیہ ۱۳۰۲ھ)، ص ۵۵ ببعد؛ (۸) الذَّہَبی، تذکرة الحُفّاظ (مطبوعۂ حیدرآباد دکن)، ۳: ۳۴۱ ببعد؛ (۹) المقّری: طبع ڈوزی، ۱: ۵۱۱ ببعد (مطبوعۂ بولاق، ۱: ۳۶۴ ببعد) اور اشاریہ؛ (۱۰) *Cat. Cod. Arab. Bibl. Lugd. Bat.*، ۱: ۲۶۷ ببعد؛ (۱۱) ابن خَلْدون: مقدمة، طبع پیرس، ۳: ۴؛ (۱۲) ڈوزی (Dozy): *Script. arab. de Abbadidis loci*، ۳: ۷۵، ۱۳۰ ببعد (النویری)؛ (۱۳) وہی مصنّف: البیان المُغْرِب، دیباچہ، ص ۶۴ ببعد؛ (۱۴) وہی مصنّف: *Hist. des Musulmans d' Espagne*، اشاریہ؛ (۱۵) گولٹ تسہیر (Goldziher): *Die Ẓâhiriten*، ص ۱۰۹-۱۸۶ و بمواضع کثیرہ؛ (۱۶) Hastings: مادّۂ ابن حزم، در *Encyclopaedia of Religion and Ethics*؛ (۱۷) Schreiner: *Beitr. z. Gesch. der theol. Bewegungen im islam*، ص ۳ ببعد؛ (۱۸) MacDonald: *Development of Muslims Theology*، ص ۲۰۹ ببعد؛ (۱۹) براکلمان، ۱: ۳۹۹ ببعد، (قب ۵۲۵ و ۲: ۷۰۱) و ۴۱۹؛ [تکملہ، ۱: ۶۹۲؛ *Islamica*، ۵ (۱۹۳۲ء): ۴۶۲، ۴۷۴]؛ (۲۰) Pons Biogues: *Ensayo bio- bibliografico*، شمارہ ۱۰۳، ص ۱۳۰ ببعد؛ (۲۱) Friedlaender: *The Heterodoxies*، دیباچہ؛ (۲۲) Horten: *Die. philos. Systeme der Spekul. Theologen*، ص ۵۶۴ ببعد (کتاب الفصل سے جو عنوانات یہاں جمع کیے گئے ہیں وہ محض جزوی طور پر درست ہیں)؛ (۲۲) Petrof: طوق، ص vii ببعد، نیز ص ix پر جو دوسری کتابیں درج ہیں.

[اضافہ از تکملہ، آ طبع اوّل، لائڈن] (۲۳) صاعد ابن احمد الاندلسی: طبقات الامم، طبع شیخو، بیروت ۱۹۱۲ء، ص ۷۵-۷۷؛ (۲۴) ابن العربی الاِشْبِیْلی: العواصم من القواصم، الجزائر ۱۳۴۶ھ، ۱: ۸۵؛ ۲: ۶۷ ببعد؛ (۲۵) النُوَیْری: *Historia de los Musulmanes de España y Africa por en-Nuguairí*، عربی متن اور ہسپانوی ترجمہ از M. Gaspar Remiro، جلد اوّل، غرناطہ ۱۹۱۷ء، متن: ص ۹۵ ببعد، ترجمہ: ص ۹۴ ببعد؛ (۲۶) الیافعی: مرآة الجنان وعِبرَةُ الیَقْظان، حیدرآباد (دکن) ۱۳۳۷-۱۳۴۰ھ، ۳: ۷۹-۸۱؛ (۲۷) Matteo di Ing: *Le pretese contradizzioni della S. Scrittura secondo Ibn Hazm*، روم ۱۹۲۳ء؛ (۲۸) A. González Palencia: *Historia de la literatura arábigoespañola*، بارسلونا (Barcelona) ۱۹۲۸ء، ص ۱۴۰-۱۵۷ و مواضع کثیرہ؛ (۲۹) ڈوزی (R. Dozy): *Histoire des Musulmans d' Espagñe*، طبع جدید، ترمیم

باعتنا E. Lévi-Provençal، لائڈن ١٩٣٢ء، ٢: ٣٢٦–٣٣٢ و مواضع کثیرہ؛ (٣٠) ابن العِماد: شذرات، ٢: ٢٩٩؛ (٣١) زکی مبارک: النثر الفنی، ٢: ١٦٦–١٨٧؛ (٣٢) ابن الخطیب: الاحاطة، ٣: ١٤٤؛ (٣٣) اشتراک دولت کے اصول کے متعلّق ابن حَزْم کے نقطۂ نظر کے لیے دیکھیے مناظر احسن گیلانی وغلام دستگیر رشید: اسلامی اشتراکیت، مکتبۂ خدام ملّت کراچی، تاریخ طبع ندارد].

(C. VAN ARENDONK)

⊗ **ابن حَمْدُون:** بہاء الدّین ابو المعالی محمد بن الحسن، ایک نامور ادیب، جو ابوالقاسم اسمٰعیل بن الفضل الجُرجانی کا شاگرد تھا، بغداد میں ٤٩٥ھ/ ١١٠٢ء میں پیدا ہوا۔ خلیفہ المقتفی کے عہد (٥٣٠–٥٥٥ھ/ ١١٣٦–١١٦٠ء) میں وہ کئی ایک منصبوں پر فائز رہا۔ اس لیے اسے ''کافی الکفاۃ'' کا لقب دیا گیا۔ خلیفہ المستنجد (٥٥٥–٥٦٦ھ/ ١١٦٠–١١٧٠ء) نے اسے ''دیوان الزمام'' سپرد کیا اور اسے اپنا مقرّبِ خاص بنایا، مگر جب ابن حَمْدُون نے پچاس ابواب پر مشتمل تاریخ وادب اور نوادر واشعار کا ایک جلیل القدر مجموعہ (بعنوان التذکرۃ فی السیاسة والآداب الملکیة) مرتّب کیا تو اس میں چند ایسی حکایات شامل ہوگئیں جن میں دربارِ عباسی پر طنز وتعریض تھی؛ چنانچہ المستنجد نے ابن حَمْدُون کو ٥٦٤ھ/ ١١٦٧ء کے آغاز میں قید خانے میں ڈال دیا۔ ابن حَمْدُون ذوالقعدہ ٥٦٤ھ/ اگست ١١٦٧ء میں قید خانے ہی میں مرگیا اور مقابر قریش میں دفن کیا گیا۔

ابن حَمْدُون کے تذکرے کا ایک حصّہ کتاب الأغانی اور اس سے ملحقہ اصناف کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ اس کا ایک نایاب مگر ناقص نسخہ متحف بریطانیہ، لنڈن میں ہے، جسے فان کریمر (von Kremer) نے حلب سے حاصل کیا تھا۔ اس کتاب کے کچھ اجزا قاہرہ میں ١٣٤٥ھ/ ١٩٢٧ء میں طبع ہوے.

ابن حَمْدُون کا ایک بھائی غَرُسُ الدّولہ ابو نصر محمد الحسن (م ٥٤٥ھ/ ١١٣١ء) اپنے دور کے عمّال میں سے تھا۔ اور ان کا باپ ابو سعد الحسن بن محمد (م ٥٤٦ھ/ ١١٥١ء) بغداد کے مشہور کاتبوں اور محتسبوں میں شمار ہوتا ہے.

مآخذ: (١) ابن الأثیر الجزری: الکامل، القاہرہ ١٣٠٣ھ، ١١: ١٢٤؛ (٢) ابن خَلِّکان: وَفَیات، القاہرہ ١٣١٠ھ، ١: ٥١٦–٥١٧؛ (٣) ابن شاکر الکُتُبِی: فوات، بولاق ١٢٩٩ھ، ٢: ١٨٦–١٨٧؛ (٣) ابن تَغْرِی بِرْدِی: النُّجوم الزّاهرة، طبع Popper، ٣: ١٢٠؛ (٤) ابن الجَوْزی: المنتظَم، حیدر آباد ١٣٥٤ھ، ١٠: ٢٢١–٢٢٢؛ (٥) الصَّفَدی: الوافی بالوفیات، استانبول ١٩٤٩ء، ٢: ٣٥٧–٣٥٨؛ (٦) ابن کَثِیر: البدایة والنهایة، ١٢: ٢٥٣؛ (٧) ابن العِماد: شَذَرات، ٤: ٢٠٦؛ (٨) السّامی: قاموس الاعلام، استانبول ١٣٠٦ھ، ١: ٦١٨؛ (٩) وُسْتَنْفِلْٹ: Geschichts-chreiber، شمارہ ٢٥٥؛ (١٠) براکلمان، ١: ٢٨٠–٢٨١، تکملہ، ١: ٤٩٣؛ (١١) فان کریمر: .Sitzber phil. Hist. cl. Wiener Akad، ١٨٥١ء، ٦: ٤١٤–٤١٩؛ (١٣) ZDMG، ٧ (١٨٥٣ء): ٢١٥؛ (١٤) امیڈروز (Amedroz): Tales of official life from the Tadhkira of Ibn Hamdūn، در JRAS، ١٩٠٨ء، ٤٠٩–٤٧٠.

(احسان الٰہی رانا)

⊗ **ابن حَمْدِیس:** ابو محمد عبدالجبّار بن ابی بکر الازدیّ [سرقوسہ Syracuse] میں، جو صقلیہ [سسلی] کے مشرقی ساحل پر واقع ہے، تقریبًا ٤٤٧ھ/ ١٠٥٥ء میں پیدا ہوا۔ اس نے اوائل عمری ہی میں شعر وشاعری میں نام پیدا کر لیا تھا۔

٤٧١ھ/ ١٠٧٨ء میں جب نارمن صقلیہ پر قابض ہوے تو ابن حَمْدِیس اندلس چلا گیا اور اشبیلیہ کے حکمران المعتمد بن عبّاد [رکّ بآن] سے وابستہ ہو گیا۔ المعتمد کے ساتھ اس نے کئی معرکوں میں حصّہ لیا اور پے در پے فتح پائی، لیکن یہ سلسلہ دیر تک قائم نہ رہا۔ پلرمو (Palermo) اور دیگر شہروں کے سقوط سے ابن حَمْدِیس بہت خائف ہوگیا۔ اس نے اپنے اشعار میں مسلمانوں کو افریقہ چلے جانے کی تلقین کی۔ اشبیلیہ میں ابن حَمْدِیس کی زندگی خاصی پُرسکون رہی۔ رقص وسرور اور شراب کی محفلوں میں وہ شریک ہوا کرتا تھا۔ اس دور میں ابن حَمْدِیس نے المعتمد اور اس کے بیٹے الرشید کے سوا کسی کی مدح نہیں کی۔

المعتمد کی وفات (٤٨٨ھ/ ١٠٩٥ء بمقام اَغْمات) کے بعد ابن حَمْدِیس بنو حمّاد سے جاملا۔ ان میں سے المنصور بن الناصر ابن عَلْناس (عہد ٤٨١–٤٩٨ھ) کی مدح کی۔ اس نے المنصور کے چند محلّات کی بھی تعریف کی ہے۔ ابن حمدیس پھر بنو زِیری کے پاس چلا گیا اور تمیم بن المعزّ بن بادیس (م ٥٠١ھ/ ١١٠٧ء)، جو اپنے دور کا سب سے قوی حاکم اور اس کے بیٹے یحیٰی (٥٠٩ھ/ ١١١٥ء) اور یحیٰی کے بیٹے علی (م ٥١٥ھ/ ١١٢١ء) اور علی کے نوعمر بیٹے حسن (م ٥٤٣ھ/ ١١٤٨ء) سب کی مدح کی۔ ابن حَمْدِیس نے ان کے علاوہ دیگر امرا اور عمائد کی بھی مدح کی ہے، مثلًا میورقہ (Majorca) کے حاکم مبشّر بن سلیمان کی اور کرامۃ بن المنصور کی جب وہ ٣٢٢ھ کے بعد تونس میں آیا۔

ابن حَمْدِیس کی اولاد میں سے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے علاوہ اس کی محبوبہ جوہرہ کا، جو کسی بحری سفر میں ڈوب کر مرگئی، ذکر ملتا ہے۔ ابن حَمْدِیس نے بجایہ Bougie [بروایتِ دیگر جزیرہ میورقہ] میں رمضان ٥٢٧ھ/ مارچ ١١٣٣ء میں وفات پائی.

ابن حَمْدِیس کی غزلیات وخمریات اس کی اوائل زندگی سے وابستہ ہیں۔ جب وہ اندلس میں گیا تو اس کی شاعری کا رنگ بدل گیا۔ اس کے رزمیہ قصائد اسی دور سے متعلّق ہیں۔ جب وہ افریقہ پہنچا تو اس کے اندازِ بیان میں قنوطیت کا رنگ جھلکنے لگا۔ اس زمانے کی نظموں کے مضامین زیارتِ وطن کے شوق اور عہدِ طفلی کی یاد پر مشتمل ہیں۔ اس کا دیوان چھپ چکا ہے [روم ١٨٨٣ء، طبع منسادا (C.C. Monçada)؛ روم ١٨٩٧ء، طبع کانزونیاری (J. H Canzoniere)]؛ بیروت ١٩٦٠ء]۔ ابن حَمْدِیس کی شاعری کے کچھ نمونے اَماری (Amari) نے بھی شائع

کیے ہیں۔ حاجی خلیفہ [۲:۱۹۶] کے قول کے مطابق اس نے الجزیرہ (Algeciras) کی ایک تاریخ بھی تصنیف کی تھی، جس کا عنوان تأریخ الجزیرۃ الخضراء من بلاد الاندلس ہے.

مآخذ: (۱) الضّبّی: بغیۃ، شمارہ ۱۵۵۹ (قب شمارہ ۱۸۸۴)؛ (۲) عماد الدّین: خریدۃ القصر، بغداد ۱۹۵۵ء، ۱: ۱۸۴ - ۱۸۵؛ (۳) المقّری: نفح الطّیب، بولاق ۱۲۷۹ھ، ۱: ۲۳۲؛ (۴) ابن الأثیر: الکامل، ۱۰: ۳۵۷؛ (۵) ابن خَلِّکان: وَفَیات، القاہرۃ ۱۳۱۰ھ، ۱: ۳۰۲؛ ۲: ۳۱؛ (٦) ابن الاَبّار: تکملۃ، شمارہ ۱۷۸۳؛ (۷) السامی: قاموس الاعلام؛ (۸) مصطفٰی السّقا اور المنشاوی: ترجمۃ ابن حَمْدِیس، القاہرۃ ۱۳۴۷ھ؛ (۹) ھامر۔پرگشٹال: *Literatur geschichte der* Araber، وی اناّ ۱۸۵۵ء، ٦: ۵۵٦: شمارہ ٦۱۸۳، ۷۳۳ - ۷۳۵: شمارہ ٦۴۰۳؛ (۱۰) وُسٹنفلٹ: *Geschichtschreiber Gottinger*، ۱۸۸۲ء، شمارہ ۲۳۴؛ (۱۱) براکلمان، ۱: ۲٦۹ - ۲۷۰؛ تکملہ، ۱: ۴۷۴ - ۴۷۵؛ (۱۲) اماری (M. Amari): *Storia dei Musulmani di Sicilia Catania*، ۱۹۳۳ - ۱۹۳۹ء، ۱: ۸۹ - ۹۰، ۲: ۵۸۹ - ٦۰۲ ومواضع کثیرہ؛ (۱۳) آآ، لائڈن بذیل مادّۂ ابن حمدیس (۲، ۳۸۲ - ۳۸۳)؛ [(۱۴) ریاست علی ندوی: تاریخ صقلیہ، ۲: ۳۴۹ - ۳٦۴].

(احسان الٰہی رانا)

---

* **ابنِ حَمّاد:** ابوعبداللہ محمد بن علی، ایک عرب مؤرّخ، جس نے فاطمیوں [بنو عُبَیْد] کی تاریخ لکھی ہے۔ اس کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات معلوم نہیں۔ صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ الموحّدون کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اور ابن خَلْدُون سے پہلے ہوا تھا؛ چنانچہ ابن خَلْدُون نے طرابلس کے بنوخَزْرُون کے متعلّق اس کی ایک عبارت نقل کی ہے (کتاب العِبَر، ۷: ۴۳)۔ [اس کی تاریخ کی تاریخِ تصنیف ٦۱۷ھ/۱۲۲۰ء بتائی جاتی ہے، جو قرینِ قیاس ہے، براکلمان، ۱: ۳۲۲؛ تکملہ، ۱: ۵۵۵]۔ ابن حمّاد [کی یہ کتاب اخبار ملوک بنی عبید پیرس میں ۱۹۲۷ء میں چھپی]۔ اس کا ایک مخطوطہ پیرس کے قومی کتب خانے میں ہے اور دوسرا الجزائر کے قومی کتب خانے میں۔ اس کے دو حصّوں کا ترجمہ، جو عبیداللہ اور ابو یزید المُخَلَّد کے متعلّق ہیں، شیربونو (Cherbonneau) نے کیا ہے (*JA*، ۱۸٦۲ء، ۲: ۴۷۰ ببعد؛ ۱۸٦۹ء، ۱: ۱۹۹ ببعد).

(رینے باسے RENÉ BASSET)

---

* **ابنِ حَوْقَل:** ابوالقاسم (محمد) [النَّصِیبی، البغدادی، قب کشف الظنون] ایک اہمّ عرب سیّاح اور جغرافیہ نگار۔ اس کے حالاتِ زندگی کے متعلّق بہت کم معلومات موجود ہیں۔ وہ اپنے متعلّق خود یہ بتاتا ہے کہ رمضان ۳۳۱ھ/مئی ۹۴۳ء میں بغداد سے اس مقصد سے نکلا کہ دوسرے ملکوں اور لوگوں کی بابت واقفیت حاصل کرے اور تجارت کے ذریعے دولت کمائے (کتاب صورۃ الارض، ۱۹۳۸ء، ص ۳)۔ اس نے مشرق سے مغرب تک تمام دنیاے اسلام کی سیاحت کی اور اپنے پیش روسیاحوں — الجَیْہانی، ابن خُرَّداذْبِہ اور قُدامَہ — کی تصانیف کا خوب مطالعہ کیا۔ ڈوزی (Dozy) کی راے میں وہ فاطمی خلفا کی ملازمت میں جاسوسی کا کام کرتا تھا۔ سفر کے دوران میں وہ غالبًا ۳۴۰ھ کے قریب اصطخری [رکٓ بآن] سے ملا۔ اُس کی درخواست پر اس نے اس جغرافیہ نویس کے نقشوں کی اصلاح اور اس کی کتاب میں ترمیم و تبدیلی کی، لیکن اس نے بعد میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ کتاب کو ازِ سرِ نو خود لکھے؛ چنانچہ اس نے نسخے کی تکمیل کے بعد اسے بعنوان المسالک والممالک [والمفاوز والمہالک] اپنے نام سے شائع کیا۔ کتاب کی تکمیل ۳٦۷ھ/۹۷۷ء سے پہلے نہ ہو سکی [لیکن صاحبِ کشف الظنون نے اس کا سالِ وفات ۳۵۰ھ/۹٦۱ء دیا ہے]۔ ڈخویہ (de Goeje) نے اس کتاب کا متن *Bibl. Geogr. Arab.* کی دوسری جلد میں شائع کیا [لائڈن ۱۸۷۳ء]۔ اس سے پہلے کی الگ الگ حصّوں کی اشاعتوں اور کچھ جزوی ترجموں کے لیے دیکھیے کتاب مذکور کا دیباچہ (Praefationes)، نیز سلسلۂ مذکور کی جلد اوّل۔ [کرامرز (J. Kramers) نے کتاب صورۃ الارض کے نام سے ابن حوقل کی کتاب کی طبع ثانی دو حصّوں میں شائع کی (لائڈن ۱۹۳۸ء)].

مآخذ: (۱) اولمبروک (P. J. Uylenbrock): *De Ibn Haukalo Geographo, etc.*، Lugd. Bat. ۱۸۲۲ء، ص ۵ - ۱۷؛ (۲) ڈخویہ (de Geoje): *Die Istakhri-Balkhi Frage*، در *ZDMG*، ۲۵ (۱۸۷۱ء): ۴۲ ببعد؛ (۳) وہی مصنّف: *Bibl. Geogr. Arab.*، ج ۴: مقدمہ (Praef.)، ص iv ببعد؛ (۴) ڈوزی: *Hist. des Musulmans d' Espagñe*، ۳: ۱۷، ۱۸۱؛ [(۵) کارا دوو (Carra de Vaux): *Les Penseurs d. l'Islam*، ۲: ۸ (اردو میں جُزوی ترجمہ از صوفی تبسم بعنوان مسلمانوں کا علم جغرافیہ اور شوق سیاحت، مطبوعہ لاہور)؛ (٦) H. Kurdian: *The date of the Oriental Geography of Ibn Haukal*، در *JAOS*، ۵۴ (۱۹۳۴ء): ۸۴ - ۸۵، جہاں ابن حوقل کی اس کتاب کا سالِ تصنیف ''۸۹۱ء سے قبل'' نہ کہ ''۹۰۲ء کے بعد'' ثابت کیا گیا ہے؛ (۷) براکلمان، ۱: ۲۲۹؛ تکملہ، ۱: ۴۰۸؛ (۸) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، طبع یالتقایا، ۱۹۴۳ء، عمود ۱٦٦۴].

(C. VAN ARENDONK)

---

* **ابن حَیّان:** ابومروان حیّان بن خَلَف [بن حسین ابن حیّان] القرطبی، جو عام طور پر اپنے دادا کے نام پر ابن حیّان کہلاتا ہے، اسلامی اَنْدلُس کے سب سے قدیم اور سب سے اچھے مؤرّخین میں سے تھا [اور ابوعلی الغسّانی کے اساتذہ میں سے تھا]۔ ابن حیّان کے سوانح حیات کے بارے میں اس کے سوا تقریبًا کچھ بھی معلوم نہیں کہ وہ ۳۷۷ھ/۹۸۷ - ۹۸۸ء میں پیدا ہوا اور اس کی وفات [ربیع الاوّل] ۴٦۹ھ/[اکتوبر] ۱۰۷٦ء میں ہوئی [اور وہ مقبرۃ الربض میں دفن

ہوا]۔ وہ بڑا پُرنویس تھا اور اس کی تصنیفات کی فہرست میں پچاس سے کم نام نہیں، جن میں نظمیں اور دینی رسائل بھی شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تاریخِ [اندلس] المتین تقریباً ساٹھ جلدوں میں تھی، لیکن اس کی تصنیفات میں سے تاریخ کی صرف ایک کتاب یعنی المقتبس فی تأریخ اندلس ہی باقی رہ گئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ اوکسفرڈ میں ہے Cod. Bodl، در Nicoll ج ۲، شمارہ ۱۳۷) اور ایک قُسْطَنطِینہ (Constantine) میں۔ میڈرڈ میں ان دونوں کی نقلیں موجود ہیں.

مآخذ: (۱) Pons Boigues: *Ensayo biobibliogr*، ص ۱۵۲ بعد، میں مذکور ہیں؛ نیز قب (۲) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۳۸؛ [تکملہ ۱: ۵۷۸؛ (۳) A. G. Palencia: *Historia de la Literatura Arabiga-Española*، طبع دوم، ۱۹۴۵ء، ص ۱۵۱ - ۱۵۳؛ (۴) ابن العماد: شذرات، ۳: ۳۳۳؛ (۵) ابن کثیر: البدایۃ، ۱۲: ۱۱۷].

---

* **ابن خاقان**: تین وزیروں کا نام.

(۱) ابوالحسن عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان، ۲۳۶ھ/ ۸۵۰ - ۸۵۱ء میں کاتب کے عہدے پر مامور ہوا اور بعد میں خلیفہ المُتَوَکِّل نے اسے اپنا وزیر مقرّر کیا۔ وہ اس خلیفہ کے قتل یعنی ۲۴۷ھ/۸۶۱ء تک اسی عہدے پر فائز رہا۔ ۲۴۵ھ/ ۸۶۰ء کے اختتام کے قریب اس نے نَجاح بن سَلَمَہ وزیر مال کو برطرف کرا دیا؛ اسے اذیتیں دے دے کر مار ڈالا گیا اور اس کی جائداد ضبط کر لی گئی۔ الفتح بن خاقان اور عبیداللہ دونوں المتوکّل کے مانے ہوئے مقرّبِ بارگاہ تھے اور وہ اپنا اثر ورسوخ المتوکّل کے بیٹے المعتزّ کے حق میں اور اس کے بھائی المنتصر کے خلاف استعمال کرتے رہے۔ ۲۵۶ھ/ ۸۷۰ء میں المعتمد کی جانشینی کے بعد عبیداللہ کو اس کے پُرزور احتجاجات کے باوجود دوبارہ وزیر بنا دیا گیا اور وہ اس عہدے پر اپنی وفات (ذوالقعدہ ۲۶۳ھ/ جولائی ۸۷۷ء) تک متمکّن رہا [اور طاعت اللہ اور خدمتِ خلیفہ دونوں میں کامل تھا].

مآخذ: (۱) طبری: تأریخ، [۳: ۱۳۸۹، ۱۴۴۱، ۱۴۴۱ بعد، ۱۴۶۱ بعد، ۱۶۳۷ بعد، ۱۹۱۵؛ (۲) ابن عبدربّہ: العقد، ۲: ۱۶۹؛ ۳: ۴۶، ۴۸؛ (۳) الہلال بن المحسّن: تأریخ الوزراء، بیروت ۱۹۰۴ء، ۲، ۷، ۸، ۷؛ (۴) المسعودی: مُرُوج، ۷: ۱۹۷، ۲۵۸، ۸: ۳۹، ۱۲۵؛ (۵) ابن العماد: شذرات، ۲: ۱۴۷؛ (۶) ابن کثیر: البدایۃ، ۱۱: ۳۶]؛ (۷) ابن الاثیر، طبع ٹورن برگ (Tornberg)، ۷: ۵۶ بعد، ۶۶ بعد، ۲۱۵ و مواضع کثیرہ؛ (۸) ابن الطِقطَقیٰ: الفخری، طبع درانبورغ (Derenbourg)، ص ۳۲۶ بعد، ۳۴۳؛ (۹) Weil: *Gesch. der Chalifen*، ۲: ۳۶۷ بعد، ۳۷۴، ۴۲۴.

(۲) ابوعلی محمد بن عبیداللہ بن یحییٰ، سابق الذّکر کا [سب سے بڑا] بیٹا - محمد اپنے باپ کی وفات کے بعد متعدّد عہدوں پر فائز رہا اور جب ۲۹۹ھ/ ۹۱۲ء میں ابن الفرات معزول کر دیا گیا تو حرمِ خلافت کی ایک خاتون کے اثر ورسوخ سے قلمدانِ وزارت اسے تفویض ہوا، لیکن وہ اس قدر نا اہل ثابت ہوا کہ دوسرے ہی سال خلیفہ المقتدر نے اس کی جگہ ابن ابی البَغْل والیِ فارس کو وزیر بنانا چاہا؛ مگر محمد حرم کی سازشوں کے ذریعے اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو گیا اور ابن ابی البَغل، جو دار الخلافہ میں عہدۂ وزارت سنبھالنے کے لیے پہنچ چکا تھا، اپنے سابقہ عہدے پر فارس واپس چلا گیا۔ سال کے اِختتام پر خلیفہ کو کسی زیادہ مناسب وزیر کی تلاش ہوئی؛ چنانچہ اس نے علی بن عیسٰی بن الجَرّاح [رَکّ بآن] کو بغداد بلایا۔ جب مؤخّر الذّکر نے ۳۰۱ھ/۹۱۳ء کے شروع میں قلمدانِ وزارت سنبھال لیا تو محمد اور اس کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور عبدالواحد کو گرفتار کر لیا گیا، مگر جمادی الاُخریٰ ۳۰۱ھ/ جنوری ۹۱۴ء میں اسے دوبارہ آزادی مل گئی اور وہ ۳۱۲ھ/ ۹۲۴ء میں فوت ہوا.

مآخذ: [(۱) طبری: تأریخ، [۳: ۲۲۸۷، ۲۲۸۸، ۲۲۸۸ ۷، ۳۷ الف تا ۴۳، ۴۶، ۱۲۲]؛ (۲) ہلال الصابیٔ: کتاب الوزراء، طبع ایمڈروز (Amedroz)، ص ۲۶۱ - ۲۸۰؛ (۳) عریب [صلۃ تأریخ الطبری]، طبع ڈخویہ (de Geoje)، ص ۳۷ - ۴۳، ۴۶، ۱۲۲؛ (۴) ابن الاثیر، طبع ٹورن برگ (Tornberg)، ۸: ۷۴ بعد، ۷۳، ۱۱۰ بعد؛ (۵) ابن الطِقطَقیٰ: الفخری، طبع درانبورغ (Derenbourg)، ص ۳۶۲ - ۳۶۴؛ (۶) Weil: *Gesch. der Chalifen*، ۲: ۵۴۷ بعد.

(۳) ابوالقاسم عبداللہ (عبیداللہ) بن محمد بن عبیداللہ بن یحییٰ، مذکورۂ بالا محمد بن عبیداللہ کا بیٹا تھا۔ جمادی الاُخریٰ ۳۱۲ھ/ ۹۲۴ء میں الفرات کے آخری مرتبہ معزول ہونے پر عبداللہ نے اس کی جگہ لے لی جب یہ حاجبِ اعلٰی نصر القُشُوری کے خلاف سازش کر رہا تھا تو نصر کو اس کا پتا چل گیا، چنانچہ اس نے عبداللہ کو فوراً وزارت کے عہدے سے معزول کرا دیا۔ اس کے علاوہ وہ بیمار اور ناتوان تھا اور اس وجہ سے اسے کچھ عرصے تک اپنے عہدے کے کاروبار میں دوسروں پر اعتبار کرنا پڑا۔ پھر اسی زمانے میں بغداد میں قحط پڑ گیا اور جیسا کہ دستور ہے، لوگوں کی بے اطمینانی کا اظہار وزیر ہی کے خلاف ہوا۔ بالآخر نصر اسے نیچا دکھانے میں کامیاب ہو گیا، چنانچہ عبداللہ کو تقریباً ایک سال چھے ماہ کی وزارت کے بعد معزول کر دیا گیا اور پھر رمضان المبارک ۳۱۳ھ/نومبر ۹۲۵ء میں اسے قید کر دیا گیا اور اس کی جائداد ضبط کر لی گئی۔ کچھ عرصے کے بعد المقتدر نے اسے رہا کر دیا اور وہ ۳۱۴ھ/ ۹۲۶ - ۹۲۷ء میں فوت ہو گیا.

مآخذ: (۱) عریب [بن سعد: صلۃ تأریخ الطبری]، طبع ڈخویہ (de Geoje)، ص ۷۳ بعد، ۱۲۰ - ۱۲۶؛ (۲) ابن الاثیر، طبع ٹورن برگ (Tornberg)، ۸: ۱۱۰، ۱۲۲ بعد؛ (۳) ابن الطِقطَقیٰ: الفخری، طبع درانبورغ (Derenbourg)، ص ۳۶۶؛ (۴) Weil: *Gesch d. Chalifen*، ۲: ۶۵۵.

(K. V. ZETTERSTÉEN)

---

* **ابن خالَوَیْہ**: (خالُوَیَہ) ابوعبداللہ الحسین بن احمد بن حَمدان الہَمَذانی [الشافعی]، ایک مشہور عرب نحوی اور لغت نویس، جس کی ولادت کا سن کہیں مذکور

نہیں۔ وہ ہمذان کا باشندہ تھا، ۳۱۴ھ [۹۲۶ء] میں بغداد آیا، جہاں اس نے قرآن [مجید] ابن مجاہد (م ۳۲۴ھ) اور ابو سعید السِّیرافی (م ۳۶۸ھ) سے پڑھا، نحو اور ادب ابن دُرَید [رک بآن]، نِفْطَوَیہ (م ۳۲۳ھ)، ابن الانباری [رک بآن] اور ابو عمر الزاہد (م ۳۴۵ھ) سے اور حدیث محمد بن مَخْلَد العطّار (م ۳۳۱ھ) اور دوسرے علما سے پڑھی۔ بعد میں وہ شام چلا گیا اور حَلَب میں سکونت اختیار کر لی۔ الذّہبی کے بیان کے مطابق وہ میّا فارِقین اور حِمْص میں بھی رہا۔ بصرے اور کوفے کے نحوی دبستانوں کے بارے میں اس نے یہ نقطۂ نظر اختیار کیا جو مسئلہ کسی میں بھی اچھا معلوم ہوا سے اختیار کر لیا جائے۔ بحیثیت مُدرّس اس نے بڑی شہرت حاصل کی، چنانچہ سیف الدّولہ حَمْدانی، جس کے بیٹے کو اس نے پڑھایا تھا اس پر بڑا مہربان تھا۔ بحیثیت شاعر کے بھی اس کی قدر کی جاتی تھی اور اَلْمُتَنَبِّی [رک بآن] سے اکثر اس کی پرزور بحث رہتی تھی۔ ابن دُرُسْتَوَیْہ (م ۳۴۷ھ) نحوی نے کتاب الرّدّ علی ابن خالَوَیہ فی الکلّ والبعض، (فہرست، ۶۳، سطر ۱۵) میں اس کے خلاف دلائل پیش کیے ہیں۔ ابن خَالَوَیہ ۳۷۰ھ/۹۸۰ء میں حَلَب میں فوت ہوا۔

اس کی تصانیف میں سے (جن کی تفصیل فلوگل (Flügel) نے محلّ مذکور میں دی ہے) مندرجۂ ذیل محفوظ ہیں:۔

کتاب لَیس، جس کا پہلا آدھا حصہ درانبورغ (H. Derenbourg) نے *Hebraica*، ۱:۸۸-۱۰۵ اور *Amer. Journ. of Sem. Lang. and Lit.*، ۱۴، (۱۸۹۸ء): ۸۱-۹۳؛ ۱۵، (۱۸۹۸-۱۸۹۹ء): ۳۲-۴۱، ۲۱۵-۲۲۳؛ ۱۸، (۱۹۰۱ء): ۳۶-۵۱ میں شائع کیا ہے؛ نیز قاہرہ میں ۱۳۲۷ھ میں طبع ہوئی، اگرچہ طباعت ابھی بمشکل تمام ہوئی ہے (طبع احمد بن الامین الشَّنْقِیطی)؛ (ب) کتابُ (رسالۃ فی) اِعْرابِ ثلاثین سُورۃ [من القرآن الکریم، قاہرہ ۱۳۶۰ھ]؛ (ج) شرح مقصورۃ ابن دُرَید، مخطوطۂ کتب خانۂ ملّی پیرس، شمارہ ۴۲۳۱، ج ۴ اور براکلمان، محلّ مذکور، ۱:۱۱۱؛ (د) دیوان ابو فراس [رک بآن] کی تصحیح اور اس کا مقدّمہ؛ (ہ) ثعلب کے بعض نحوی مسائل کا ردّ، جو السیوطی کی تالیف الاَشْباہ والنظائر (حیدر آباد ۱۳۱۷ھ)، ۴:۱۳۷-۱۴۰ میں مندرج ہے؛ [(و) کتاب الریح، قب I. Y. Krachkovsky: *Ibn Ḫālawaih's Kitāb al-Rīh*، در *Islamica*، ۱۹۲۶ء، ص ۳۳۱-۳۴۳].

کتاب الشَّجر، جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے دراصل ابو زید [رک بآن] کی تصنیف ہے، جس پر اس کے درس کی بنیاد تھی، جیسا کہ سموئیل ناگل برگ (S. Nagelberg) نے اپنی طبع کردہ کتاب *Kitâb aš šağar*، در Zurich Diss. Kirchhain، ۱۹۰۹ء) کے دیباچے میں ثابت کیا ہے۔ غالبًا کتاب العَشَرات کی صورت حال بھی یہی ہے، جس کا ذکر اس کی تصنیف میں آیا، ہے کیونکہ یہ کتاب غالبًا اس کے استاد ابو عمر الزاہد کی تصنیف ہے (فہرست، برلن شمارہ ۷۰۱۴).

مآخذ: (۱) الفہرست، ص ۸۴ اور ۳۵ سطر ۷ بعد؛ (۲) ابن خَلِّکان، طبع وُسْتَنْفِلْٹ (Wüstenfeld) عدد ۱۹۳ اور عدد ۴۹؛ [مطبوعہ ۱۳۱۰ھ، ۱:۱۵۷-۱۵۸]، ترجمہ از دیسلان (de Slane)، ۱:۴۵۶ بعد اور ۱۰۵]؛ (۳) الذّہبی، Cod. Warner ۶۵۴، ج ۳ (*Cat.*، ۲:۱۲۶ بعد): ۲۹ پائیں بعد؛ (۴) السیوطی: بُغْیَۃُ الوُعاۃ، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۲۳۱ بعد؛ (۵) فلوگل: *Die Gramm. Schulen d. Araber, Abhandl. d. Dtsch. Morg. Ges.*، ۲:۲۳۰؛ (۶) براکلمان، ۱:۱۲۵؛ [تکملہ، ۱:۱۹۰]؛ (۷) یاقوت: مُعْجَم الأُدَباء، ۹:۲۰۰؛ (۸) ابن تغری بردی: النُّجوم الزّاہرۃ، ۳:۳۴۰؛ ۴:۱۳۹؛ (۹) ابن العماد: شذرات الذہب، ۳:۷۱؛ (۱۰) ابن قاضی شُہبہ: طبقات، ۱:۳۱۷؛ (۱۱) السُّبکی: طبقات الشافعیۃ، ۲:۲۱۲؛ (۱۲) صدر الدّین: *Saifuddaulah* etc، لاہور ۱۹۳۰ء، ص ۱۵۷-۱۵۹؛ (۱۳) ابن الانباری: نزہۃ، ص ۳۸۳-۳۸۵؛ (۱۴) ثعالبی: یتیمۃ الدہر، ۱:۸۸؛ (۱۵) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۲۳۷ بعد؛ (۱۶) ہامر پرگشٹال، ۵:۴۴۲-۴۴۴].

(C. VAN ARENDONK)

----

* **ابن خُرَّداذْبِہ:** ابو القاسم عبیداللہ بن عبداللہ [احمد، قب الفہرست، الخراسانی]۔ ایرانی نسل کا ایک مشہور جغرافیہ نگار، جو بظاہر تیسری صدی کے شروع میں (تقریبًا ۸۲۰ء) [۲۱۱ھ قب سرکیس، عمود ۹۲] پیدا ہوا۔ اس کے دادا نے (جو مجوسی تھا، برامکہ کے توسّل سے) اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کا باپ والیِ طبرستان کے اعلی منصب پر مامور رہا تھا۔ اس کی اپنی زندگی کے متعلّق بھی ہمیں بہت کم معلوم ہے۔ وہ الجَبَل (میڈیا) میں ڈاک اور خبر رسانی کے محکمے کے ناظم (صاحب البرید والخبر) کے اہمّ عہدے پر مامور تھا، لیکن معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے یہ عہدہ کب اور کیسے حاصل کیا۔ خلیفہ المُعْتَمِد نے اُسے اپنا گہرا دوست بنا لیا تھا۔ المسعودی نے آلاتِ موسیقی، غِنا، توقیع (تال) اور رقص کے موضوع پر اس کی ایک تقریر نقل کی ہے، جو اس نے خلیفہ کے دربار میں کی تھی۔ علم موسیقی اس نے اسحٰق الموصلی سے حاصل کیا تھا، جو اس کے والد کا گہرا دوست تھا۔ اس کی تصانیف میں سے جن میں سے بعض عالمانہ نوعیّت کی تھیں (مثلًا ایرانیوں کے انساب کے متعلّق) اور بعض ادبیات کی صنف [صید، موسیقی، شراب واطعمہ اور ندماء] سے متعلّق تھیں، صرف کتاب المسالک والممالک باقی رہ گئی ہے [لیکن اس کی کتاب اللھو والملاھی کے ایک مخطوطے کا علم بھی ہوا ہے، قب براکلمان]۔ کتاب المسالک، جو اس نے ایک عبّاسی شہزادے کی درخواست پر لکھی تھی اور جس کا مواد اس نے سرکاری دفاتر (Archives) سے جمع کیا تھا، مقامی تاریخی جغرافیے کے بارے میں ایک اہمّ ماخذ ہے اور بعد کے جغرافیہ نویسوں (مثلًا ابن الفَقیہ، ابن حَوْقَل، المُقَدَّسی اور الجَیْہانی) نے اسے اکثر استعمال کیا ہے۔ اس کتاب کو پہلے بار بیہ دینار (Barbier de Meynard) نے مع ترجمہ شائع

کیا (JA، ۱۸۶۵ء) اور دوبارہ ڈخویہ (de Geoje) نے (سلسلۂ *Bibl. Geog. Arab.*، ج ۶ [لائڈن ۱۸۹۰ء، مع فرانسیسی ترجمہ])، جس نے دوسرے نسخوں سے بھی استفادہ کیا۔ جیسا کہ ڈخویہ نے ثابت کیا ہے اس کا کوئی مکمل نسخہ موجود نہیں ہے۔ وہ اپنی تحقیقات کی رُو سے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ابن خُرّداذْبہ نے یہ کتاب ۲۳۲ھ/۸۴۶-۸۴۷ء میں لکھی تھی اور پھر رفتہ رفتہ اس میں اضافے کرتا رہا اور اسی طرح یہ دوسری دفعہ شائع ہوئی۔ اگرچہ اس اشاعت کی تکمیل ۲۷۲ھ/۸۸۵-۸۸۶ء سے پہلے نہ ہوئی۔ [ابن خُرّداذْبِہ کی اس کتاب کا ترکی ترجمہ شریف ابن محمد نے ایک فارسی ترجمے سے کیا تھا]۔ حاجی خلیفہ کے قول کے مطابق ابن خُرّداذْبہ حدود ۳۰۰ھ/۹۱۲-۹۱۳ء میں فوت ہوا]۔

مآخذ: (۱) ڈخویہ (de Geoje): *Bibl. Geogr. Arab.*، ج ۶، دیباچہ اور وہ حوالہ جات جو وہاں مذکور ہیں؛ [(۲) ابن الندیم: الفہرست، ص ۱۴۹؛ (۳) المسعودی: مُرُوج، ۱: ۱۲؛ ۲: ۷۰-۷۲؛ ۸: ۸۸-۱۰۲؛ (۴) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، طبع یالتقایا، ۱۹۴۱ء، عمود ۱۶۶۵؛ (۵) ہامر پرگشتال، ۴: ۳۲۳-۳۲۴؛ (۶) براکلمان، ۱: ۲۲۵؛ تکملہ، ۱: ۴۰۴].

(C. VAN ARENDONK)

---

* **ابن الخَصِیب:** رَكَ بہ الخَصِیبی.

---

* **ابن الخَطِیب:** ذوالوِزارتَین (دو وزارتوں، یعنی وزارۃ القلم اور وزارۃ السیف کا جامع، بہ الفاظِ دیگر سپہ سالار اور وزیر اعظم (قب Dozy: *Supplement*) الملقّب بہ لسان الدّین، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ ابن سعید بن عبداللہ بن سعید بن علی بن احمد السَّلْمانی (منسوب بہ سَلْمان، جو یمنی قبیلہ مراد کی ایک شاخ ہے؛ اس میں سلمان فارسی [رَكَ بآن] کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے)، ایک ایسے خاندان سے تھا جو شام سے ہجرت کر کے اندلس، یعنی قرطبہ، طُلَیْطُلَہ، لوشہ [Loja] اور غرناطہ کی طرف چلا گیا تھا اور جو پہلے بنو وزیر کے نام سے موسوم تھا لیکن سعید بن علی الخَطِیب کے نام پر بنوالخَطِیب بھی کہلاتا تھا؛ لہٰذا ذُوالوِزارتَین کو بالعموم محض لسان الدّین ابن الخَطِیب یا ابن الخطیب السَّلْمانی کہتے ہیں۔ ۲۵ رجب ۷۱۳ھ/۱۵ نومبر ۱۳۱۳ء کو غالبًا لوشہ (Loja، قدیم نام Ilipula Laus) میں پیدا ہوا، جو غرناطہ کے نیچے المَرج (Vega) کے مغربی سرے پر دریاے شَنِیل (Genil) (شَنْجِیل = Singilis) پر واقع ہے؛ لیکن اس نے اپنی جوانی کا زمانہ غرناطہ میں گزارا، جہاں اس کا والد بنونصر کا درباری منصب دار ہو کر چلا آیا تھا اور جہاں اس نے فاضل اساتذہ سے مختلف علوم اس کامیابی سے حاصل کیے کہ وہ اگر پورے عربی اندلس کا نہیں تو کم از کم غرناطہ کا سب سے بڑا اور آخری مصنّف، شاعر اور سیاست دان بن گیا۔ جب اس کا والد ۷ جمادی الاولیٰ ۷۴۱ھ/۲۹ اکتوبر ۱۳۴۰ء میں طریف (Tarifa) کی جنگ میں شہید ہو گیا تو اس نے فاضل وزیر ابوالحسن علی بن الجیّاب کی ملازمت اختیار کر لی اور اس کا شاگرد بن گیا، لیکن ابوالحسن ۲۳ شوّال ۷۴۹ھ/۱۴ جنوری ۱۳۴۹ء کو بعارضۂ طاعون فوت ہو گیا (اس کی سیرت کے لیے قب المقّری، قاہرہ ۱۳۰۲ھ، ۳: ۲۲۲-۲۴۰؛ ۴: ۵۵) اور سلطان ابوالحجّاج یوسف اوّل (۱۳۳۳-۱۳۵۴ء) نے ابن الخطیب کو اُس کی جگہ وزیر بنا لیا۔ یوسف کے قتل کے بعد بھی وہ اس کے بیٹے اور جانشین محمد خامس (۱۳۵۴-۱۳۵۹ء) کے عہد میں اسی عہدے پر فائز رہا۔ ۱۳۶۰ء میں محمد خامس کی معزولی کے بعد وہ غرناطہ میں قید ہو گیا اور اس کے بعد اس کے ساتھ ہی مَرَّاکُش میں جلاوطن رہا۔ ابن الخطیب نے ۱۳۶۲ء تک سَلا میں گوشہ نشینی کی زندگی گزاری۔ اسی سال جب بنومرین (تا ۱۳۹۱ء) نے محمد خامس کو دوبارہ تخت نشین کیا تو یہ وزیر بن کر غرناطہ چلا آیا اور وہاں امن سے زندگی بسر کرتا رہا، مگر ۱۳۷۱ء میں اپنے دشمنوں کی خطرناک سازشوں سے بچنے کے لیے وہ بھاگ کر جبل الطارق سے سلطان ابوالسعید عبدالعزیز (۱۳۶۶-۱۳۷۲ء) (جس سے مُلر (A. Müller): *Der Islam*، ۲: ۶۶۹ بعد، نے غلطی سے دو الگ الگ آدمی سمجھے ہیں، ایک عبدالعزیز اور دوسرا ابوسعید) کے پاس سَبْتہ (Ceuta) اور تِلِمْسان چلا گیا۔ غرناطہ میں اسے ملحد قرار دیا گیا اور سَبْتَہ سے اسے واپس غرناطہ بھیجنے کا مطالبہ کیا گیا، لیکن عبدالعزیز اور اس کے بیٹے اور جانشین محمد ثالث السعید (۱۳۷۲-۱۳۷۴ء) نے اسے حوالے کرنے سے انکار کر دیا، بحالیکہ مدّعیِ سلطنت ابوالعبّاس المُسْتَنْصِر اس کوشش میں لگا رہا۔ ابوعبداللہ (براکلمان، Brockelmann، ۲: ۲۵۹: عبیداللہ) محمد بن زُمْرُک (المَقَّرِی، ۴: ۲۷۴-۳۲۲)، جو اس کا شاگرد تھا اور غرناطہ میں وزیر کی حیثیت سے اس کا جانشین ہوا، ابھی اس کے مقدّمے کی سماعت کر رہا تھا کہ چند قاتل، جنھیں وزیر محمد بن عثمان کے نائب سلیمان بن داؤد نے ایک ذاتی عداوت کا انتقام لینے کے لیے اس کام پر مامور کیا تھا، قیدخانے میں داخل ہو گئے اور رات کے وقت ابن الخطیب کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ یہ ایک ایسی شرمناک حرکت تھی کہ جب صبح ہوئی اور لوگوں کو اس کا علم ہوا تو وہ بہت برافروختہ ہوے۔

ابن الخطیب کی تقریبًا ساٹھ تصانیف میں سے، جن میں اکثر تاریخ، جغرافیہ، شعر و سخن، ادب، تصوّف، فلسفہ اور طبّ کے موضوع پر تھیں، تقریبًا ایک تہائی ہم تک پہنچی ہیں، جن کے لیے دیکھیے Pons Boigues: *Ensayo-Bio-bibliográfico*، عدد ۲۹۴، ص ۳۳۴-۳۴۷؛ براکلمان ۲: ۲۶۰-۲۶۳ اور ان کے مآخذ۔ ہمارے نزدیک اس کی سب سے اہمّ تصنیف غرناطہ کی جامع تاریخ مسمّٰی بہ الاحاطة فی تأریخ غرناطة ہے، تاہم اس میں [بجاے تاریخ کے] زیادہ تر علما کے حالاتِ زندگی ہیں۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ منتشر مخطوطات اور اقتباسات سے اس کتاب کی ایک تنقیدی طَباعت مع ترجمہ شائع کی جائے۔ اس کی ایک تلخیص کی طباعت، جو قاہرہ میں ۱۳۱۹ھ میں ۲ جلدوں میں ہوئی (تیسری جلد ابھی شائع نہیں ہوئی) بالکل ناکافی ہے اور جہاں

تک ہسپانوی ناموں کا تعلق ہے، بہت ناقص بھی ہے۔
مخطوطات کے لیے قب نیز *Cat. Cod. Arab. Lugd. Bat.* ج ۲، طبع دوم، ۱۹۰۷ء، عدد ۱۰۰۱ ببعد (ص ۱۰۳ ببعد)؛ *Bibl. Acad.*۔ اس کی تاریخی تصانیف الحُلَل المَرْقُوْمَة اور اللَّمحَةُ البَدْرِیة فی الدَّوْلةِ النَّصریة بھی، جس کے اقتباسات غزیری (Casiri) نے *Bibliotheca*، ۲: ۱۷۷-۲۲۴ اور ۲۴۶-۳۱۹ پر دیے ہیں، تنقیدی طباعت اور ترجمے کی مستحق ہیں (اس کے اڈیشن مطبوعۂ تونس ۱۳۱۵ھ کے متعلّق، جس کا ذکر براکلمان نے ۲: ۱۰۷ پر کیا ہے، راقم الحروف کو کچھ علم نہیں۔ شاید براکلمان نے اسے لاحق الذّکر کتاب سے ملتبس کر دیا ہے [سرکیس نے بھی ابن الخطیب کی مطبوعہ کتب میں اس کا ذکر نہیں کیا]۔ رَقْمُ الحُلَلِ فی نَظْمِ الدُوَل ۱۳۱۶ھ میں تونس میں چھپی۔ خطرة الطَّیف فی رِحْلَةِ الشِتاء والصَّیف کے متعلق درانبورغ (Derenbourg) (اور Casiri، ۲: ۱۳۶ ب) اور براکلمان، ۲۶۲، کا خیال ہے کہ اس میں افریقہ کے سفر کا بیان ہے [اس کا مخطوطہ اسکوریال (میڈرڈ) میں محفوظ ہے]۔ اس کے برخلاف مُلر (M. J. Müller) کی طباعت، *Beiträge*، ۱: ۱۴-۴۱، سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں ''شہزادہ ابوالحجاج کے غرناطہ کے مشرقی اضلاع میں سفر کا ذکر ہے''۔ (المقالة) المُقْنِعَةُ السَّائِل عن [فی] المَرض الهَائِل، ۷۴۹ھ / ۱۳۴۸-۱۳۴۹ء میں [غرناطہ میں] جو طاعون کی وبا پھیلی اس کے متعلّق ہے اور *Sitzungber. der Bayr. Akad. der Wissenchaften*، ۱۸۶۳ء میں طبع اور شائع ہوئی (Brockelmann) اور براکلمان Pons Boigues 'Casiri' میں اس کا نام منفعة السَّائِل دیا گیا ہے)۔ مِعْیَار الاِخْتِیَار فی ذِکْرِ المُعَاهد والدِّیار، جسے مُلر (M. J. Müller) :*Beiträge*، ۱: ۴۵-۱۰۰، میں پورا شائع کر چکا تھا [میونخ ۱۸۶۶ء]، ۱۳۲۵ھ میں دوبارہ فاس میں شائع ہوئی۔ [جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ اس کے ایک حصّے کا ترجمہ ہسپانوی زبان میں (میڈرڈ ۱۸۶۱ء اور غرناطہ ۱۸۷۲ء) شائع ہوا تھا۔ تأریخ آداب اللغة، ۳: ۲۱۷] رنگین و مرصّع اسلوب کی سیاسی دستاویزوں کے بڑے مجموعے میں سے رَیحانَةُ الکُتّاب ونُجعَة المُنتاب کے متعدّد اقتباسات اور ان کے ترجمے Mariana Gaspar Remiro اپنے رسالے موسومہ *Rev. del Centro de Estudios Histór. de Granada y su Reino* میں ۱۹۱۲ء سے شائع کرتا رہا ہے۔ [اس کا مخطوطہ اسکوریال میں محفوظ ہے۔] مُفَاخرَة (مُفَاضلَة) مالَقَة وَسلَا کو مُلر نے *Beiträge*، ۱: ۱-۱۳ میں شائع کیا۔ حبیب الزّیات نے ایک اور کتاب رَوْضَة التَعْرِیف بالحُبِّ الشَّرِیف لِلسانِ الدِّینِ الخَطِیب کا ذکر کرتا ہے (خزائن الکتب فی دمشق وضواحیها، ۵۳)۔ مخطوطۂ میونخ عدد ۴۲۱ میں اس کا ایک قصیدہ ہے اور میونخ عدد ۹۹۱ میں مُلر کے لکھے ہوئے اس کے کئی نسخے ہیں۔ الحُلَل المَوْشِیه فی ذِکْرِ الاَخْبار المرّاکشِیَه، جس کی ایک معمولی سی طباعت ۱۳۲۹ھ [۱۹۱۱ء] میں شائع ہوئی، غلطی سے ابن الخطیب کی طرف منسوب کر دی گئی، قب ملاحظات راقم در *Rev. del Centro etc*، ۴: ۱۳۷ ببعد۔ اس کتاب کے شروع میں ایسے صفحے ہیں جن میں ابن الخطیب کے سوانح حیات کے متعلّق المقّری اور ابنِ خَلدُون کی کتابوں سے اقتباسات مندرج ہیں، مگر ان کی عبارت بہت غلط ہے۔

[ابن الخطیب کی کتاب اَعْمال الاعلام فیمن بُوْیِع قبل الاِحْتِلام من مُلُوکِ الاِسْلام وما یتعلّق بذلک من الکلام کا صرف ایک حصّہ ہی طبع ہوا ہے (روم ۱۹۱۰ء)، جس کا تعلّق المغرب کی حکومتوں کے ساتھ ہے۔ جرجی زیدان نے غلطی سے لکھا ہے کہ یہ کتاب مکمّل چھپ چکی ہے (تاریخ آداب اللُّغة، ۳: ۲۱۷)۔ اصل کتاب کا مکمّل مخطوطہ الجزائر کے کتب خانۂ ملّی میں موجود ہے۔

مآخذ: (۱) ابن خَلدُون: العِبَر، ۷: ۳۲۲-۳۲۶، ۳۴۱؛ (۲) ابن حجر: الدُّرَرُ الکامنة، ۳: ۴۶۹-۴۷۴؛ (۳) ابن تَغْری بُرْدِی: المنهل الصافی، ۳: ۱۸۷؛ (۴) المقّری: نفح الطیب، بہ امداد اشاریہ؛ (۵) ابن العماد: شذرات الذهب، ۶: ۲۴۴-۲۴۷؛ (۶) الزِّرِکْلی: الاَعْلام، ۳: ۹۳۱ ببعد؛ (۷) لکلرک (Lcclerk)، ۲: ۲۸۵؛ (۸) براکلمان، ۲: ۲۶۰ ببعد؛ تکملہ، ۲، ۳]۔

(C. F. SEYBOLD)

ابن خَلدُون: عبدالرحمٰن اور یحیٰی، دو عرب مؤرّخ، اشبیلہ کے ایک * خاندان کے فرد، جو ساتویں صدی ہجری/تیرھویں صدی عیسوی کے وسط کے قریب نقل وطن کر کے تونس آ گئے تھے اور جو عربوں کے قبیلۂ کِنْدَہ سے [وائل بن حجر کی اولاد میں سے] تھے۔ ان کا مورثِ اعلٰی خالد المعروف بہ خَلدُون (جس کی وجہ سے خاندان کے سب افراد ابن خَلدُون کہلانے لگے) تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی میں یمن سے اندلس کی طرف ہجرت کر گیا تھا۔ وہاں اس کی نسل کے متعدّد افراد اہم انتظامی عہدوں پر فائز رہے، بعض قرمونہ (Carmona) میں اور بعض اشبیلیہ میں۔ اندلس کے الموحّدون کی سلطنت کے سقوط اور عیسائیوں کی متواتر فتوحات کے سبب خلدون کا خاندان سبتہ (Ceuta) چلا گیا اور دونوں بھائیوں عبدالرحمٰن اور یحیٰی کا پردادا الحسن حَفْصیہ خاندان کے حکمران ابوزکریا کی دعوت پر بالآخر بونہ (Bona) میں سکونت پذیر ہو گیا۔ حفصی امرا اور رؤسا نے الحسن اور اس کے بیٹے ابوبکر محمد پر لطف و عنایات کی بارش کر دی۔ مؤخّر الذکر کو، جس کا لقب عامل الاَشْغال (یعنی محاسبِ اعلٰی) تھا، قید خانے میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اس کے بیٹے محمد نے بنوحفص کے دربار میں متعدّد اہم عہدے حاصل کیے۔ اس محمد کے بیٹے نے، جس کا نام بھی محمد ہی تھا، تمام سرکاری عہدوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تاکہ پوری توجّہ سے مطالعے اور مراقبے میں مشغول رہ سکے، تاہم وہ تونس ہی میں مقیم رہا اور ۷۵۰ھ/ ۱۳۴۹ء کی وبائے طاعون میں فوت ہوا۔ اس نے تین لڑکے چھوڑے، جن میں سے بڑے محمد نے نہ تو علمی مشاغل میں کوئی حصّہ لیا اور نہ سیاست میں۔ اس کے برعکس دونوں چھوٹے بھائیوں، یعنی عبدالرحمٰن اور

یحیٰی، نے سیاست دان اور مؤرّخ کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔

(۱) عبدالرحمٰن (ابو زید) الملقب بہ ولیّ الدّین تونس میں یکم رمضان ۷۳۲ھ/ ۲۷ مئی ۱۳۳۲ء کو پیدا ہوا اور قاہرہ میں ۲۵ رمضان ۸۰۸ھ/ ۱۶ مارچ ۱۴۰۶ء کو فوت ہوا۔ قرآن [مجید] حفظ کرنے کے بعد اس نے اپنے والد اور تونس کے سربرآوردہ استادوں سے تعلیم حاصل کی اور بڑے ذوق و انہماک سے نحو، لغت، فقہ، حدیث اور شعروشاعری کی تحصیل میں مشغول ہو گیا۔ جب ابوالحسن مَرِینی نے ۷۴۸ھ/ ۱۳۴۷ء میں تونس پر قبضہ کر لیا تو عبدالرحمٰن نے اُن مغربی علما کے درس سے بھی استفادہ کیا جو اس حکمران کے دربار کے ساتھ منسلک تھے اور منطق و فلسفہ، کلام، قانون شریعت اور علومِ عربیہ کی دوسری شاخوں میں اپنے علم کی تکمیل کی۔ اس زمانے میں جو تعلّقات اس نے مرینی دربار کے بڑے بڑے عہدیداروں اور علما سے قائم کر لیے تھے ان سے بعد میں اسے فاس کے دربار میں اعلٰی مناصب حاصل کرنے میں مدد ملی۔ ابھی اس کی عمر بمشکل اکیس برس کی ہو گی کہ اسے تونس کے بادشاہ کا کاتب العلّامہ مقرّر کیا گیا، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد جب شہر میں بدامنی پھیلی تو وہ اس عہدے کو چھوڑ کر ابن مُزْنی، حاکمِ زاب، کے پاس بِسْکَرَہ بھاگ گیا۔ جب مرینیٔ ابوعِنان نے تِلِمْسان اور بجایۃ (Bougie) تک تمام مشرقی علاقے پر قبضہ کر لیا تو عبدالرحمٰن نے اس کی ملازمت اختیار کر لی اور ایک مرینی سپہ سالار کے ماتحت ایک مہمّ میں حصّہ لیا۔ علما کی درخواست پر سلطان نے اسے فاس آنے کی دعوت دی، چنانچہ ۷۵۵ھ/ ۱۳۵۴ء میں وہ وہاں گیا اور ابوعِنان کا کاتب بن گیا اور اپنے زمانے کے بہترین اساتذہ کی نگرانی میں اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔ ۷۵۷ھ/ ۱۳۵۶ء میں وہ موردِ عتاب ہوا اور اسے دو مرتبہ قید کیا گیا۔ دوسری بار وہ ابوعِنان کی وفات، یعنی ۷۵۹ھ/ ۱۳۵۸ء تک قید میں رہا۔ نئے سلطان ابو سالم نے اسے پھر ۷۶۰ھ/ ۱۳۵۹ء میں کاتب اور بعد میں قاضی القضاۃ مقرّر کر دیا۔ ابو سالم کے قتل کے بعد بدنام وزیر عمر بن عبداللہ کے عہد میں پھر معتوب ہوا، لیکن اسے غرناطہ جانے کی اجازت مل گئی (۷۶۳-۷۶۴ھ/ ۱۳۶۲-۱۳۶۳ء) جہاں وہ بنو الاَحمر کے دربار میں مقیم رہا اور مشہور وزیر ابن الخطیب کے ساتھ رابطۂ دوستی استوار کیا۔ دو سال بعد جب یہ دوستی ٹھنڈی پڑ گئی تو وہ بجایہ کے حفصی حاکم ابو عبداللہ کی دعوت پر وہاں چلا گیا۔ ابو عبداللہ نے اسے اپنا حاجب بنا لیا اور اسی کے ساتھ ساتھ اسے خطیب کا منصب اور معلّمی کی ایک جگہ بھی مل گئی (۷۶۶ھ/ ۱۳۶۴ء)۔ جب اس واقعے کے دوسرے سال والی قُسَنْطِیْنَہ نے بجایہ فتح کر لیا تو عبدالرحمٰن بِسْکَرَہ واپس چلا گیا۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد اس نے تِلِمْسان کے عبدالوادی خاندان کے بادشاہ ابو حَمُّو ثانی [رکّ بآن] سے خط و کتابت کی اور جیسا کہ اس نے خود لکھا ہے، اپنے بھائی یحیٰی کو اس کا حاجب بنا کر اس کے پاس روانہ کیا اور اس کے لیے متعدّد عربی قبائل کی حمایت حاصل کر لی اور علاوہ ازیں تونس کے بادشاہ ابو اسحٰق اور اس کے بیٹے اور جانشین خالد کے ساتھ اس کا اتحاد کرا دیا۔ اس کے بعد وہ خود بھی تِلِمْسان چلا گیا اور تھوڑے ہی عرصے بعد جب بدقسمت ابو حَمُّو کو مرینی سلطان عبدالعزیز نے دارالسلطنت سے نکال دیا تو عبدالرحمٰن نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور عبدالعزیز کو اپنی خدمات پیش کر دیں۔ بِسْکَرَہ کی محفوظ جائے پناہ سے اس زمانے میں جب المغرب جنگوں اور بغاوتوں کی مصیبت میں مبتلا تھا وہ ابو حَمُّو کے خلاف عبدالعزیز کی مسلسل تائید و حمایت کرتا رہا۔ ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۲ء میں وہ فاس گیا اور وہاں سے ۷۷۶ھ/ ۱۳۷۴ء میں غرناطہ؛ لیکن غرناطہ کے سلطان نے مرینیوں کے اکسانے پر اسے تِلِمْسان کی بندرگاہ حُنَیْن میں بھجوا دیا۔ تِلِمْسان میں ابو حَمُّو نے پھر اس کا دوستانہ طور پر استقبال کیا، مگر اب اس نے بادشاہوں کی مصاحبت سے اجتناب کا عزم کر لیا اور قلعۂ ابن سَلامہ (توغزُوت) چلا گیا، جہاں اس نے اپنی تاریخ لکھنا شروع کی۔ وہ ۷۸۰ھ/ ۱۳۷۸ء تک وہیں مقیم رہا، مگر اس کے بعد بعض کتابوں کے مطالعے کے لیے، جن کی اسے اپنی تصنیف کے سلسلے میں ضرورت تھی، تونس چلا گیا۔ ۷۸۴ھ/ ۱۳۸۲ء میں وہ حج کے لیے روانہ ہوا لیکن راستے میں اسکندریہ [یکم شوّال ۷۸۴ھ/ دسمبر ۱۳۸۲ء] اور قاہرہ [۹ ذوالقعدہ ۷۸۴ھ/ ۴ جنوری ۱۳۸۳ء] میں رک گیا، جہاں اس نے پہلے جامع الازہر میں اور بعد ازاں اَلْقَمْحِیَّہ میں درس دیا اور ۷۸۶ھ/ ۱۳۸۴ء میں سلطان الظاہر بَرْقُوق نے اسے مالکی قاضی القضاۃ مقرّر کر دیا۔ اس سے تھوڑے ہی عرصے بعد جہاز غرق ہو جانے سے اس کا پورا خاندان اور اثاثہ [جو تونس سے مصر کو آ رہا تھا] تباہ ہو گیا اور اب اس نے اپنے آپ کو نیک کاموں کے لیے وقف کر دیا اور ۷۸۹ھ/ ۱۳۸۷ء میں اپنا حج بھی مکمّل کر لیا، [جُمادی الاُولٰی ۷۹۰ھ/ مئی ۱۳۸۸ء کو وہ قاہرہ واپس آ گیا۔ ۷۹۲ھ/ ۱۳۹۰ء میں اسے مدرسۂ صَرْغَتْمِش میں مدرّس بنا دیا گیا]۔ ۸۰۱ھ/ ۱۳۹۹ء سے وہ پھر قاہرہ میں تھوڑے وقفے کے ساتھ مالکی قاضی القضاۃ بنایا گیا [مگر اوائل ۸۰۳ھ/ اواخر ۱۴۰۰ء میں اسے پھر معزول کر دیا گیا] اور ۸۰۳ھ/ ۱۴۰۱ء میں وہ سلطان النّاصر کے ساتھ دیگر قاضیوں کی ہمراہی میں تیمور کے خلاف جنگ کے لیے دمشق روانہ ہوا۔ [۲۳ جُمادی الاُولٰی ۸۰۳ھ/ ۱۴ جنوری ۱۴۰۱ء کو ابن خلدون کو قلعۂ دمشق کی فصیل پر سے رسوں کی مدد سے نیچے اتارا گیا اور اس نے تیمور سے ملاقات کی۔ تیمور اس کی گفتگو اور وجاہت سے بہت متأثّر ہوا۔ تقریبًا ڈیڑھ ماہ بعد ابن خَلدُون نے تیمور سے دوسری ملاقات کی، مگر اس کے فورًا بعد ابن خَلدُون کو قاہرہ واپس آنا پڑا] قاہرہ واپس پہنچ کر وہ پھر قاضی بنا اور چند وقفوں کے ساتھ اپنی وفات تک اسی عہدے پر فائز رہا۔

عبدالرحمٰن کی زندگی کے مذکورۂ بالا حالات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے شاید اہمّ منصبوں کے نظم و نسق میں تو بڑی مدبّرانہ قابلیّت کا اظہار کیا، لیکن اس نے اپنے ایک آقا کا ساتھ چھوڑ کر کسی دوسرے آقا کی ملازمت اختیار کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا جو بالعموم پہلے دشمن ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ وہ شمالی افریقہ اور اندلس کی سیاست میں بہت زیادہ حصّہ لیتا رہا اور اسے ان واقعات پر جو وہاں رونما ہوئے غور کے بعد رائے دینے کے خاص مواقع

حاصل تھے۔ اس کی کتاب العِبَر (قاہرہ ۱۲۸۴ھ، ۷ جلدوں میں) کے مختلف حصّوں کی قدر و قیمت یکساں نہیں ہے؛ تاہم وہ اس کے زمانے کی تاریخ کے متعلّق ایک بڑی اہمّ تصنیف ہے۔ اگرچہ اس جامع تاریخ کے بعض حصّوں میں حقائق کے طریقِ اظہار اور اسنادی قدر و قیمت کے لحاظ سے بہت سی خامیاں رہ گئی ہیں، پھر بھی دوسرے حصّوں میں باوجود طرزِ تحریر کے بعض نقائص کے تاریخ کے مطالعے کے لیے بہت سی اہمّ اسناد موجود ہیں۔ اس کی تاریخِ بربَر ہر اس چیز کے لیے جو المغرب، عرب اور بربر قبائل اور اس ملک کے ازمنۂ وسطٰی کی تاریخ سے تعلّق رکھتی ہے، ہمیشہ کے لیے ایک قیمتی رہنما رہے گی۔ یہ کتاب پچاس سال (چودھویں صدی کے دوسرے نصف) کے براہِ راست مشاہدے اور متعدّد کتابوں، وقائع اور اپنے زمانے کی سفارتی اور سرکاری دستاویزوں کے گہرے مطالعے کا ثمرہ ہے۔ اس کا مقدمہ، جس میں ''عربی علوم اور تہذیب کے تمام شعبوں سے بحث کی گئی ہے، مصنّف کے خیالات کی گہرائی، وضاحت بیان اور اصابت رائے کے لحاظ سے یقیناً اپنے زمانے کی سب سے اہمّ تصنیف ہے اور بظاہر کسی مسلمان کی کوئی بھی تصنیف اس سے سبقت نہیں لے جا سکی''۔ [مصنّف نے یہ مقدمہ ۷۷۹ھ میں ختم کیا (طبع کاترمئیر (Quatremère)، پیرس ۱۸۴۷ - ۱۸۵۸ء؛ طبع نصر الهوريني، مصر ۱۸۵۸ء؛ دیسلان نے اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا، پیرس ۱۸۶۲ء؛ اعراب کے ساتھ متن، ۱۹۰۰ء؛ اب تک کی بہترین اشاعت، طبع علی عبدالواحد وافی، مع تعلیقات، قاہرہ ۱۹۵۷ - ۱۹۶۲ء، چار جلد؛ اردو ترجمہ مقدّمۂ ابن خَلدُون، مع سوانح، لاہور ۱۹۱۰ء؛ اردو ترجمہ مقدّمۂ ابن خَلدُون از سعد حسن خان، کراچی)۔ کتاب العبر کی متعدّد طباعتیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کتاب کا ایک حصّہ، جس کا تعلق افریقیہ میں بنو اغلب کی حکومت سے ہے، فرانسیسی ترجمے کے ساتھ پیرس (۱۸۴۱ء) میں شائع ہوا۔ کتاب کا آخری حصّہ، جس کا تعلّق المغرب میں دُوَلِ اسلامیہ کی تاریخ سے ہے، دیسلان نے تیار کیا اور الجزائر سے ۱۸۴۷ - ۱۸۵۱ء میں شائع ہوا۔ جو حصّہ اہلِ یورپ کی اسلامی ممالک پر یلغار سے تعلّق رکھتا ہے، وہ مع لاطینی ترجمہ (*Ibn Khalduni narratio de Expeditionibus Francorum in terras Islamico subjectas*، طبع تورنبورغ) اوسلو سے ۱۸۴۰ء میں شائع ہوا؛ فرانسیسی ترجمہ از دیسلان، پیرس ۱۹۲۵ - ۱۹۳۴ء؛ اردو ترجمہ، تاریخ ابن خَلدُون، از احمد حسین، الٰہ آباد ۱۹۰۱ء؛ اردو ترجمہ، تاریخ ابن خَلدُون، از ڈاکٹر عنایت اللہ، لاہور ۱۹۶۰ء۔ تاریخ انبیاء کے نام سے اس کے ایک حصّے کا اردو ترجمہ از انتظام اللہ شہابی، کراچی ۱۳۷۵ھ۔

کتاب العِبَر اور مقدّمہ کے علاوہ اس کی مندرجۂ ذیل تالیفات بھی ہیں: (۱) شرح البردة؛ (۲) الحساب؛ (۳) المنطق].

مآخذ: (۱) عبدالرحمٰن کی زندگی کے لیے دیکھیے اس کے خود نوشت سوانح، جسے دیسلان (de Slane) نے شائع اور مکمّل کیا، *JA*، ۱۹۴۴ء؛ *Hist. de Berbères*، ج ۱، اور مقدّمہ کے ترجمے، ج ۱، پیرس ۱۹۶۳ء میں چھپی؛ [اصل متن اس کے مقدّمۃ کا حصّہ ہے۔ فشل (W. J. Fischel) نے اس خود نوشت سوانح پر دیگر عربی مصادر کی روشنی میں بحث کی ہے، دیکھیے: *Studi orientalis*، روم، ص ۲۸۷ - ۳۰۸؛ (۲) الضوء اللّامع، ، ۴: ۱۴۵؛ (۳) المقریزی: نفح الطیب، ۴: ۴۱۴؛ (۴) احمد بابا: نیل الابتهاج، ص ۱۷۰؛ (۵) محمد الخضر: حیاة ابن خلدون؛ (۶) طٰہٰ حسین: فلسفة ابن خلدون، مصر ۱۹۲۵ء؛ (۷) ساطع الحُصری: دراسات عن مقدمة ابن خلدون، مصر ۱۹۵۳ء؛ (۸) یوحنا قمیر: ابن خلدون؛ (۹) عمر فروخ: ابن خلدون؛ (۱۰) احمد بن محمد: ابراز الوهم......؛ (۱۱) عنان (Enan): ابن خلدون، حیاته و تراثه الفکری اور اس کا انگریزی ترجمہ: *Ibn Khaldun, his life and Works*، ۱۹۴۱ء؛ (۱۲) فِشل (W. J. Fischel): *Ibn Khaldun and Tamerlane*، برکلے و لاس انجلیز ۱۹۵۲ء؛ (۱۳) مہدی محسن: *Ibn Khaldun's Philosophy of History*، ۱۹۵۷ء؛ (۱۴) J. Gräberg De Hemso: *The Great Historical Work etc.* لنڈن ۱۸۳۳ء؛ (۱۵) عبدالقادر: ابن خلدون، معاشرتی، سیاسی اور معاشی خیالات، حیدر آباد دکن ۱۹۴۳ء؛ (۱۶) نگہت شاہجہانپوری: ابن خلدون کی عظمت اور علمائے یورپ، بمبئی ۱۹۴۴ء؛ (۱۷) محمد حنیف: افکار ابن خلدون، لاہور ۱۹۵۴ء؛ (۱۸) انور سعیدہ: *Political Philosophy of Ibn Khaldun*، تحقیقی مقالہ، مخطوطۂ دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۶۲ء]؛ (۱۹) براکلمان، ۲: ۲۴۲ - ۲۴۵؛ [تکملہ، ۲: ۳۴۲] دیکھیے نیز زیادات.

(۲) یحیٰی ابو زکریا، جو تونس میں اندازاً ۷۳۴ھ/۱۳۳۳ء میں پیدا ہوا اور تِلمسان میں رمضان ۷۸۰ھ/نومبر - دسمبر ۱۳۷۸ء میں فوت ہوا۔ اس نے اپنے بھائی کی طرح اور غالبًا اس کے ساتھ مل کر اپنے پیدائشی شہر میں بڑی محنت سے تعلیم حاصل کی اور حفصی دارالحکومت کے سب ہم عصر مشہور علما سے اس کے گہرے تعلّقات تھے۔ اس کی کتاب سے، جس کے لیے قبِّ نیچے، یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا بیشتر رجحان شعر و شاعری اور ادب کی طرف تھا۔ اس کی شخصیت کے متعلّق ہمیں بہت کم معلوم ہے۔ متعدّد کتابوں میں اس کی زندگی کے منتشر حالات ملتے ہیں، مثلاً عبدالرحمٰن کی خود نوشت سیرت اور کتاب العِبَر کے اس حصّے میں جس میں بربروں کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس آخر الذکر کتاب میں تِلمسان میں یحیٰی کے قتل کا مفصّل حال درج ہے۔ یحیٰی نے خود بھی اپنی کتاب بُغیة الرُّوّاد میں اپنی زندگی کے کچھ واقعات لکھے ہیں۔

یحیٰی کی سیاسی زندگی کی ابتدا ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء سے ہوئی، جب وہ فاس کے سلطان ابو سالم کے دربار میں اپنے بھائی کے ساتھ (جو کچھ عرصے بعد قید کر دیا گیا) مقیم تھا اور مؤخّر الذّکر نے دو حفصی امیروں کو، جو اس کے پاس مقیّد تھے، تِلمسان سے واپس بجایہ (Bougie) روانہ کیا۔ یحیٰی اپنے بھائی کی جگہ ان دو شہزادوں کے ساتھ گیا اور ان میں سے ایک، یعنی ابو عبداللہ، کے حاجب کے طور پر کام کیا۔ جب باوجود طویل محاصرے کے ابو عبداللہ بجایہ پر دوبارہ قبضہ نہ کر سکا تو

اس نے یحییٰ کو تِلمِسان کے بادشاہ ابوحمُّو ثانی کے پاس مدد طلب کرنے کے لیے بھیجا (۷۶۴ھ/ ۶۲-۱۳۶۳ء)۔ تِلمِسان میں یحییٰ کا لطف آمیز استقبال ہوا اور اس کی درخواست قبول کر لی گئی۔ اس نے وہاں عیدِ مولد میں شرکت کی، جس کا ذکر اس نے اپنی ایک نظم میں کیا ہے اور پھر ۸ جمادی الاُخریٰ ۷۶۴ھ/ ۲۵ مارچ ۱۳۶۳ء کو وہ اپنے آقا کو عبدالوادی دربار میں لانے کے لیے اس کے پاس واپس گیا۔ دونوں ابو حمُّو کے مرسلۂ دستۂ فوج کے ساتھ بجایہ واپس آ گئے۔

۷۶۷ھ/ ۶۶-۱۳۶۵ء میں قُسنطِینَہ (Constantine) کے حفصی امیر نے بجایہ پر قبضہ کرنے کے بعد یحییٰ کو بونہ میں قید کر دیا اور اس کی جائداد ضبط کر لی، مگر وہ جلد ہی وہاں سے بچ نکلا اور ابن مزنی اور اپنے بھائی کے پاس بِسکَرہ چلا گیا۔ غالبًا اسی زمانے میں وہ عُقبہ [بن نافع، فاتح شمالی افریقہ] کی قبر کی زیارت کے لیے گیا، جس کا ذکر اس نے اپنی کتاب بُغیَة الرُّوَّاد میں کیا ہے۔ ابو حمُّو کی درخواست پر بِسکَرہ سے تِلمِسان واپس چلا آیا اور وہاں رجب ۷۶۹ھ/ فروری ۱۳۶۸ء میں پہنچا اور کاتب الانشاء مقرّر کر دیا گیا، مگر جب اس بات کا علم ہوا کہ تِلمِسان کو مرینیوں کی طرف سے خطرہ ہے تو وہ ابوحمُّو کی تمام عنایات کو بھول گیا اور ۷۷۲ھ/ ۱۳۷۱ء میں اسے چھوڑ کر اس نے سلطان عبدالعزیز مرینی اور اس کے بعد اس کے جانشین محمد السعید کی ملازمت اختیار کر لی۔ یحییٰ تِلمِسان اُسی وقت لوٹا جب سلطان ابوالعباس نے ۷۷۵ھ/ ۱۳۷۳ء میں فاس الجدید پر قبضہ کر لیا۔ یہاں ابوحمُّو نے پھر اس کا خیر مقدم کیا اور اسے کاتب الانشاء کا سابقہ عہدہ عطا کر دیا۔ اس نے جلد ہی دوبارہ بادشاہ کا اعتماد حاصل کر لیا، لیکن اس سے دیگر درباری منصب داروں اور بالخصوص ابوحمُّو کے سب سے بڑے بیٹے اور اغلب جانشین ابوتاشفین ثانی کے سینے میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ موخّرالذّکر نے یحییٰ پر، جب وہ رمضان ۷۸۰ھ/ دسمبر ۱۳۷۸ء میں رات کے وقت محلّ سے باہر آ رہا تھا، چند کرائے کے قاتلوں کے ساتھ حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ جب ابوحمُّو کو اس بات کا علم ہوا کہ اس کا بیٹا اس قتل کا محرّک تھا تو اسے قاتلوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

اگرچہ یحییٰ کی سیاسی زندگی کا دَور اپنے بھائی کے مقابلے میں زیادہ مختصر اور کم درخشندہ رہا، تاہم اسے ایک نہایت فاضلانہ تاریخی کتاب مسمّٰی بہ بُغیَة الرُّوَّادِ فِی ذِکرِ المُلُوک مِن بنی عَبْدِالوَاد لکھنے کا موقع مل گیا۔ بروس لار (Brosselard) اور بارژے (Bargès) نے تِلمِسان کی تاریخ میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے اور میں نے اس کے عربی متن کو ترجمے سمیت *Histoire des Beni 'Abd al-Wād, Rois de Tlemcen* ۲ جلد، الجزائر ۱۹۰۴-۱۹۱۳ء) کے نام سے شائع کیا۔ چونکہ مصنّف ابوحمُّو ثانی کا کاتب اور معتمد مشیر تھا اس لیے اس بادشاہ کے طویل اور ایک لحاظ سے تاباں عہدِ حکومت سے واقفیّت کے لیے سلطنتِ تِلمِسان کی یہ تاریخ بالخصوص نہایت اہمّ ہے۔ کاتب ہونے کی حیثیت سے وہ یقینًا سیاسی دستاویزوں کا مطالعہ کر سکتا تھا اور بعض تحریروں کو تو اس نے اپنی کتاب میں پورے کا پورا نقل بھی کر دیا ہے۔ اگرچہ اس کتاب کا دائرہ موضوع اس کے بھائی عبدالرحمٰن کی کتاب کی طرح وسیع نہیں ہے اور نہ اس میں ویسی بلند نظری اور ناقدانہ دقیقہ شناسی ہی کا ثبوت ملتا ہے لیکن ادبی قدر و قیمت میں یہ اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ اس میں یحییٰ نہ صرف اپنی ادبی مہارت بلکہ شاعرانہ قابلیت کا بھی ثبوت دیتا ہے۔ اس کے خوب صُورت اسلوبِ نگارش میں بسا اوقات تغزُّل کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی تحریر بہترین قدیم عرب مصنّفین کے اقتباسات سے مرصّع ہے۔ وہ نہ صرف ہمارے سامنے وسط المغرب کی اس سلطنت کی سیاسی تاریخ کا خاکہ پیش کرتا ہے بلکہ اس نے اپنی کتاب میں اپنے ہم عصر درباری شعرا کی نظمیں بھی محفوظ کر دی ہیں اور اپنے زمانے کے علما کے اور تِلمِسانی دربار کے مشاعروں کے متعلّق بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ یہ تمام معلومات ایسی ہیں جو کہیں اور نہیں مل سکتیں اور ان سے چودھویں صدی کے عبدالوادی دارالحکومت کی ادبی اور علمی زندگی کی خاصی صحیح تصویر ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔

(ALFRED BEL بل)

ابن خَلِّکان: [صاحب روضات الجنات نے اس نام کے تین تلفظ دیے ہیں: خَلَّکان، خُلَّکان، خِلِّکان۔ یہ اس کے اجداد میں سے کسی کا نام تھا۔] ✱ شمس الدّین ابوالعباس احمد بن محمد بن ابراہیم ابن خَلِّکان البرمکی الاِربلی الشّافعی، ایک عرب مصنّف، جو ۱۱ ربیع الثّانی ۶۰۸ھ/ ۲۲ ستمبر ۱۲۱۱ء کو [موصل کے قریب] اِربل (Arbela) میں پیدا ہوا [جہاں اس نے اپنے باپ کے علاوہ امّ المؤیّد زینب بنت عبدالرحمٰن اور ابن مکرّم الصوفی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر موصل میں کمال الدّین موسیٰ بن یُونُس سے فیض یاب ہوا۔ اس کے بعد] ۶۲۶ء میں الجوالیقی اور ابن شدّاد سے حَلَب میں اور بعد ازاں دمشق میں تعلیم حاصل کی۔ ۶۳۶ھ/ ۱۲۳۸ء میں وہ قاہرہ پہنچا اور قاضی القضاۃ یوسف بن الحسن السِّنجاری کا نائب بن گیا۔ ۶۵۹ھ/ ۱۲۶۰ء میں وہ قاضی القضاۃ بن کر دمشق گیا لیکن یہ عہدہ [۶۷۸ھ/ ۱۲۷۹ء میں سازش کا الزام لگنے پر] اس سے چھن گیا اور پانچ سال کے بعد شافعیوں کے لیے مخصوص ہو گیا اور دس سال کے بعد بالکل موقوف کر دیا گیا۔ قاہرہ کے مدرسۃ الفخریہ میں سات سال تک مُدَرّس رہنے کے بعد اسے پھر اس کا سابقہ عہدہ عطا کیا گیا، لیکن محرّم ۶۸۰ھ/ مئی ۱۲۸۱ء میں دوبارہ چھن گیا اور جمعے کے دن ۱۶ رجب ۶۸۱ھ/ ۲۰ اکتوبر ۱۲۸۲ء کو، جب وہ مدرسۃ الامینیہ میں مدرّس تھا، [پانچ دن بیمار رہ کر] اس نے وفات پائی۔ اس نے اپنی بہترین تصنیف وَفَیاتُ الاَعْیان وَاَنْبَاءُ اَبناءِ الزمان قاہرہ میں ۶۵۴ھ/ ۱۲۵۶ء میں لکھنا شروع کی تھی، لیکن دمشق کی ملازمت کے دوران میں اسے کچھ عرصے کے لیے رک جانا پڑا اور بالآخر ۱۲ جمادی الاُخریٰ ۶۷۲ھ/ ۴ جنوری ۱۲۷۴ء کو اس نے اسے مکمّل کیا۔ اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے (دیکھیے: Cureton: *JARS*، قب ۶۰۷، عدد *Suppl.*: ۱۵۰۵، عدد *Catalogus*

۶، (۱۸۴۱ء): ۲۲۵؛ وسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Gött. Gel. Anz*، ۱۸۴۱ء؛ ص ۲۸۶۔ چونکہ اس قسم کی سابقہ تصنیفات میں سے بیشتر مفقود ہو چکی ہیں۔ (قب وسٹنفلٹ: *Ueber die Quellen des Werkes Ibn Challikani Vitae illustrium hominum*، گوٹنگن ۱۸۳۷ء) اس لیے یہ کتاب ہمارے لیے سِیَر اور تاریخِ ادب کے مطالعے کی غرض سے نہایت ہی اہم معاونوں میں سے ہے، دیکھیے *Ibn Challikani Vitae illustrium virorum munc primum arab* طبع وسٹنفلٹ، Gött. ۱۸۳۵–۱۸۴۳ء؛ *Vies des hommes illustres de l' Islamisme en Arabe, par Ibn Khallikān*، شائع کردۂ دیسلان (M. G. de Slane)، پیرس ۱۸۳۸–۱۸۴۲ء (صرف عدد ۶۷۸ تک)؛ طبع بولاق ۱۲۷۵ھ، ۱۲۹۹ھ؛ قاہرہ ۱۳۱۰ھ؛ چاپ سنگی، تہران ۱۲۸۴ھ؛ تُرکی ترجمہ استانبول ۱۲۸۰ھ؛ *Ibn Khallikan's Biographical Dictionary*، جسے عربی سے دیسلان نے چار جلدوں میں ترجمہ کیا، پیرس ولنڈن ۱۸۴۳–۱۸۷۱ء۔

اس کا بھائی محمد بہاء الدّین، جس نے ۶۸۳ھ/ ۱۲۸۴ء میں بعلبک میں، جب کہ وہ وہاں کا قاضی تھا، وفات پائی، غالبًا التأریخ الاکبر فی طبقات العلماء واخبارھم کا مصنّف ہے، دیکھیے *Bibl. Bodleianae Codd. Mss. Orient. Catalogus, a j. Uri conf.*، حصہ ۱، عدد ۷۴۷، وسٹنفلٹ: کتاب مذکور، عدد ۳۵۹۔

مآخذ: (۱) البرزالی: (ابن خلّکان کے اپنے بیانات کے مطابق) اُلغ خانی میں، *An Arabic History of Gujarat*، طبع Ross، ۱: ۱۸۴؛ [(۲) ابن شاکر: فوات الوفیات، ۱: ۵۵؛ (۳) یافعی: مرآۃ الجنان، ۴: ۱۹۵]؛ (۴) السُّبکی: طبقات الشّافعیۃ، ۵: ۱۴؛ (۵) ابن کثیر: البدایۃ، ۱: ۱۱۳، تحت مادّۂ ابن الراوندی، جہاں اس نے ابن خلّکان کی وفیات پر اپنا ایک تبصرہ دیا ہے؛ (۶) ابن تغری بردی: النُّجُوم الزّاھِرۃ، ۷: ۳۵۳؛ [(۷) السُّیُوطی: حسن المحاضرۃ، ۱: ۳۲۰؛ [(۸) ابن القاضی: دُرَّۃ الحِجال، ۱: ۳۱؛ (۹) ابن العماد: شَذَرات، ۵: ۳۷۱؛ (۱۰) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۸۷؛ (۱۱) طاش کوپرو زادہ: مفتاح السعادۃ، ۱: ۲۰۹؛ (۱۲) الخطط الجدیدۃ، ۱۰: ۱۷؛ (۱۳) عبدالحی لکھنوی: الفوائد البہیۃ ص ۱۱؛] (۱۴) کاترمیر (Quatremēre): *Mamlouks*، ۱: ۲، ۱۸۰ ببعد؛ (۱۵) وہی مصنّف، در *JA*، سلسلہ ۹، ۳: ۴۶۷؛ (۱۶) Wüstenfeld: *Geschicht-schreiber*، شمارہ ۳۵۸؛ (۱۷) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۲۶–۳۲۸؛ [تکملہ ۱: ۵۶۱]۔

(براکلمان C. BROCKELMANN)

----

* **ابن داؤد:** جس کا پورا نام ابوبکر محمد ابن (ابی سلیمان) داؤد الاصفہانی تھا، ایک ظاہری فقیہ اور بغداد کا نامور جامع اشعار اور شاعر (۲۵۵–۲۹۷ھ/ ۸۶۸–۹۰۹ء)۔ وہ فقہ ظاہری کے بانی داؤد بن علی (م ۲۷۰ھ/ ۸۸۴ء) کا بیٹا اور جانشین تھا، جس کا خاندان اصفہان سے آیا تھا۔ ادب سے بہت زیادہ دلبستگی اور مشہور ادبا کی صحبت میں بیٹھنے کا شوق اس میں نوعمری ہی سے پایا جاتا تھا؛ چنانچہ شاعر البُحتُری سے اس کے دوستانہ مراسم تھے اور اپنے استادِ ادب احمد بن یحیٰی الشّیبانی کی تعلیم سے بے حد متاثّر ہوا (قب ارشاد، طبع مرجلیوث (Margoliouth)، ۱: ۴) اور ابھی اس کی عمر بہ مشکل بیس سال کی تھی جب (تقریبًا ۸۹۰ء میں) اس نے کتاب الزَّھَرۃ تصنیف کی، جس سے عربی ادب کی تاریخ میں اسے ایک مستقل جگہ حاصل ہو گئی۔

بعدازاں اپنی پختہ سالی میں ابن داؤد نے (بقول مسعودی: مُرُوج، ۸: ۲۵۵) کئی فقہی رسالے اور کتابیں تصنیف کیں، مثلاً (۱) کتاب الوصول الی معرفۃ الاصول (اس کا تفصیلی حال ارشاد، ۶: ۴۴۶، پر دیا ہے)؛ (۲) کتاب الاِنذار؛ (۳) کتاب الاِعذار والاِیجاز؛ اور ان کے علاوہ مناظرانہ نوعیّت کی ایک کتاب بنام الانتصار، جس کا روئے سخن محمد بن جریر (الطبری، قب ارشاد، ۶: ۴۵۲) عبداللہ بن شُرشِیر اور عیسٰی بن ابراہیم الضّریر کی طرف تھا۔

آج سے کچھ عرصے پہلے تک کتاب الزھرۃ کے متعلّق ہمارا مبلغ علم بالکل محدود تھا۔ یورپی ادب میں اس کا ذکر سب سے پہلے غالبًا Pascual de Gayangos کی تصنیف *History of the Mohammedan Dynasties in Spain*، (مبنی بر المَقّری، لنڈن ۱۸۴۰ء، ۱: ۱۸۵؛ [لائڈن، ۲: ۱۱۸]) کی ایک عبارت میں ملتا ہے۔ جہاں وہ ابن حزم [رک بآن] کا یہ خیال نقل کرتا ہے کہ ابوعمر واحمد بن فَرَج کی تصنیف کتابُ الحدائق ابومحمد بن داؤد کی کتاب الزُّھُور (پھولوں کی کتاب) کی طرز میں لکھی گئی تھی، اگرچہ اس میں ابواب اور اشعار کی تعداد دُگنی کر دی گئی (یعنی ۲۰۰ ابواب اور ہر باب میں ۲۰۰ اشعار)۔ اس کے بعد ان دونوں کتابوں کے باہمی تعلّق کا ذکر ہمیں الضّبّی کی بُغْیَۃُ المُلْتَمِس، طبع Codera و Ribera میں ملتا ہے (Bibliotheca Arabico-Hispana، جلد ۳، میڈرڈ ۱۸۸۵ء، شمارہ ۳۳۱؛ اب قب نیز ارشاد، ۲: ۷۷)۔

کچھ عرصے پہلے تک ہمیں ابن داؤد کی تصنیف کے عنوان کی صحیح قراءت کے بارے میں بھی پورا اطمینان نہ تھا۔ باربیا دِ مینار (Barbier de Maynard) (مُرُوج، ۸: ۲۵۵) اور براکلمان (Brockelmann) (۱: ۵۲۰) دونوں اس عنوان کو کتاب الزُّھَرۃ (یا الزُّھْرَۃ) پڑھتے تھے، [مگر دیکھیے *GALS*، ۱: ۵۲۰]۔ ماسینوں (Massignon) بھی، جس کے متعلّق کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اس کتاب کو دریافت کیا تھا اور جس نے اس کا لبِ لباب اور بعد میں اس کے کچھ اقتباسات بھی شائع کیے تھے، اس دوسری قراءت کو ترجیح دیتا ہے، جس کے معنی ہوں گے "زہرہ سیارے کی کتاب" (قب *The Legacy of Islam*، اوکسفرڈ ۱۹۳۱ء، ص ۱۸۷) مگر قراءت الزَّہَرۃ کے صحیح ہونے کا بہت زیادہ امکان ہے اور اسی کو کتاب کے عربی متن کے اوّلین مصحّح اور طابع نیکل Nykl (دیکھیے مآخذ) اور دوسرے مستند علما نے بھی آخری طور پر اختیار کر لیا ہے۔

لٰہذا کتاب کے عنوان کا مفہوم ''پھولوں کی کتاب'' ہے اور حقیقۃً وہ ہے بھی عشقیہ کلام کا انتخاب اور اس میں ابن داؤد کے اپنے اشعار کے علاوہ، جو بجائے خود اکثر بہت اچھے ہیں، ۲۵۰ سے زائد (تقریباً ۸۹۰ء تک کے) قدیم تر اور ہم عصر عربی شعرا کے قطعات اور اشعار موجود ہیں۔ اس انتخاب میں صرف نامور شعرا کا کلام ہی درج نہیں کیا گیا بلکہ غیر معروف شاعروں کو بھی اس میں جگہ دی گئی ہے اور اس میں متعدد نظمیں ایسی ہیں جو کہیں اور دستیاب نہیں ہوتیں۔ دیگر لحاظ سے بھی اشعار انتخاب کرتے وقت ابن داؤد نے اپنے اوپر کوئی پابندی عائد نہیں کی؛ چنانچہ بعض اوقات وہ ان پر سختی سے تنقید کرتا ہے اور کبھی ان کی بے حد تحسین و توصیف۔ درحقیقت شاعری کے نقّاد کی حیثیت سے اس کا صرف ایک اہم پیشرو ہے اور وہ ہے ابن قُتَیبَہ.

مصنّف کے اصلی خاکے کے مطابق انتخاب میں ۱۰۰ ابواب ہونا چاہیے تھے اور ہر باب میں سو اشعار۔ لیکن قاہرہ کے یکتا مخطوطے کی رُو سے [جس پر مطبوعہ نسخہ مبنی ہے] موجودہ کتاب اس کا صرف نصف ہے، یعنی اس میں پچاس باب ہیں اور ہر باب میں تقریباً ۱۰۰ اشعار (صحیح طور پر ۴۹۲۸ اشعار، بجائے ۵۰۰۰ کے) [البتہ ٹورین (Turin) میں اس کتاب کا ایک مکمل نسخہ محفوظ ہے جس میں نصف ثانی بھی موجود ہے اور جس کا ایک ناتمام نسخہ بغداد کے انستاس الکرملی کے پاس بھی ہے]۔ کتاب الزهرة میں ہر باب کا عنوان عشق سے متعلّق کسی نہ کسی مسجّع ضرب المثل کی شکل میں ہے، مثلاً (۱) من کَثُرت لحظاته دامت حسراته (جسے نظر بازی کی لت ہو اس کی حسرتیں ہمیشہ رہیں گی)؛ (۲) العقل عند الهوٰی اسیر و الشّوق علیهما امیر (عقل اسیرِ ہوس ہے اور دونوں پر شوق کی فرمانروائی ہے) وغیرہ [کتاب الزّهرة، ص ۵] [قبّ *The Dove's Neckring*، ص cv].

کتاب الزهرة میں اشعار کے علاوہ کچھ عبارتیں سادہ اور مسجّع نثر کی بھی ہیں اور ان میں مصنّف عشق کی ماہیّت، اس کے اسباب، اس کی مختلف شکلوں، ضوابط، اقسام، شرائط اور اس کی مختلف منازل تا دمِ مرگ سے بحث کرتا ہے۔ [وہ کہتا ہے: ورَتَّبْتُهَا (الابواب) علی ترتیب الوقوع حالًا فحالًا فقدَّمْتُ وصف کون الهوٰی واسبابه و بسطتُ ذکر الاحوال العارضة فیه بعد استحکامه من الهجر والفراق وما توجبه غلباتُ الشَّوق و الِاشْفاق ثم ختمتها بذکر الوفاء بعد الوفاة وبعد أن أتیت علی ذکر الوفاء فی الحیاة]۔ ان منثور عبارتوں میں ابن داؤد کے اپنے خیالات کے علاوہ ہمیں افلاطون اور جالینوس وغیرہ کی آرا سے بھی روشناس کیا گیا ہے۔ بنا بریں عشق کے مضمون پر یہ ایک مستقل اور قدیم ترین تصنیف ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ (عشق مجازی اور عشق حقیقی پر دیگر عربی اور فارسی تصانیف کے لیے دیکھیے رِٹّر (R. Ritter)، در *Isl.*، ۲۱، (۱۹۳۳ء): ۸۴-۱۰۹)۔ اس طرح اس تصنیف کی نوعیت سراسر داخلی (Subjective) نہیں ہے بلکہ اس میں مصنّف کے اپنے خیالات کے علاوہ دوسروں کی آرا بھی موجود ہیں اور یہ کسی بھی انتخاب کے لیے بہت مناسب ہے۔ ابن داؤد کی نثر ہر جگہ سلجھی ہوئی اور قابلِ فہم نہیں ہوتی۔ مگر حسنِ اتّفاق سے کتاب کا بیشتر حصّہ نظم میں ہے.

اگرچہ اس کتاب کی ترتیب ایسی طبعی اور منطقی نہیں ہے جیسی کہ اس کی ہم جنس منظوم کتاب، یعنی ابن حزم کی طوق الحمامة کی، تاہم یہ قابلِ قدر ہے نہ صرف اس لیے کہ اس کے تمام اشعار صرف ایک ہی موضوع یعنی عشق سے متعلّق ہیں بلکہ اس لیے بھی کہ یہ تین صدیوں (۸۹۰ء تک) کے کثیر التعداد شعرا کے ان خیالات و احساسات کی آئینہ دار ہے جو انھوں نے عشق کے متعلّق ظاہر کیے ہیں اور بالخصوص اس میں ہمیں بغداد کے ادبی اور تعلیم یافتہ حلقوں کے خیالات کا عکس نظر آتا ہے، جو اس زمانے میں مشرقی خلافت کا ثقافتی مرکز تھا۔ اس تصنیف کا ایک اَور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس میں ہمیں عشق کے بارے میں اکثر افلاطونی خیالات کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے جنھیں کبھی براہِ راست افلاطون سے منسوب کیا گیا ہے اور کبھی ''عُذری'' یا مثالی عشق کی شکل میں پیش کیا گیا ہے.

یہ عین فطری بات تھی کہ کتاب الزهرة کو اس کے زمانۂ تصنیف میں ادب کے شیدائی نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ کتاب الحدائق میں اس کا براہِ راست تتبّع کیا گیا تھا، لیکن اس کی صحیح قدر و قیمت اس امر واقع سے معلوم ہوتی ہے کہ نامور ابن حزم بھی عشق کے متعلّق اپنی تصنیف میں اس سے متاثّر ہوا ہے۔ ماسینوں (Massignon) تو ابن داؤد کو قرطبہ کے نامور زجل نویس شاعر ابن قُزمان (بارھویں صدی) کا ''مستند پیشرو'' قرار دیتا ہے، لیکن ابن قُزمان کی *Cancionero* (دیوان)، طبع میڈرڈ ۱۹۳۳ء، کے غائر مطالعے کے بعد نیکل (Nykl) اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ احتمال مطلقاً خارج از بحث ہے۔ نیکل کی تنقیدی اشاعت سے صرف یہی نہیں کہ کتاب الزهرة میں ادبی حلقوں کو از سرِ نو دلچسپی پیدا ہو جائے گی بلکہ یہ کتاب طوق الحمامة کے ساتھ مل کر مشرق میں غزل گوئی کی شروعات کے مطالعے کے لیے بنیاد کا کام دے گی.

مآخذ: (علاوہ ان حوالہ جات کے جو مقالے میں مذکور ہیں) (۱) ابن داؤد کی زندگی کے مفصّل حالات تقریباً سب کے سب خطیب کی تأریخ بغداد، (قاہرہ ۱۹۳۱ء، ۵: ۲۵۶ - ۲۶۳ سے ماخوذ ہیں۔ اس تاریخ کے اقتباسات ماسینوں (Massignon) نے اپنی تصنیف *Recueil de textes inédits*، پیرس ۱۹۲۹ء، ص ۲۳۹ - ۲۴۰) میں دیے ہیں، جن میں ابن داؤد کی وفات کا وہ مشہور قصہ بھی شامل ہے جو ظاہریوں کے عقیدہ ''النظر المباح'' کے موضوع پر معروف و مستند ترین تحریر ہے (H. Ritter، در *Isl.*، ۲۱: ۸۵)۔ اس کے علاوہ دیکھیے (۲) مسعودی: مُرُوج الذهب، طبع باربیا د مینارد (Barbier de Meynard)، پیرس، ۸: ۲۵۳ - ۲۵۶؛ (۳) یاقوت: ارشاد الاریب، طبع مرجلیوث Mragoliouth، (طبع وقفیۂ گب، ۶: ۱ - ۷)؛ (۴) ماسینوں (Massignon): *La Passion d' Al Hallâj*، پیرس ۱۹۲۲ء، ص ۱۶۷ - ۱۸۱؛ (۵) نیکل (A. R. Nykl): *The Dove's Neckring about Love and Lovers*، ابن حزم کی کتاب کا ترجمہ، پیرس ۱۹۳۱ء؛ (۶) ابن داؤد: کتاب الزهرة (The Book of the Flower)، نصف اوّل، طبع نیکل (A. R. Nykl

(بمساعدۂ ابراہیم طوقان))، شکاگو ۱۹۳۲ء، (قب OLZ، ۱۹۳۵ء، عمود ۷ ۴ ـ ۴۹)، قب نیز مادۂ عُذری.

[پروفیسر نیکل (Nykl) کے ایک خط میں مندرج اطلاع کے مطابق کتاب الزھرۃ موجود ہے۔ چنانچہ نالینو (Nallino) (OM، ۱۳، [۱۹۹۳۳ء]: ۴۹۰ و ۴۹۱) کا خیال ہے کہ پروفیسر نیکل (Nykl) کو تورین (Turin) کے کتب خانے میں اس کتاب کا وہ مکمّل نسخہ مل گیا ہے جو اس مخطوطے اور مجموعۂ ادب کی نقل ہے: اس کے دو حصّے ہیں اور پھر وہ پچاس ابواب میں منقسم ہے، یعنی دونوں حصّوں میں کل ایک سو ابواب ہیں، بنا بریں مخطوطۂ قاہرہ منحصر بفرد نسخہ نہیں ہے، جیسا کہ پہلے خیال کیا جاتا تھا۔ Pere Anastase مقیم بغداد کے متعلّق بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس اس مجموعۂ ادب کے دوسرے حصّے کی ایک نہایت ہی خوش خط نقل موجود ہے۔ پروفیسر نیکل نے ان معلومات کو رسالۂ الاندلس، ۴ (۱۹۳۶ء): ۱۴۷ ـ ۱۵۴، میں شائع کر دیا تھا].

(FEHIM BAJRAKTAREVIC)

---

* **ابن دُرَید**: ابو بکر محمد بن الحسن بن عتاہیۃ الأزدی (دُرَید کے نام کے لیے دیکھیے حماسہ، طبع Freytag، ص ۷۷ ۳، متن)، خود اپنے بیان کے مطابق وہ قحطان کے قبیلے سے تھا۔ مُعْتَصِم کے عہد حکومت میں ۲۲۳ھ/ ۸۳۷ء میں بصرے کے سکّۂ صالح میں پیدا ہوا۔ بصرے میں اس نے ابو حاتم السِّجِسْتانی، الرِّیاشی، الأُشْنانْدانی اور الأَصْمَعی کے بھتیجے جیسے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ ۲۵۷ھ [۸۷۰/ ۸۷۱ء] میں جب زنگیوں (زنج) نے بصرے میں قتلِ عام مچا رکھا تھا تو وہ اس خطرے سے بچ نکلا اور اپنے چچا الحَسَن (بعض کے نزدیک الحسین) کے ساتھ، جس نے اس کی تعلیم کی ذمّے داری لے لی تھی، عُمان چلا گیا، جہاں وہ بارہ سال تک مقیم رہا۔ بعد ازاں وہ جزیرہ ابن عمر (عُمارہ کے بجائے یہی پڑھیں؛ ابن خلّکان کے ہاں بصرہ لکھا ہے) اور پھر وہاں سے فارس چلا گیا، جہاں وہ آلِ میکال کے دربار میں ایک مُقرّب مُصاحِب کی حیثیت سے رہا اور ان کے ایک دیوان کا رئیس بھی تھا۔ یہاں اس نے ان کے لیے اپنی کتاب الجَمْھَرۃ فی علم اللُّغۃ لکھی [حیدر آباد دکن ۱۳۴۵ھ] اور ابو العبّاس اسمٰعیل بن عبداللہ بن میکال کے نام سے منتسب کی (حاجی خلیفہ، شمارہ ۴۲۰۲)۔ اس نے میکالیوں کے اعزاز میں [۲۲۹ ابیات پر مشتمل] اپنی مشہور و معروف نظم مقصورۃ بھی لکھی (ابن ہشام، المسعودی اور ابن خلّکان میں متعلّقہ میکالیوں کے ناموں کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کے لیے دیکھیے Axel Moberg: *Gedichte von 'Obeidallāh, b. Ahmed al-Mīkāli*، لائپزگ ۱۹۰۸ء، ص ۱۰)۔ اس کے سامنے اس نمونے کی قدیم نظمیں موجود تھیں جن کا ہر شعر الف مقصورہ پر ختم ہوتا ہے (دیکھیے المسعودی: مُرُوج، ۸: ۳۰۴) اور اس کے بعد آنے والوں نے اس کی نقل کی۔ یہ نظم متعدّد بار حواشی اور شرحوں کے ساتھ چھپ چکی ہے [طبع ہوتسما (A. Houtsma)، مع لاطینی ترجمہ، اٹلی ۱۷۷۳ء، کوپن ہیگن ۱۸۲۸ء، تہران ۱۸۵۹ء، وغیرہ] جب میکالی ۳۰۸ھ/ ۹۲۰ء میں معزول ہو کر خراسان کی طرف چلے گئے تو ابن دُرَید بغداد چلا آیا۔ یہاں الخُوارِی نے اس کا تعارف خلیفہ المُقتَدِر سے کرا دیا اور خلیفہ کی طرف سے اس کا پچاس دینار ماہانہ وظیفہ مقرّر ہو گیا۔ باوجودیکہ وہ ایک مشہور مُسرف اور شرابی تھا اس نے بہت لمبی عمر پائی۔ جب وہ نوّے سال کا تھا تو اس پر فالج کا حملہ ہوا لیکن وہ پھر اچھا ہو گیا اور فالج کے دوسرے حملے کے باوجود دو سال اور زندہ رہا۔ بالآخر [شعبان] ۳۲۱ھ/ [جولائی] ۹۳۳ء میں اس کا بھی اسی دن انتقال ہوا جس دن الجُبّائی نے وفات پائی اور وہ بغداد میں عبّاسیہ قبرستان میں دفن ہوا۔ وہ اپنے زمانے کا علمِ لغت کا سب سے بڑا ماہر اور شعر کا بہترین نقّاد مانا جاتا ہے۔ اسے اَعْلَمُ الشُّعراء و اَشْعَرُ العُلَماء بھی کہا گیا ہے۔ الجمھرۃ کے علاوہ، جو لغت کی ایک مشہور اور ضخیم کتاب ہے، اس نے لغت کے مختلف مخصوص موضوعات پر بھی کتابیں لکھیں، مثلاً کتاب [صفۃ] السَّرْج و اللِّجام (طبع Wright، در *Opuscula Arabica*، لائڈن ۱۸۵۹ء)۔ اس کی دو کتابیں گھوڑے پر ہیں، ایک کتاب اسلحہ پر، ایک بادلوں اور بارش پر [السحاب والغیث، لائڈن ۱۸۵۹ء] اور ایک ایسے مبہم الفاظ اور تراکیب پر جنھیں آدمی اس وقت استعمال کرتا ہے جب اسے قسم کھانے پر مجبور کیا جائے (کتاب الملاحن، [طبع Wright، لائڈن ۱۸۵۹ء؛] طبع تُرْبِکی (Thorbecke)، ہائڈل برگ ۱۸۸۲ء؛ [مصر ۱۳۲۳ھ]۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ علم اللغت کو حبِّ وطن کا ایک فریضہ سمجھتا تھا، چنانچہ شعوبیہ کی قسم کے لوگوں کے خلاف اس نے کتاب الاِشْتِقاق لکھی (طبع وسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، گوٹنگن [۱۸۵۳-۱۸۵۵ء]) جس میں اس نے عربی ناموں کے اشتقاق بتائے ہیں (دیکھیے گولٹ تسیہر: *Muhammadanische Studien*، ۱: ۲۰۹)۔ اس کے تلامذہ میں الشّرافی، المَرْزُبانی، ابو الفَرَج علی الاَصْبَہانی وغیرہ شامل ہیں۔

مآخذ: (۱) المرزبانی: مُعجم الشعراء، ص ۴۶۱؛ (۲) ابن الخطیب: تأریخ بغداد، ۲: ۱۹۵-۱۹۷؛ [(۳) ابن خلّکان: وَفَیات الاَعْیان، طبع وسٹنفلٹ (Wüste-nfeld)، عدد ۶۴۸؛ (۴) وسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Register Zu den genealogischen Tabellen*، ۱۸۵۳ء، ص ۳۷۳ بعد؛ (۵) کتاب الفہرست، طبع Flügel، ص ۶۱ ـ ۶۲؛ [(۶) ابو الفداء: *Annales*، طبع Adler، ۲: ۳۷۶ بعد؛ [(۷) de Sacy: *Anthologie grammaticale arabe*، پیرس ۱۸۲۹ء، ص ۱۳۱، ۱۹۶؛ (۸) *Abu al-Maḳṣūra al-Duraidīya*، طبع E. Scheidius و *Becri..Ibn Duraidi... Poemation* Harde-rovici، ۱۷۶۸ء؛ (۹) *Carmen Maksura dictum...Ibn Dor-eidi*، طبع L. Nannestad Boisen، کوپن ہیگن ۱۸۲۹ء (مع شرح [نامکمّل] و سیرت از ابن ہشام؛ (۱۰) مسعودی: مُرُوج الذھب، مطبوعۂ پیرس، ۸: ۳۰۴؛ [(۱۱) الانباری: نزھۃ الالباء، ص ۳۲۲؛ (۱۲) السُّبکی: طبقات، ۲: ۱۴۵؛ (۱۳) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۶۵۹؛] (۱۴) ابو المحاسن ابن تغری بردی: النُّجوم الزّاھرۃ،

Lugduni، ۱۸۶۱ء، ص ۲۵۶-۲۵۸؛ (۱۵) Flügel: *Die grammatischen Schulen der Araber*، ۱۸۶۲ء، ص ۱۱۱؛ (۱۶) یاقوت: أرشاد الأريب، طبع وقفیۂ گب، سلسلہ vi، ۶: ۴۸۳-۴۹۴؛ [(۱۷) ابن کثیر: البداية، ۱۱: ۱۷۶؛ (۱۸) السُّیُوطی: بُغْيَة الوُعَاة، ص ۳۰-۳۳؛ (۱۹) ابن العماد: شذرات، ۲: ۲۸۹؛] (۲۰) براکلمان، ۱: ۱۱۱؛ [تکملہ، ۱: ۱۷۲-۱۷۴؛ (۲۱) خزانة الادب، ۱: ۴۹۰].

(J. PEDERSEN)

----

* **ابن دُقْماق**: صارِم الدّین ابراہیم بن محمد [بن ایدمر بن دقماق] المصری؛ یہ نام تُرکی تُقْمق [توقماق] بمعنی ''ہتوڑا'' سے ماخوذ ہے (قب حاجی خلیفہ، ۲: ۱۰۲)، ایک جوشیلا حنفی تھا اور اس نے طبقاتِ احناف پر ایک کتاب بنام نَظْمُ الجُمان تین جلدوں میں لکھی ہے، جن میں سے پہلی جلد امام ابوحنیفہ سے متعلّق ہے (حاجی خلیفہ، ۴: ۱۳۶؛ ۶: ۳۱۷)۔ اپنی تحریروں میں امام الشافعی کی تحقیر و توہین کرنے کے الزام میں اسے کوڑے لگائے گئے اور قید کر دیا گیا۔ اس کی تاریخ مصر بنام نزهة الانام، جو تقریبًا بارہ جلدوں میں ۷۷۹ھ تک کے حالات و کوائف پر مشتمل تھی، ایک اہم ترین تصنیف تھی (حاجی خلیفہ، ۲: ۱۰۲؛ ۶: ۳۲۳؛ G. Weil: *Gesch. d. Chalifen*، ج ۴ و ۷ ببعد)۔ سلطان الملک الظاہر بَرْقُوق کے حکم سے اس نے ۸۰۵ھ تک کے مصری فرمانرواؤں کی تاریخ لکھی۔ علاوہ ازیں اس نے اس سلطان کی ایک جداگانہ تاریخ موسوم بہ عِقْدُ الجَوَاهِر فی سِيْرَة الملک الظَّاهِر برقوق بھی لکھی تھی، جس کا اختصار ینبوع المَظَاهر کے نام سے کیا گیا (حاجی خلیفہ، ۲: ۱۰۲؛ ۴: ۲۳۰؛ ۶: ۵۱۴)۔ حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ اس کی تاریخی تصانیف سے العَیْنی اور العَسْقلانی نے بہت حد تک استفادہ کیا ہے (۱: ۴۴۲؛ ۲: ۱۱۸)۔ ایک اَور تصنیف، جواب ناپید ہو گئی ہے، قاہرہ اور اسکندریہ سے متعلّق تھی۔ اُس نے دس بڑے اسلامی شہروں پر ایک ضخیم تصنیف بنام کتاب الانتصار بواسطات عِقَد الأمْصار مرتّب کی، جس میں ہر ایک شہر کے لیے ایک جلد مخصوص ہے۔ ان میں سے دو جلدیں جن میں قاہرہ اور اسکندریہ کے حالات ہیں، قاہرہ میں محفوظ ہیں اور انھیں وَوْلرز (Vollers) نے شائع بھی کر دیا ہے۔ وَوْلرز (ص ۴) کا قول ہے کہ ابن دقماق نے جن اسناد سے کام لیا ہے وہ اَلْمَقْرِیزی کی اسناد سے بہتر ہیں۔ مؤخّر الذّکر نے، جو ایک وقت میں ابن دُقْماق کا شاگرد تھا، بقول وَوْلرز اس کی تصنیف سے کچھ استفادہ نہیں کیا۔ ابن دُقماق نے صوفیوں کے حالات میں بھی ایک کتاب بنام الکنُوز المخْفِية فی تأريخ الصوفية لکھی تھی، نیز ایک کتاب سپاہ کی تنظیم پر ترجمان الزّمان کے نام سے (حاجی خلیفہ، ۲: ۲۷۷) اور ایک تعبیر رؤیا پر، جس کا نام فرائد الفوائد تھا (مقام مذکور، ۴: ۳۹۲)۔ بقول السُّیُوطی (حسن المُحاضرة فی اخبار مصر و القاهرة، ۱: ۲۵۵) اس کی وفات ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء میں ہوئی، جب اس کی عمر اسّی سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ حاجی خلیفہ، ۱: ۴۴۷؛ ۲: ۱۰۲، ۲۷۷ کا بھی یہی بیان ہے، لیکن وہ یقینًا ۷۹۳ھ تک زندہ تھا (Vollers، دیکھیے مقدّمہ)؛ چنانچہ حاجی خلیفہ نے دوسری جگہ اس کی وفات کا سال ۸۰۹ھ/ ۱۴۰۶ء بتایا ہے (۲: ۱۴۹؛ ۴: ۲۳۰، ۳۹۲؛ ۶: ۳۲۳، ۳۵۷، ۵۱۴)۔ [ابن حجر نے الدُّرَرُ الکامِنة میں، جس میں آٹھویں صدی ہجری کے مشاہیر کے حالات دیے ہیں، ابن دقماق کا ذکر نہیں کیا]۔

مآخذ: [(۱) ابن العماد: شذرات الذهب، ۷: ۸۰ ببعد؛ (۲) سخاوی: الضوء اللامع، ۱: ۱۴۵؛ (۳) السُّیُوطی: حسن المحاضرة، ۱: ۲۶۶؛ (۴) ابن قطلوبغا: تاج التراجم، ص ۸۱؛ (۵) الزِّرِکْلی: الاَعْلام، طبع اوّل، ۱: ۲۰؛ طبع ثانی، ۱: ۶۱؛ (۶) سرکیس، عمود ۱۰۳]؛ (۷) وسْتِنْفِلْٹ (Wüstenfeld): *Die Geschichtschreiber der Araber*، عدد ۴۵۷؛ (۸) وولرز (Vollers): *Description de l' Egypte par Ibn Doukmak*، مکتبۂ خدیویہ، قاہرہ ۱۸۹۳ء؛ (۹) براکلمان، ۲: ۵۰؛ تکملہ، ۲: ۴۹].

(J. PEDERSEN)

----

* **ابن الدُّمَیْنَہ**: عبداللہ بن عُبَید اللہ بن احمد ابو السَّری عربی قبیلۂ خَثْعم کے خانوادۂ عامر بن تَیم اللہ کا ایک شاعر، جس کی زندگی کے متعلّق ہمارے پاس بہت کم معلومات ہیں۔ [اس کی وفات نواح ۱۳۰ھ/ ۷۴۷ء میں ہوئی۔ الدُّمَیْنَہ اس کی والدہ کا نام تھا]۔ کتاب الأمالی میں روایت کی گئی ہے کہ اس نے اپنی بیوی حَمّاء کے ایک رشتے دار مُزاحم بن عمرو کو، جس کی اس کی بیوی سے راہ و رسم تھی اور جس نے ایک نظم میں اس کی ہجو کی تھی، دغا بازی سے قتل کر دیا اور اس کے بعد حَمّاء کا گلا گھونٹ دیا اور اس کی چھوٹی سی بیٹی کو اتنا مارا کہ وہ ہلاک ہو گئی۔ مقتول کے بھائی جَنّاح کی الزام دہی پر ابن دُمَینہ گرفتار ہو گیا، لیکن عدمِ شہادت کی بنا پر اسے چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بہت عرصے بعد جب وہ ایک بار تبالہ میں اپنی نظمیں سنا رہا تھا تو مُزاحم کے ایک اَور بھائی مُصْعَب نے اس پر حملہ کیا اور ایسا زخم لگایا کہ وہ جان بر نہ ہو سکا۔ ایک اَور روایت کے مطابق الاَبْلاء کی منڈی میں اس پر مُصْعَب کا (دوسرا) حملہ کامیاب رہا۔ اگر وہ احمد بن اسمٰعیل، جس کا ذکر الأغانی، ۱۵: ۱۵۳، س ۹ ببعد میں ہے، وہی والی مکّہ تھا جو طبری، ۳: ۷۴۰ میں مذکور ہے تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ابن الدُّمَیْنَہ ہارون الرشید کا ہم عصر تھا۔

اُس کی نظمیں بہت قدر کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں اور ان میں سے کئی ایک کی نقش بندی بھی کی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ برلن کے مخطوطے، عدد ۷۴۶، ج ۱ اور عدد ۸۲۵۵، ج ۱ میں اس کے کئی قصائد اور اس کے سوانح حیات کی تفصیلات درج ہیں۔ [ابوتمام نے الحماسة کے باب النسیب میں اس اموی شاعر کے کلام کا اقتباس دیا ہے۔ اس کا دیوان محمد ہاشمی کی شرح کے ساتھ چھپ چکا ہے، مصر ۱۳۳۷ھ]۔ الزُّبَیر بن بَکّار نے ایک کتاب بنام اخبار ابن الدُّمَیْنَة لکھی تھی اور اسی طرح ابن ابی طاہر طَیفُور نے بھی (فہرست، ص ۱۱۱ س ۱۲ ببعد، ص ۱۴۷)۔

مآخذ: (۱) کتاب الأغانی، طبع اوّل، ۱۵: ۱۴۴ ببعد و اشاریہ؛ (۲) ابن

قُتَیبہ: کتاب الشعر و الشعراء (طبع de Geoje)، ص ۴۵۸ ببعد؛ (۳) الحماسۃ (طبع Freytag)، ص ۵۴۱، ۵۹۸ ببعد، ۶۰۴، ۶۰۶، ۶۲۰ (۱۲۹۶ھ، ۳: ۱۱۵ ببعد، ۱۷۰ ببعد، ۱۷۶ ببعد، ۱۷۸، ۱۹۱)؛ (۴) عبدالرحیم العباسی: مَعاہد التنصیص، مخطوطۂ لائڈن، ص ۸۲ – ۸۶ (قاہرہ ۱۲۷۴ھ [ص ۴۷])؛ (۵) سمط اللآلی، ص ۱۳۶، ۲۶۴؛ (۶) شرح الشواہد، ۱۴۵۰؛ (۷) المرزوقی: شرح الحماسۃ، ۱۲۲۳ و بہ امداد اشاریہ؛ (۸) تبریزی، ۳: ۱۳۱، ۱۴۵؛ (۹) المرزبانی: معجم الشعراء، ص ۴۰۲؛ (۱۰) ابن قتیبہ الدینوری: عُیُون الاخبار، بہ امداد اشاریہ؛ (۱۱) براکلمان: تکملہ، ۱: ۸۰].

(C. VAN ARENDONK)

----

* **ابنُ الدَّیْبَع**: جن کا یہ نام اپنے مورثِ اعلیٰ علی بن یوسف [الدّیبع] کی نسبت سے ہے (المُحِبّی کی خلاصۃ الآثار، ۳: ۱۹۲ اور تاج العروس، ۵: ۳۲۵ کی رُو سے دَیْبَع کے معنی نوبی زبان میں "سفید" کہے جاتے ہیں)۔ ابوعبداللہ، عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن عمر...... بن علی بن یوسف، وَجِیہُ الدّین الشَّیْبانی الزّبیدی، جنوبی عرب کے مؤرّخ اور محدّث، ۴ محرّم الحرام ۸۶۶ھ/ ۹ اکتوبر ۱۴۶۱ء کو زَبِید [یمن] میں پیدا ہوے۔ [ان کے والد بچپن ہی میں گھر سے چلے گئے تھے اور ہندوستان میں فوت ہوے]۔ جب دس برس کی عمر ہوئی تو انھیں ان کے چچا جمال الدّین محمد بن اسمٰعیل مفتی زَبِید نے اپنی آغوشِ تربیّت میں لیا اور انھیں کی نگرانی میں انھوں نے قرآن [حکیم] پڑھنے کے بعد مختلف علوم وفنون، خصوصًا ریاضی اور فقہ کی تعلیم شروع کی۔ پھر دوسرے اساتذہ سے اکتسابِ علم کرنے کے بعد ۸۸۴ھ اور ۸۸۵ھ میں دو دفعہ سفرِ حج کیا اور بعدازاں زین الدّین احمد بن عبداللطیف الشَّرْجی (م ۸۹۳ھ) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے اور تاریخ کی طرف خاص توجّہ کی۔ بعد میں وہ بیت الفقیہ گئے اور وہاں ابن جُعْمان کے صاحبِ علم و فضل خاندان کے دو افراد سے بالخصوص علمِ حدیث حاصل کیا۔ ۸۹۶ھ میں تیسری بار حج کیا اور اس موقع پر کچھ عرصے تک مکّے میں اس غرض سے قیام کیا کہ السَّخاوی (م ۹۰۲ھ/ ۱۴۹۷ء) سے حدیث پڑھ سکیں۔ اس کے بعد انھوں نے ادب کی طرف توجّہ شروع کی۔ مؤرّخ کی حیثیّت سے انھوں نے جو کام کیا اس کی بنا پر طاہری سلطان الملک الظاہر الثانی صلاح الدّین بن عامر (۸۹۴ – ۹۲۳ھ/ ۱۴۸۹ – ۱۵۱۷ء) کے دربار میں ان کی بڑی قدر افزائی ہوئی اور اس بادشاہ نے انھیں خلعت و جاگیر دے کر جامعۂ زبید میں استاد مقرّر کر دیا۔ ابن الدَّیْبَع نے رجب ۹۴۴ھ/ دسمبر ۱۵۳۷ء میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں: (۱) بُغْیَۃُ المُسْتَفِید فی اخبارِ مَدِینَۃِ زَبِید، ۹۰۱ھ تک زبید اور وہاں کے حکمرانوں کی تاریخ (اس سن کا آغاز ۲۱ ستمبر ۱۴۹۵ء سے ہوتا ہے)۔ اس کا سب سے اہم حصّہ وہ فصل ہے جو نویں صدی ہجری/ پندرھویں صدی عیسوی کے احوال پر مشتمل ہے؛ کتاب کے آخر میں بطورِ خاتمہ ان کے خودنوشت سوانح ہیں۔ اس کتاب کا مقدّمہ اور حواشی کے ساتھ لاطینی زبان میں ترجمہ جوہنسین (C. Th. Johannsen) نے کوپن ہیگن (Copenhagen) کے ناقص قلمی نسخے سے کیا ہے (*Historia Jemanae*، بون ۱۸۲۸ء؛ مخطوطات در Brockelmann، مقام مذکور اور آیا صوفیا کا شمارہ ۲۹۰۸؛ Blochet: *Cat. de la coll... Schefer*، شمارہ ۵۸۹۷، ۶۰۶۹)۔ اس تاریخ کو ۹۲۳ھ/ ۱۵۱۷ء تک جاری رکھتے ہوے انھوں نے الفَضْل المَزِید [فی تأریخ زَبِید] لکھی [یہ غالبًا ابھی تک طبع نہیں ہوئی]۔ ایک اَور ضمیمے سے یہ تصنیف ۹۲۴ھ تک پہنچ جاتی ہے (مخطوطات در براکلمان: کتاب مذکور اور آیا صوفیا، شمارہ ۲۹۸۸)؛ (۲) قُرَّۃُ العُیُون فی اَخبار الیمن المَیْمُون، جس کا ایک حصّہ الخزرجی کی کتاب الکفایۃ سے ماخوذ ہے اور کچھ حصّے میں وہی مواد ہے جو سابق الذّکر کتاب میں موجود ہے۔ [اس میں ۹۲۳ھ تک کے حالات بیان ہوے ہیں] مخطوطات در براکلمان، نیز بلوشے (Blochet): کتاب مذکور، شمارہ ۵۸۲۱، ۶۰۵۸؛ (۳) احسن السلوک فِی مَنْ (فی نظمِ مَن) وَلِیَ زَبِید من المُلُوک، سلاطینِ زبید کے متعلّق بحر رجز میں ایک تاریخی نظم۔ برلن، فہرست، شمارہ ۹۷۶۳؛ موزۂ بریطانیہ، فہرست، شمارہ ۱۵۸۳، ج ۱، کتب خانۂ خدیویہ، فہرست، ۵: ۱۳۸؛ بلوشے: کتاب مذکور، شمارہ ۵۸۳۲، ج ۲؛ ہوتسما (Houtsma): *Catal. d. 'une coll....* شمارہ ۴۹۰، ج ۳؛ (۴) تیسیر الوُصُول الی جامع الاصول من حدیث الرّسُول، (قب براکلمان، ۱: ۳۵۷) قاہرہ ۱۳۳۱ھ؛ [ابن اثیر کی جامع الاصول کی تلخیص ہے]؛ (۵) تَمْییزُ الطَّیِّب من الخَبِیْثِ مِمّا یَدُور علی اَلْسِنَۃ النّاسِ مِنَ الحَدِیْث [السخاوی کی المقاصد الحسنۃ کی تلخیص ہے اور بعض اضافے بھی ہیں۔ اس کتاب کی تالیف انھوں نے ۹۰۶ھ میں ختم کی] مخطوطات در براکلمان: مقام مذکور؛ Princeton، فہرست، شمارہ ۳۲؛ مطبوعۂ قاہرہ ۱۳۲۴ھ)؛ (۶) کتاب فضائل اَہْلِ الیمَنِ (یا فَضائل الیمَن و اَہْلِہ) قب Griffini: *Zeitschr. d. Deutsch. Morgenl. Gesellsch.*، ۶۹: ۷۵؛ ان کے علاوہ ابنُ الدَّیْبَع نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں (۷) غایَۃُ المَطْلُوب وَاَعْظَمُ المِنَّۃِ فیما یَغْفِرُ اللّٰہُ بِہِ الذُّنُوب اور (۸) کَشْفُ الکُرْبَۃ فِی شَرْحِ دُعاءِ اَبِی حَرْبَۃ کا بھی ذکر کیا ہے، حاجی خلیفہ (ج ۴، شمارہ ۸۱۷۶) نے ایک اَور کتاب (۹) العِقْدُ البَاہِر فِی تأریخ دَوْلَۃِ بنی طاہر کا نام بھی دیا ہے، جو کہا جاتا ہے کہ بُغْیَۃ المُسْتَفِید ہی سے ماخوذ ہے؛ [ابن الدَّیْبَع کی مولد شریف بھی چھپ چکی ہے، چاپ سنگی، مکّہ ۱۳۱۳ھ].

مآخذ: (۱) ابن العِماد: شَذَرات الذَّہَب، ۸: ۲۵۵؛ (۲) العیدروسی: النُّور السَّافِر، بغداد ۱۹۳۴ء، ص ۲۱۲؛ (۳) الشوکانی: البدر الطّالِع؛] (۴) Johannsen: *Historia Jamanae*، ۸ ببعد (قب ص ۱۹۷ نیچے ببعد، ۲۳۹، ۲۴۹؛ (۵) Rieu: *Suppl.*، شمارہ ۵۸۶، ج ۱؛ (۶) براکلمان، ۲: ۴۰۰ ببعد، قب ۱۸۵ و ۱۲۷ [تکملہ، ۲: ۵۲۸ ببعد]؛ (۷) ان کی زندگی کے متعلّق جو مواد قلمی نسخوں میں موجود ہے اور جس سے یہاں کام نہیں لیا جا سکا وہ سب موزۂ بریطانیہ کے مشرقی مخطوطات کی فہرست

(Cat. Cod. Mss. Orient)، ۲: ۱۶۷ ب، حاشیہ الف میں مذکور ہے.

(C. VAN ARENDONK)

----

* **ابن دَیُصان:** اشکانی (Parthian) نسل کا ایک شامی فلسفی، جو اپنے سُریانی نام کی یونانی صورت یعنی Bardesanes سے مشہور ہے۔ اس کے باپ کا نام نُہمَہ تھا اور ماں کا نَہشِرَم [تہشیران]۔ دونوں ۱۳۹ھ کے بعد ایران سے نقلِ مکان کر کے الرُّہا (Edessa) آ گئے۔ ان کا یہ بیٹا ۱۵۴ھ میں پیدا ہوا اور اس کا نام دریاے دَیُصان پر رکھا گیا، جو الرّہا کو سیراب کرتا ہے۔ اس نے شاہ مَعُنُو کے دربار میں اس کے بیٹے اَبُجَر کے ساتھ تربیّت حاصل کی اور علمِ ہیئت اور نجوم کی تعلیم پائی۔ ۱۷۹ھ میں اس نے قِسِّیس ہستاسب (Hystaspes) کے ہاتھ پر عیسائی مذہب قبول کیا وہ Valentine، مرقیون (Marcion) اور دوسرے غناسطیوں (Gnostics) کا شدید مخالف تھا لیکن بایں ہمہ اس نے تکوینِ کائنات کی بحث میں جو نظامِ فلسفہ مدوّن کیا وہ غناسطی نظام سے بہت ملتا جلتا تھا۔ اس نے ۲۲۲ھ میں وفات پائی۔ مسلمانوں کی واقفیت صرف اس کے نظریات خیر و شر اور نور و ظلمت تک محدود رہی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے نظام میں ثنویّت شامل تھی۔ ابن دیصان کا قائم کیا ہوا دبستان ازمنۂ وسطٰی کے اواخر تک موجود تھا۔ اس کے پیرو دو جماعتوں میں منقسم تھے۔ ان میں سے ایک کا نظریہ یہ تھا کہ نور خود اپنی مرضی سے ظلمت میں شامل ہو گیا تا کہ اس کی اصلاح کر سکے، لیکن پھر اس سے جدا نہ ہو سکا۔ دوسری جماعت کا عقیدہ تھا کہ جب نور کو ظلمت کی کثافت اور بدبو کا احساس ہوتا ہے، جو بلا ارادہ اس پر حاوی ہو جاتی ہے، تو وہ کوشش کرتا ہے کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔ ابن دَیصان کے پیرووں کی ایک جماعت فرات زیریں کے دلدلی علاقوں (بطائح) میں آباد تھی۔ باقی پیرو خراسان اور چین کے دور افتادہ ملکوں میں منتشر تھے۔ ابن دیصان کو مانی کا پیش رو تصوّر کیا جاتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مخصوص حیثیت دراصل ایک نجومی کی تھی (Eusebius: Praepar. Evang.، ۶: ۹)۔ اس حیثیت سے اس کی تعلیم یہ ہے کہ جملہ افراد منتظمین یا حکّام بالا، یعنی سیاروں، کے زیرِ حکومت ہیں۔ جسے قسمت کہتے ہیں وہ محض اس فعّالیت کی ایک شکل ہے جسے خدا نے سیاروں اور عناصر کو تفویض کیا ہے۔ یہی فعالیت عقل کی تعدیل کرتی ہے، جب وہ (عقل) روح میں نزول کرتی ہے اور رُوح کی جب وہ جسم میں نزول کرتی ہے۔ انسانی زندگی قوانینِ فطرت اور نیز قسمت سے محدود ہے۔ انسان کی آزادی اس میں مضمر ہے کہ قسمت کے خلاف جنگ کی جائے اور اس کی قوّت کو جہاں تک ممکن ہو محدود کیا جائے.

مآخذ: (۱) فہرست، ۱: ۳۳۸؛ (۲) ابن حزم: فصل، ۱: ۳۶؛ (۳) الشہرستانی (طبع Cureton)، ص ۱۹۴ ببعد، ترجمہ از Haarbrücker، ۱: ۲۹۳ ببعد؛ (۴) المسعودی: التنبیه (طبع ڈخویہ)، ص ۱۳۰، ۱۳۵ (Livre de l'aver- tissem-ent، ترجمہ از کارا دوو (Carra de Vaux)، ص ۱۸۲)؛ (۵) مُطَهَّر المَقُدِسی: البدء والتأریخ، (طبع Huart)، ۱: ۹۱، ۱۴۲؛ ۳: ۸، (ترجمہ از Huart، ۱: ۸۲، ۱۳۱؛ ۳: ۹)؛ (۶) ابوالفَرَج ابن العِبُری: تأریخ الدُوَل (طبع صالحانی)، ص ۱۲۵؛ (۷) فلوگل (Mani Flügel): (لائپزگ ۱۸۶۲ء)، مواضع کثیرہ؛ (۸) F. Nau: Le livre des lois des pays، (پیرس ۱۸۹۹ء)، ص ۸ - ۲۵؛ (۹) وہی مصنّف: Biogr-aphie inéditée de Bardesane l'astrologue، پیرس ۱۸۹۷ء)؛ (۱۰) F. Hasse: Zur Bardesanischen Gnosis (Texte u. Unt-ers. z. Gesch. d. Altchristl. Lit، جلد ۳۴، لائپزگ ۱۹۱۰ء اور وہ سب تصنیفات جو اس میں مذکور ہیں.

(Cl. HUART)

----

* **ابن رائِق:** ابوبکر محمد ابن رائق، امیر الامراء، [اس کا باپ المعتضد عباسی کے ممالیک میں سے تھا]، ۳۱۷ھ/ ۹۲۹ - ۹۳۰ء میں اسے اس کے بھائی ابراہیم کے ساتھ بغداد میں صاحب الشرطہ مقرّر کیا گیا۔ ۳۱۸ھ میں دونوں کو معزول کر دیا گیا، لیکن محمد بن رائق کو ۳۱۹ھ/ ۹۳۱ - ۹۳۲ء میں اس کا عہدہ دوبارہ دے دیا گیا اور ابراہیم حاجبِ اعلٰی مقرّر ہوا۔ ۳۲۰ھ/ ۹۳۲ء میں المقتدر کے قتل کے بعد دونوں بھائی اَور لوگوں کے ساتھ مدائن اور پھر وہاں سے واسط بھاگ گئے، اور ۳۲۲ھ/ ۹۳۴ء میں جب الراضی خلیفہ ہوا تو اس نے محمد بن رائق کو واسط اور بصرے کا والی بنا دیا۔ [۳۲۴ھ] کے اختتام پر (نومبر ۹۳۶ء) ابن رائق کو بغداد بلایا گیا اور اسے اعلٰی درجے کے فوجی اور دیوانی اختیارات دے کر امیر الامراء کا لقب دیا گیا [اور خطبے میں اس کا نام بھی شامل کر لیا گیا] طاقتور سپہ سالار بَجُکَم [یا بُجُکُم] [رکّ بآن] کو کچلنے کی غرض سے اس نے واسط میں ابوعبداللہ البَرِیُدی [رکّ بہ البریدی] سے سازش کی اور بَجُکَم کے استیصال پر اسے واسط کا گورنر بنا دینے کا وعدہ کیا؛ لیکن البریدی کو شکست ہوئی۔ ذوالقعدہ ۳۲۶ھ/ ستمبر ۹۳۸ء میں بَجُکَم بغداد میں داخل ہوا اور اسے امیر الامراء مقرّر کر دیا گیا۔ ابن رائق روپوش ہو گیا اور البریدی کو واسط کا گورنر بنا دیا گیا۔ جب بَجُکَم خلیفہ کی ہمراہی میں حمدانیوں کے خلاف مہم پر روانہ ہوا تو ابن رائق بغداد میں آ موجود ہوا لیکن اس نے واپس چلے جانے کا وعدہ کیا بشرطیکہ اسے حرّان، الرُّہا اور قنسرین فرات کے بالائی اضلاع سمیت اور سرحدی قلعوں کی گورنری دے دی جائے۔ اس کی یہ شرط منظور کر لی گئی۔ جب اس نے شام پر حملہ کیا تو محمد بن طُغُج اِخُشِیُدی نے ۳۲۸ھ/ ۹۳۹ء میں اس کے خلاف ایک فوج روانہ کی۔ اس جنگ کی تفاصیل میں اختلاف ہے، لیکن بہر حال کچھ عرصے کے بعد دونوں میں صلح ہو گئی، جس کی رُو سے مصر طُغُج کے پاس رہا اور ابن رائق کو الرَّملہ تک شام کے علاقے میں قناعت کرنا پڑی۔ تھوڑی مدت کے بعد بغداد میں ترکوں اور دَیُلمیوں میں جھگڑے شروع ہو گئے۔ دَیُلمی غالب آئے اور ان کا سردار کُورتگین امیر الامراء مقرّر رہا۔ کورتگین سے نجات پانے کے لیے اَلُمُتَّقی نے ابن رائق سے التجا کی؛ چنانچہ وہ رمضان ۳۲۹ھ/ جون ۹۴۱ء

میں دمشق سے روانہ ہوا۔ عُکبَرا کے مقام پر اس کی کورتگین سے مڈبھیڑ ہوئی اور چند دن کی جنگ کے بعد وہ بغداد میں داخل ہوگیا۔ جب کورتگین بغداد میں اپنی فوجیں لے کر آیا تو اسے شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہوگیا، جس پر خلیفہ نے ابن رائق کو پھر امیرالامراء کا منصب عطا کیا۔ اس اثنا میں البریدی نے واسط پر قبضہ کرلیا تھا اور اس لیے آئندہ سال کے محرّم / اکتوبر ۹۴۱ء میں ابن رائق اس کے خلاف روانہ ہوا لیکن دونوں میں مفاہمت ہوگئی اور البریدی نے واسط کے عوض میں سالانہ خراج دینا قبول کرلیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد ترکوں نے ابن رائق کا ساتھ چھوڑ دیا اور جب بغداد میں قحط و گرانی کی وجہ سے فتنہ و فساد برپا ہوا تو البریدی نے اپنے بھائی ابوالحسن کو فوج دے کر بغداد کے خلاف روانہ کیا۔ خلیفہ اور امیرالامراء کو موصل کے حَمدانیوں کے پاس پناہ لینا پڑی اور رجب ۳۳۰ھ / مارچ۔اپریل ۹۴۲ء میں ابن رائق کو قتل کردیا گیا۔

مآخذ: (۱) عَرِیب (طبع ڈخویہ de Goeje)، ص ۱۴۵، ببعد؛ (۲) ابن الأثیر (طبع ٹورن برگ)، ۸: ۱۵۸ ببعد؛ (۳) ابن خلدون: عِبَر، ۳: ۳۹۰ ببعد؛ (۴) ابوالفداء (طبع رائسکی Reiski)، ۲: ۳۹۸ ببعد؛ [(۵) ابن تغری بردی: النُّجُوم الزاهرة، بہ اِمدادِ اشاریہ؛ (۶) الوافی بالوفیات، ۳: ۲۰۹؛ (۷) ابن العماد: شذرات، ۲: ۳۱۰، ۳۲۴ وغیرہ؛ (۸) ابن کثیر: البدایة، ۱۱: ۲۰۱ ببعد؛] (۹) Weil: *Gesch. d. Chalifen*، ۲: ۵۶۸، ۶۶۲-۶۷۲، ۶۸۳ ببعد؛ (۱۰) Müller: *Der Islam im Morgen und Abendland*، ۱: ۵۳۶، ۵۶۴ ببعد؛ (۱۱) Muir: *The Caliphate, its Rise, Decline and Fall*، (طبع ثالث)، ص ۵۷۲ ببعد؛ (۱۲) Huart: *Hist. des Arabes*، ۱: ۳۱۴ ببعد؛ [(۱۳) الزرکلی: الاعلام، مصر ۱۹۵۵ء، ۶: ۳۵۸].

(K. V. ZETTERSTÉEN)

---

* **ابن الرَّاوَندی:** (یا الرِّیوَندی) ابوالحسین بن یحیٰی بن اسحٰق ابن الراوندی، سابق معتزلی اور مُلحد، جو تیسری صدی ہجری کے اوائل میں پیدا ہوا۔ مآخذ میں اس کی تاریخِ وفات مختلف طرح سے دی گئی ہے۔ بعض (بالخصوص مسعودی: مرُوج، ۷: ۲۳۷) کے نزدیک اس نے تیسری صدی کے وسط میں ۳۶ یا ۴۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور بعض کا بیان ہے کہ وہ تیسری صدی کے اواخر تک زندہ رہا۔ پہلا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اپنی ادبی زندگی کی ابتدا میں ابن الرّاوندی معتزلی مسلک کا پیرو تھا، چنانچہ اس کی معتزلی تصانیف کے بعض حصّوں سے، جو الاشعری کی مقالات الاسلامیین میں محفوظ ہیں، اس کے خیالات کی قوّت اور جِدّت کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ میدان اس کے لیے بہت تنگ تھا اور جب اُسے اس فرقے سے خارج کردیا گیا تو اُس نے اپنے قدیم رفقا پر حملہ کرنا اپنا شعار بنالیا۔ پہلے وہ شیعہ فرقے میں منسلک ہوگیا اور اس کے چوٹی کے علماے دین میں شمار ہونے لگا۔ بعد ازاں مُلحد ابوعیسیٰ الورّاق [رکّ بآن] کے زیرِ اثر اس نے آزاد خیالی اختیار کی اور ملحدانہ کتابیں لکھیں، جن میں اسلام اور دوسرے سب الہامی مذاہب پر حملے کیے۔

اس کی تصانیف میں سے مندرجۂ ذیل تصانیف ہمارے پاس موجود ہیں: (۱) کتاب فضیحة المعتزلة، جو خیّاط کی کتاب الانتصار میں تقریبًا پوری کی پوری محفوظ ہے۔ یہ تصنیف جاحظ کی کتاب فضیلة المعتزلة کا، جو مسلک معتزلہ کی حمایت میں ہے، جواب ہے۔ اس کتاب میں ابن الرّاوندی تمام قدیم معتزلی اساتذہ پر تبصرہ کرتا ہے، اُن کے خیالات میں تضاد دکھاتا ہے اور انھیں الحاد کا ملزم قرار دیتا ہے۔ کتاب کا دوسرا حصّہ فرقۂ شیعہ کی حمایت اور دفاع میں ہے: (۲) کتاب الدّامغ، اس کے بہت سے اجزا ابن الجوزی کی المُنْتَظَم فی التأریخ میں محفوظ ہیں۔ اس کتاب میں ابن الرّاوندی نے قرآن [شریف] کی متعدّد آیات پر حملے کیے ہیں؛ (۳) کتاب الزُّمُرذ، جس کے اجزا اسمٰعیلی المؤیّد فی الدین [رکّ بآن] کی تالیف مجالس میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں ابن الراوندی نے تصوّرِ نبوّت پر بالعموم اور رسول [اکرم صلی اللہ علیہ وسلم] کی نبوّت پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ اس کے نزدیک مذہبی عقائد عقل کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہیں، لہٰذا انھیں رد کردینا چاہیے۔ مُعجزات، جنھیں انبیا سے منسوب کیا جاتا ہے، محض بناوٹی باتیں ہیں۔ قرآن الہامی کتاب ہرگز نہیں ہے اور اس میں نہ کوئی وضاحت ہے نہ کوئی بے مثل خوبی۔ انبیا کو ساحروں اور افسوں گروں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ اپنے الحاد کی پردہ پوشی کے لیے ابن الراوندی اپنے ان سب خیالات کو برہمنوں کی زبانی بیان کرتا ہے۔ تاہم متاخّر مصنّفین کتاب الزُّمرذ کو برہمنوں کی تعلیمات کے بارے میں ایک اہم ماخذ سمجھتے تھے۔ پوری ایک نسل کے علماے اسلام ابن الراوندی کے شدید حملوں کا جواب دینے میں مصروف رہے، ان علما میں خیّاط، جُبّائی، ابوہاشم، الاشعری، ابوسہل النَّوبَختی اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔

مآخذ: (۱) H. S. Nyberg: خیّاط کی تصنیف کتاب الأنتصار کی طبع کا مقدمہ، قاہرہ ۱۹۲۵ء؛ (۲) کراچکووسکی (I. Kračkovskij): *Un document oublié sur les oeuvres d' Ibn-ar-Rawindi, Comptes rendus de l' Académie des Sciences de R.S.S.U.*، ۱۹۲۶ء B، ص ۷۱ - ۷۴؛ (۳) H. Ritter: *Philogika VI*، در *Isl.*، ۱۹: ۱ ببعد؛ (۴) P. Kraus: *Beiträge zur islamischen Ketzergeschichte* در *RSO*، ۱۴: ۹۳ - ۱۲۹، ۳۳۵ - ۳۷۹؛ جہاں (خاص طور پر ص ۳۷۱ ببعد) ابن الرّاوندی کے متعلّق دیگر مآخذ اور کتب کا ذکر ہے۔ قب نیز M. Guidi: در *RSO*، ۱۴: ۳۱۵ ببعد؛ [(۵) البغدادی: الفَرْقُ بین الفِرَق، طبع محمد بدر، ص ۴۹، ۱۲۶، ۱۹۳].

(P. KRAUS)

⊗ **ابن رَجَب:** زین الدّین (و جمال الدّین) ابوالفرج عبدالرحمٰن بن شہاب الدّین ابوالعباس احمد بن رجب السّلامی البغدادی ثمّ الدّمشقی الحنبلی،

بغداد میں پیدا ہوا۔ اس کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ العُلَیمی (م ۹۲۷ھ) نے لکھا ہے کہ اس کی پیدائش بروز ہفتہ ۱۵ ربیع الاوّل ۷۰۶ھ کو ہوئی لیکن ابن حجر نے اِنباہ الغُمر (ورق ۱۱۱) میں سالِ پیدائش ۷۳۶ھ دیا ہے اور یہی درست بھی معلوم ہوتا ہے اور خود العلیمی کا ایک دوسرا بیان اس کی تائید میں ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ ابن رَجَب اپنے والد کے ساتھ ۷۴۴ھ میں بغداد سے دمشق آیا اور اس وقت وہ کم سن تھا ("وھو صغیر")۔ اب اگر سالِ پیدائش ۷۳۶ھ تسلیم کر لیا جائے تو اس وقت اس بچے کی عمر ۱۸ سال بنتی ہے۔ اس کی تائید خود ابن رجب کے ایک بیان سے ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ "تبعت دروس شرف الدّین سنة ۷۴۱ھ و کنت صغیرًا"، یعنی میں شرف الدّین کے درسوں میں اس وقت جاتا تھا جبکہ میں خُرد سال ہی تھا۔ اسی طرح ابن العماد نے لکھا ہے "قدم من بغداد مع والده الی دمشق وھو صغیر سنة اربع واربعین وسَبع مائة" کہ ابن رجب بغداد سے دمشق اپنے والد کے ساتھ ۷۴۴ھ میں آیا اور اس وقت وہ خُرد سال تھا۔ لیکن اگر العلیمی کی روایت کو درست تسلیم کر لیا جائے تو دمشق آنے کے وقت ابن رجب کی عمر ۳۸ سال بنتی ہے اور اس عمر والے کو "صغیر" نہیں کہا جا سکتا۔ گو ابن حجر کی الدرر الکامنة میں بھی ابن رجب کا سالِ پیدائش ۷۰۶ھ ہی درج ہے، جو اس کی اپنی انباہ والی روایت کے مخالف ہے۔ معلوم ہوتا ہے الدرر کے ناقل سے ۳ کا ہندسہ لکھنے سے رہ گیا اور اس نے ۷۳۶ کے بجائے غلطی سے ۷۰۶ لکھ دیا۔ اور اس کے بعد السُیُوطی (ذیل طبقات الحفاظ) اور المکّی (السحب الوابلة) وغیرہ بظاہر الدرر کے تتبع میں ۷۰۶ھ لکھتے چلے گئے۔ العلیمی، ابن العماد اور اِنباہ میں ابن حجر کی تصریحات کی روشنی میں تاریخِ پیدائش ۷۳۶ھ ہی درست معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وفات دمشق میں ہوئی۔ اس کے سالِ وفات میں کوئی اختلاف نہیں۔ سب کے سب ۷۹۵ھ بتاتے ہیں لیکن ماہِ وفات میں اختلاف ہے۔ ابن حجر نے الدرر میں رجب کا مہینہ لکھا ہے اور اس کی پیروی ابن فہد، السُیُوطی اور شوکانی نے کی ہے۔ ابن عماد اور العلیمی نے لکھا ہے کہ اس کی وفات ماہِ رمضان میں ہوئی اور یہی مہینہ ابن حجر نے اِنباہ میں درج کیا ہے.

ابن رجب کی طرف ذیل کی ۳۲ کتابیں منسوب ہیں: (۱) ذیل علی طبقات الحنابلة اور یہی کتاب ابن رجب کی شہرت کی نقیب ہے۔ یہ کتاب دراصل سلسلۂ تراجم کی ایک کڑی ہے جس میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے حالات سے لے کر چودھویں صدی تک کے حنبلی اکابر کے حالات بیان ہوے ہیں۔ اس سلسلے کی ساری کڑیاں محفوظ نہیں اور بعض کے مشرق و مغرب کے متفرق کتب خانوں میں صرف مخطوطے ہی موجود ہیں۔ طبقات الحنابلة میں ہمیں سب سے پہلے الخلّال (م ۳۱۱ھ/ ۹۲۳ء) کی طبقات الاصحاب ملتی ہے۔ یہ مخطوطے کی شکل ہی میں ہے البتہ اس کی تلخیص، جو نابلسی (م ۷۹۷ھ) نے کی تھی، چھپ چکی ہے (دمشق ۱۳۵۰ھ، طبع احمد عبید)۔ اس کے بعد ابن ابی یعلٰی الفرّاء (م ۵۲۶ھ/ ۱۱۳۲ء) اور ابن الجَوزی (م ۵۹۷ھ/ ۱۲۰۱ء کی المُنتَظَم) کا نام آتا ہے۔ الفرّاء کی طبقات فقہاء اصحاب الامام احمد میں ابن رجب نے ۴۶۰ھ میں فوت ہونے والے اکابر کے ذکر سے، جو الفراء کے اصحاب ہیں، اپنی ذیل کا آغاز کیا اور ۷۵۱ھ تک کے اکابر کے حالات لکھے۔ ہنری لاووست (H. Laoust) اور سامی الدہّان اس کی طباعت کر رہے ہیں (جلد اوّل، دمشق ۱۹۵۱ء، ۴۶۰ - ۵۴۰ھ)۔ علماے اسلام نے ابن رجب کی اس کتاب کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ احمد بن نصر اللہ بغدادی نے اس کی ایک تلخیص تیار کی تھی۔ اصل کتاب کے متعدّد مخطوطات محفوظ ہیں۔ ان میں سب سے قدیم وہ ہے جو مصنّف کی وفات سے صرف پانچ سال بعد لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد کے نسخے تقریبًا تیس سال بعد لکھے گئے۔ کتب خانۂ ظاہریہ دمشق (عدد، تاریخ ۶۱) اور کوپرولو استانبول، عدد ۱۱۱۵)؛ جلد اوّل، بانکی پور، عدد ۲۴۶۶، جلد ثانی، ندوة العلماء اور جلد ثالث، مکتبۂ سندیہ میں محفوظ ہے۔ ابن رجب کے بعد علما نے اس سلسلے کو جاری رکھا۔ ان میں ابن مُفلح (م ۸۸۳ھ/ ۱۴۷۸ء)، العلیمی (م ۹۲۷ھ/ ۱۵۲۱ء)، الغزّی (م ۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء)، ابن حمید المکی (م ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء) اور جمیل الشطی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ آخر الذّکر کے ہاں ہم عصر اکابر کا ذکر ہے؛ (۲) شرح جامع ابی عیسٰی الترمذی؛ (۳) جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثًا من جوامع الکلم (ہندوستان بدون تاریخ، مصر ۱۳۴۶ھ)؛ (۴) فتح الباری فی شرح البخاری، مگر یہ نا تمام رہی اور صرف کتاب الجنائز تک لکھی گئی؛ (۵) شرح حدیث ما ذئبان جائعان، لاہور ۱۳۲۰ھ، المروزی کی قیام اللیل کے ساتھ؛ (۶) شرح حدیث من سلک طریقًا یلتمس فیه علمًا؛ (۷) اختیار الاولٰی فی شرح حدیث اختصام الملاء الاعلٰی، مطبوعۂ المنیریة مصر؛ اردو ترجمہ بنام دیدارِ الٰہی، از غلام ربانی لودھی، لاہور ۱۳۵۶ھ؛ (۸) نور الاقتباس فی مشکاة وصیة النبی صلعم لابن عباس؛ (۹) الاستخراج لاحکام الخراج، مخطوطہ در پیرس، عدد ۲۴۵۴؛ (۱۰) القواعد الفقهیة، قاہرہ ۱۳۵۲ھ؛ (۱۱) القول فی تزویج امهات اولاد الغیاب؛ (۱۲) مسئلة الصلوٰة یوم الجمعة بعد الزوال وقبل الصلوٰة؛ (۱۳) نزهة الاسماع فی مسئلة السماع؛ (۱۴) وقعة بدر؛ (۱۵) اختیار الابرار، مخطوطہ در برلن، عدد ۹۶۹۰؛ (۱۶) اِسْتِنشاق نسیم الأنس من نفحات ریاض القُدس؛ (۱۷) الاستبطان فیما یعتصم به العبد من الشیطان؛ (۱۸) اهوال یوم القیامة، اگر یہ وہی کتاب ہے جس کا دوسرا نام اهوال القبور ہے تو اس کے مخطوطے برلن عدد ۲۶۶۱ اور الاسکندریہ، عدد مواعظ ۶ میں موجود ہیں؛ (۱۹) البشارة العظمٰی فی ان حَظ المؤمن من النار الحمٰی؛ (۲۰) کتاب التوحید، مخطوطہ در گوٹا، ۷۰۲؛ (۲۱) الخشوع فی الصلوٰة، مصر ۱۳۴۱ھ؛ (۲۲) ذم الخمر؛ (۲۳) ذم المال والجاه؛ (۲۴) رسالة فی معنی العلم، مخطوطہ در لائپزگ، ۴۶۲؛ (۲۵) صفة النار والتحذیر من دار البوار، اس کتاب کا مخطوطہ برلن، عدد ۲۶۹۷ میں تحت عنوان: التخویف من النّار والتعریف بحال دار البوار موجود ہے؛ (۲۶) الفرق

بین النصیحة والتعییر؛ (۲۷)فضائل الشام؛ (۲۸)فضل علم السلف علی الخلف، قاہرہ ۱۳۴۳ھ، ۱۳۴۷ھ؛ غالبًا اس کتاب کا دوسرا نام العلم النافع ہے اور ممکن ہے یہ رسالة فی معنی العلم ہی ہو؛ (۲۹) کشف الکربة فی وصف حال الغربة، یہ حدیث بدأالاسلام غریبًا کی شرح ہے، مصر ۱۳۵۱ھ؛ (۳۰) الکشف والبیان عن حقیقة النُذُور والاَیمان ؛ (۳۱) کفایة (حمایة) الشام بمن فیها من الأحلام ؛ (۳۲) الکلام علی لا اله الا اللّٰه؛ (۳۳) اللطائف فی الوعظ، قاہرہ ۱۹۲۴ء.

مآخذ: (۱) ابن حجر: الدرر الکامنة، ۲: ۳۲۱؛ (۲) وہی مصنّف: اِنْباہ الغُمر، بحوالۂ ذیل طبقات الحنابلة، طبع سامی الدّہان؛ (۳) السُّیُوطی: ذیل طبقات الحُفّاظ، ۳۶۷؛ (۴) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، طبع یالتقایا (Yaltakaya)، عمود ۱۰۹۷؛ (۵) ابن العماد: شذرات الذهب، ۶: ۳۳۹؛ (۶) ابن فہد مکی: ذیل طبقات الحُفّاظ؛ (۷) الخزانة التیموریة، ۲: ۲۲۳؛ (۸) حبیب زیات: مخطوطات دار الکتب الظاهریة ......، ۳۷؛ (۹) الزرکلی: الاَعْلام، ۴: ۶۷؛ (۱۰) براکلمان، ۲: ۱۰۷؛ تکملہ، ۲: ۱۲۹؛ (۱۱) ہاشم ندوی: تذکرة النوادر......، حیدر آباد دکن ۱۳۵۰ھ، ص ۱۰۱ ببعد؛ (۱۲) ذیل طبقات الحنابلة، طبع سامی الدّہّان و لاووست، دمشق ۱۹۵۱ء، تمہید.

(عبدالمنّان عمر)

---

* **اِبْنِ رِجَل:** Abenregal، رکّ بہ ابن ابی الرجال.

---

* **ابن رُستہ:** ابوعلی احمد بن عمر، تیسری صدی ہجری رنویں ـ دسویں صدی عیسوی کا ایک ایرانی الاصل عربی عالم۔ اس کی زندگی کے حالات ہمیں بہت ہی کم معلوم ہیں۔ یہ اصفہان کا رہنے والا تھا، جہاں ابن رُستہ کے نام کے متعدّد اشخاص بحیثیت علما مشہور تھے۔ ۲۹۰ھ/۹۰۳ء میں وہ حج کے موقع پر مدینے گیا اور تقریبًا اسی زمانے میں اس نے اپنی کتاب الاَعْلاقُ النَّفِیسة لکھی۔ اس کتاب کا صرف ساتواں حصّہ (طبع ڈ خویہ (De Goeje): *Bibl. Geojr. Arab*، ۷: ۱، لائڈن ۱۸۹۲ء) ہم تک پہنچا ہے، جس میں سپہرِ فلک اور کُرۂ ارض پر ایک دیباچہ لکھنے کے بعد وہ مختلف ملکوں اور شہروں کا بیان شروع کر دیتا ہے۔ اس کتاب کا بیشتر مواد اس نے قدیم اور معاصر تصانیف سے لیا ہے۔ ڈ خویہ سے پہلے اس کتاب کے متفرق اقتباسات (Chwolson) روسی ترجمے کے ساتھ شائع کر چکا تھا۔ [نواح ۳۱۰ھ/۹۲۲ء میں اس کی وفات ہوئی]۔

مآخذ: (۱) ڈ خویہ (de Goeje) اپنی طبع [کتاب الاعلاق النّفیسة] کا دیباچہ (Praefatio)؛ (۲) براکلمان، ۱: ۲۲۷؛ [تکملہ، ۱: ۴۰۶]۔

(C. Van Arendonk)

---

* **ابن رُشد:** ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رُشد، جو یورپ میں Averroes کے نام سے مشہور ہوا، اندلس کا سب سے بڑا عرب فلسفی۔ وہ ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اس کا دادا قرطبہ کا قاضی رہا تھا اور اس نے بعض اہمّ تصانیف چھوڑی تھیں۔ اس کا باپ بھی قاضی کے عہدے پر فائز رہا۔ قانون اور طبّ کی تعلیم ابن رُشد نے اپنے پیدائشی شہر میں حاصل کی؛ اس کے اساتذہ میں ایک ابو جعفر ہارون ساکن ترجالہ (Truxillo) بھی تھا۔ ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء میں وہ مَرّاکُش میں مقیم تھا، جہاں وہ غالبًا ابن طفیل [رکّ بآن] کی ترغیب سے گیا تھا۔ ابن طفیل نے اسے ابو یعقوب یوسف المؤحّد سے متعارف بھی کر دیا تھا، جس نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ ابو یعقوب سے اُس کی اس ملاقات کا حال محفوظ ہے (دیکھیے *Hist. des Almohades des Marrākeche*، ترجمہ از فاینان Fagnan)۔ خلیفہ نے اس سے عالم کے بارے میں فلاسفہ کا نظریہ دریافت کیا، یعنی یہ کہ آیا وہ ایک جوہرِ ازلی ہے یا اس کی کوئی ابتدا تھی۔ ابن رُشد کہتا ہے کہ "مجھ پر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا"، لیکن خلیفہ نے اس کے حجاب وتکلّف کو دور کیا اور خود مختلف علما کے نظریے بیان کر کے اس موضوع پر اتنی گہری واقفیت اور قابلیت سے بحث شروع کر دی جتنی کہ بادشاہوں کے ہاں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے اسے بیش قیمت تحائف دے کر رخصت کر دیا۔

یہ ابن طفیل ہی تھا جس نے ابن رُشد کو ارسطو کی شرح لکھنے کا مشورہ بھی دیا۔ اس نے کہا کہ امیر المؤمنین کئی بار اس امر پر اظہارِ افسوس کر چکے ہیں کہ یونانی فلاسفہ کی زبان، بلکہ ان ترجموں کی بھی جو عمومًا دستیاب ہوتے ہیں، بڑی مُغلق ہے لہٰذا اسے [یعنی ابن رُشد کو] چاہیے کہ ان کی تشریح اور توضیح کا کام اپنے ذمے لے۔

۵۶۵ھ/۱۱۶۹ء میں ابن رُشد اشبیلیہ کا قاضی مقرّر ہوا اور اس کے دو سال بعد قرطبہ کا۔ اس عہدے کی گرانبار مصروفیتوں کے باوجود یہی زمانہ ہے جب ابن رُشد نے اپنی اہم ترین تصانیف مرتّب کیں۔ ۵۷۸ھ/۱۱۸۲ء میں ابن یوسف نے اسے اپنے طبیب کی حیثیت سے مراکش بلایا تاکہ وہ سن رسیدہ ابن طفیل کی جگہ لے سکے، لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اسے قاضی القضاۃ کا عہدہ دے کر قرطبہ واپس بھیج دیا۔

یوسف کے جانشین یعقوب المنصور کے آغازِ حکومت میں بھی ابن رُشد کو بدستور خلیفہ کا قرب و التفات حاصل رہا، لیکن علماے دین کی مخالفت کی بنا پر وہ معتوب ہو گیا اور اس پر مختلف ملحدانہ عقائد کا الزام لگا کر اسے قرطبہ کے نزدیک لوسینا (Lucena) میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اسی زمانے (تقریبًا ۱۱۹۵ء) میں خلیفہ نے حکم دیا کہ فلاسفہ کی سب کتابیں جلا دی جائیں، ماسوا ان کے جو طب، حساب اور ابتدائی علمِ ہیئت پر ہوں۔ ڈنکن میکڈانلڈ کا خیال ہے کہ اس موحّد فرمانروا کے، جس نے اب تک مطالعاتِ فلسفہ کی ہمّت افزائی کی تھی، یہ احکام غالبًا اندلس کے مسلمانوں کے پاس خاطر کی بنا پر صادر ہوئے تھے جو بربروں کی بہ نسبت بہت

زیادہ راسخ العقیدہ تھے؛ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اس وقت خلیفہ نے اندلس میں عیسائیوں کے خلاف جہاد شروع کر رکھا تھا۔ مراکش لوٹ کر اس نے [فلسفے کی تعلیم پر عائد کردہ] پابندی ہٹا دی اور ابن رُشد کو اپنے دربار میں واپس بلا لیا۔ (D. MacDonald: *Development of Muslim Theology*، نیو یارک ۱۹۰۳ء، ص ۲۵۵) لیکن ابن رُشد اپنے جاہ و ثروت کی بحالی سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہ ہو سکا، کیونکہ مراکش واپس آ کر تھوڑی ہی مدت بعد ۹ صفر ۵۹۵ھ/ ۱۰ دسمبر ۱۱۹۸ء کو اس کا انتقال ہو گیا اور شہر کے قریب ہی باب تَغزُوت کے باہر مدفون ہوا۔

ابن رُشد کی اصل عربی تصنیفات کا بڑا حصّہ ضائع ہو چکا ہے اور عربی کی جو کتابیں بچ رہی ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) تہافت التہافت، جو الغزالی کی مشہور تصنیف تہافت الفلاسفة کے جواب میں لکھی گئی تھی (قب Miguel Asin y Palacios: *Sur le Sens du mot "Tehâfot" dans les oeuvres d'al-Ghazali et d' Averroès*، در *RAfr.*، ۱۹۰۶ء، شمارہ ۲۶۱ و ۲۶۲، خصوصاً ص ۲۰۲)؛ (۲) ارسطو کی بوطیقا (*Poetics*) اور ریطوریقا (*Rhetoric*) کی اوسط حجم کی شرحیں (مرتبہ و مترجمہ از Lasinio)، (قب J. Tkač: *Über den arab. Kommentar des Averroes zur Poetik des Aristoteles*، در *Wiener Studien*، ۲۴: ۷۰ بعد)؛ (۳) [ارسطو کی کتاب] مابعد الطبیعیات پر سکندر الافرودیسی کی تصنیف کے بعض اجزا کی تشریح (دیکھیے J. Freudental و S. Fraenkel: کتاب مذکور)؛ (۴) [ارسطو کی] ما بعد الطبیعیات کی ضخیم شرح، در لائڈن (*Cat. Cod. orient*، شمارہ ۲۸۲۱)؛ (۵) میڈرڈ میں کتاب الجوامع، جس میں مختصر شرحیں ہیں (Guillén Robles: *Catálogo...Bibl. Nacion.*، شمارہ ۳۷؛ قب H. Derenbourg: *Notes sur les mss. arab. de Madrid*، شمارہ ۳۷، در *Homenaje á D. Franc. Codera*، ص ۵۷۷ بعد) اور جو ارسطو کے مختلف رسائل، مثلاً *De Physica*، *De Coelo et Mundo*، *De Generatione et Corruptione*، *De Anima*، *De Mateorologia*، اور بعض دیگر ماوراء الطبیعیاتی مسائل سے متعلّق ہیں، قب نیز H. Derenbourg: *Le commentaire arabe d' Averroès sur quelques petits écrits physiques d' Aristotle*، در *Arch. für Gesch. der Philos.*، ۱۸ (۱۹۰۵ء) ۲۵۰؛ اور آخر میں (۶) مذہب اور فلسفے کے باہمی روابط کے بارے میں دو دلچسپ رسالے (جن پر Léon Gauthier اور Miguel Asin نے بحث کی ہے)۔ ان میں سے ایک رسالے کا عنوان کتاب فَصل المقال ہے، جس میں مذہب اور فلسفے کی تطبیق کی پُرزور حمایت کی گئی ہے اور دوسرا کَشف المناھج وغیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ ان دونوں رسالوں کے متن کی تصحیح

اور جرمن زبان میں ترجمہ مُلر (M. J. Müller) نے کیا ہے (دیکھیے مآخذ) اور وہ کتاب فلسفہ ابن رُشد کے مشترکہ نام سے قاہرہ میں طبع ہو چکے ہیں (۱۳۱۳ھ، ۱۳۲۸ھ)؛ ان کے علاوہ عربی میں، لیکن عبرانی حروف میں، یہ تصانیف بھی موجود ہیں: ارسطو کی *Logica* کی ایک تلخیص؛ *De Generatione et Corruptione*، *De Meteoris* اور *De Anima* پر اوسط حجم کی شرحیں؛ *Perva Naturalia* کا ترجمہ بہ تبدیل عبارت (پیرس، .Bibl. Nat، شمارہ ۳۰۳، ۳۱۷)؛ *De Coelo*، *De Generatione* اور *De Meteoris* پر شرحیں (Bodleiana، Uri، *Cat. codd. hebr.*، ص ۸۶)(Renan: *Averroès*، طبع ثالث، ص ۸۳).

ابن رُشد نے ارسطو کی جو مشہور و معروف شرحیں لکھی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں، یا یوں کہیے کہ ایک ہی شرح تین مختلف نسخوں میں پیش کی گئی ہے، یعنی مطوّل، اوسط اور مختصر نسخہ۔ یہ سہ گانہ ترتیب اسلامی یونیورسٹیوں کے تین مدارجِ تعلیم کے مطابق رکھی گئی ہے، اس طرح کہ مختصر شرحیں پہلے سال کے لیے ہیں، اوسط دوسرے سال کے لیے اور مطوّل تیسرے سال کے لیے۔ عقائد کی توضیح میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے.

ہمارے پاس عبرانی اور لاطینی ترجموں میں ارسطو کے رسائل "انالوطیقا ثانی" (*Second Analytics*)، "طبیعیات" (*Physics*) "کائنات" (*Universe*)، "روح" (*Soul*) اور "مابعد الطبیعیات" (*Metaphysics*) پر ابن رُشد کی لکھی ہوئی تینوں شرحیں موجود ہیں۔ ارسطو کی دوسری تصانیف کی مطوّل شرحیں موجود نہیں ہیں اور "علم الحیوان" (Zoology) کی کوئی شرح بھی باقی نہیں رہی.

ابن رُشد نے افلاطون کی "کتاب السیاسة" (*Republic*) کی ایک شرح اور الفارابی کی منطق اور اس کی ارسطو کی شرح کی تنقید بھی لکھی تھی اور اسی طرح ابن سینا کے بعض نظریات پر مباحث اور مہدی ابن تومرت کی کتاب العقیدة پر حواشی بھی۔ اس نے فقہ (کتاب بدایة المجتھد و نہایة المقتصد، قاہرہ ۱۳۲۹ھ [اردو ترجمہ ھدایة المقتصد، جلد اوّل، ربوہ (چناب نگر) ۱۹۵۸ء])، ہیئت اور طب پر بھی متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ "مجموعی فن طبّ" پر اس کی تصنیف الکلّیات، codd. Granada (دیکھیے ڈوزی (Dozy): *Zeitschr der Deutsch. Morgenl. Ges.*، ۳۶ (۱۸۸۲ء): ۳۴۳؛ پیٹرزبرگ، Dorn: *Cat*، شمارہ ۱۳۲، اور غالباً میڈرڈ، Robles: *Catal.*، شمارہ ۱۳۲ قب دیرنبورغ (H. Derenbourg: *Notes* etc.، شمارہ ۱۳۲، ص ۵۸۵ بعد)، جسے لاطینی ترجموں میں محرّف کر کے *Colliget* کر لیا گیا ہے، قرونِ وسطٰی میں کسی حد تک مشہور تھی، لیکن ابن سینا کی القانون کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ [ابن رُشد کی جو کتابیں اصل عربی یا تراجم کی صورت میں موجود ہیں ان کی تفصیل کے لیے دیکھیے، محمد یونس: ابن رُشد، ص ۱۱۷ - ۱۳۶۔ ان کتابوں کے مخطوطے زیادہ تر

اسکوریال میں محفوظ ہیں، جن کی تعداد اکتالیس ہے۔ دیگر کتب خانوں میں جو مخطوطے محفوظ ہیں انھیں ملا کر اس وقت دنیا میں ابن رُشد کی باون تالیفات اصل یا تراجم کی شکل میں موجود ہیں۔ ابن رُشد کے عبرانی تراجم کی اشاعت کا یہ عالم ہے کہ بائبل کے بعد انھیں کا درجہ ہے]۔

ابن رُشد کے فلسفے کو ایک نیا فلسفہ نہیں مانا جا سکتا (قب Renan : Averroès، طبع ثالث، ص ۸۸)، بلکہ یہ مسلمان فلاسفہ کے یونان پرست دبستان (قب مادۂ فیلسوف) کا وہی فلسفہ ہے جس کی تعلیم مشرق میں الکندی، الفارابی اور ابن سینا اور مغرب میں ابن باجّہ اس سے پہلے دے چکے تھے؛ تاہم بعض مسائل میں وہ اپنے ان جلیل القدر پیش رووں کے نظریات سے اختلاف کرتا ہے لیکن یہ مسائل محض ثانوی حیثیت کے ہیں اور مجموعی اعتبار سے اس کا فلسفہ اسی قدیم روش کا پابند ہے۔

ابن رُشد کی شہرت کا انحصار زیادہ تر اس کے ناقدانہ تجزیے اور شرح نویسی کے فطری ملکے پر ہے۔ یہ ایسی صفتیں ہیں جن کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہم آج کل نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے اور اس زمانے کا آہنگِ فکر، طریقِ کار اور وسائلِ علمی میں بہت فرق ہے؛ لیکن اسی لیے قرونِ وسطٰی کے علما کے نزدیک، بالخصوص یہودی اور عیسائی حلقوں میں، انھیں بہت قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس کی شرحوں سے علمائے دین میں بھی تحسین و آفرین کی لہر دوڑ گئی، اس کے باوجود کہ وہ اس کے نظامِ فلسفہ کو مذہب کے لیے خطرناک سمجھتے تھے۔

مشرق کے اسلامی ملکوں میں علمائے دین پہلے ہی سے دبستانِ فلسفہ پر حملے کر چکے تھے، چنانچہ الغزالی کی تہافت، جو زیادہ تر الفارابی اور ابن سینا کے خلاف لکھی گئی تھی، مشرق میں اس باہمی کشمکش کی اہم ترین یادگار ہے۔ مغرب میں اس دبستان پر سب سے پہلے اندلس کے مسلم علمائے دین نے حملہ کیا اور جب بعد ازاں وہ ابن رُشد کی شرحوں سے ترجموں کے ذریعے متعارف ہوئے تو مسیحی علمائے دین نے بھی؛ چنانچہ تیرھویں صدی میں پیرس، اوکسفرڈ اور کنٹربری کے لاٹ پادریوں (اساقفہ) نے انھیں وجوہ کی بنا پر ابن رُشد کی مذمت کی جن کے باعث وہ اندلس کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ہدفِ ملامت بن چکا تھا۔

فلسفۂ ابن رُشد کے وہ خاص معتقدات جن کی بنا پر اسے ملحد ٹھیرایا گیا ابدیتِ عالم، اللہ کے علم کی ماہیت، اس کے علمِ غیب، نفس اور عقل کی کلیت اور معاد سے متعلّق ہیں۔ ان معتقدات میں ابن رُشد کو بآسانی ملحد قرار دیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ مسلّمہ عقائد کا منکر تو نہیں تھا لیکن انھیں اس طرح پیش کرتا تھا کہ فلسفے سے ان کی تطبیق ہو جائے۔

مثال کے طور پر ابدیتِ عالم کے مسئلے میں وہ خلقِ کائنات سے انکار تو نہیں کرتا لیکن اس کی تشریح دینی نقطۂ نظر سے الگ اور مختلف کرتا ہے۔ اس کے نزدیک کوئی چیز عدم سے ایک ہی بار ہمیشہ کے لیے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کی لحہ بہ لحہ تجدید ہوتی رہتی ہے؛ جس کی بدولت دنیا برقرار ہے اور ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے؛ دوسرے لفظوں میں ایک تخلیقی قوّت اس دنیا میں لگاتار کام کر رہی ہے جو اسے قائم رکھتی اور حرکت دیتی ہے۔ اشکالِ فلکی (صور الکواکب constellations) بالخصوص حرکت ہی سے قائم ہیں اور اس حرکت کا سرچشمہ وہ قوّتِ محرّکہ ہے جو روزِ ازل سے ان پر عمل کر رہی ہے۔ عالم ابدی ہے لیکن اس کی یہ ابدیّت ایک تخلیقی اور محرّک علّت کا نتیجہ ہے، برخلاف اس کے اللہ بغیر کسی علّت کے ابدی ہے۔

علمِ الٰہی کے باب میں ابن رُشد فلاسفہ کے اسی اصول کا اعادہ کرتا ہے کہ ''اصلِ اوّل کو محض اپنی ہستی کا ادراک ہوتا ہے''۔ فلسفیوں کے نزدیک یہ ابتدائی مفروضہ لازمی ہے، تاکہ اصلِ اوّل اپنی وحدت کو برقرار رکھ سکے کیونکہ اگر اسے کثرتِ وجود کا علم ہو تو وہ خود بھی کثیر ہو جائے گا۔ اس اصل کی بالکل صحیح تعبیر کے مطابق موجودِ اوّل کے لیے اپنی ہی ذات کے اندر رہنا ضروری ہے اور اسے صرف اپنے ہی وجود کا علم ہونا چاہیے۔ اس طرح علمِ غیب کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ علمائے دین کی یہ کوشش تھی کہ فلاسفہ کو اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے مجبور کیا جائے [تاکہ انھیں مُنکرِ غیب، لہٰذا مُلحد، قرار دیا جا سکے]۔

لیکن ابن رُشد کے نظام میں زیادہ لچک ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ اللہ خود اپنی ذات میں تمام اشیاے عالم کا علم رکھتا ہے، لیکن اس کے علم کو نہ تو کلّی کہا جا سکتا ہے اور نہ جزئی۔ لہٰذا وہ علم انسانی کے مانند نہیں بلکہ ایک برتر نوعیت کا علم ہے، جس کا ہم کوئی تصوّر نہیں کر سکتے [رک بہ مادۂ فلسفۂ در کتاب ھٰذا]۔ اللہ کا علم علمِ انسانی کے مانند نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر ایسا ہو تو اس کے علم میں اور لوگ بھی شریک ہو جائیں گے اور پھر خدا ایک خدا نہیں رہے گا۔ مزید براں خدا کا علم انسان کے علم کی طرح اشیا سے ماخوذ یا ان کا پیدا کردہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ جملہ اشیا کی علّت ہے، لہٰذا [بعض] علمائے دین کا یہ الزام کہ ابن رُشد کا فلسفہ علمِ غیب کا منکر ہے، صحیح نہیں ہے۔

جہاں تک روحِ انسانی کے بارے میں ابن رُشد کی تعلیم کا تعلّق ہے اس کی اس بنا پر مذمّت کی گئی ہے کہ اس کے نزدیک ہر انفرادی رُوح موت کے بعد رُوحِ کلّی میں چلی جاتی ہے، لہٰذا وہ روحِ انسانی کی بقا بالذات کا منکر ہے؛ مگر یہ خیال درست نہیں کیونکہ دوسرے فلاسفہ کی طرح ابن رُشد کے نظام میں بھی روح اور عقل کے درمیان امتیاز کرنا ضروری ہے۔ عقل بالکل مجرّد اور غیر مادّی ہے اور اس کا وجود درحقیقت اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا ربط عقلِ کل اور عقلِ فعّال سے قائم ہو جائے۔ وہ چیز جسے ہم فرد کی عقل کہتے ہیں دراصل ان معانی کے ادراک کی قوّت کا نام ہے جن کا سرچشمہ عقلِ فعّال ہے۔ اس قوّت کو عقلِ انفعالی کہا جاتا ہے اور یہ دائم بالذّات نہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانے اور ''عقلِ اکتسابی'' (''Intellectus adaptus'') بن جائے۔ تب جا کر وہ عقلِ فعّال سے وابستہ ہو جاتی ہے، جو ابدی معانی کا گہوارہ ہے اور اس میں ضم ہو کر یہ قوّت [عقل] خود بھی ابدی ہو جاتی ہے۔

نفس یا رُوح کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک یہ وہ قوّتِ

محرکہ ہے جو اشیاے نامیہ کی زندگی اور بالیدگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ گویا وہ ایک ایسی توانائی ہے جس سے مادّہ زندگی حاصل کرتا ہے اور جو عقل کی طرح صفات مادّہ سے بالکل مبرّا نہیں، بلکہ اس کے برعکس مادّے سے اس کا بہت قریبی تعلّق ہے؛ بلکہ ممکن ہے کہ یہ نیم مادّی یا مادّے کی انتہائی لطیف شکل پر مشتمل ہو۔ ارواح اجسام کی صورت رکھتی ہیں اور اس لیے جسم کی قید سے آزاد ہیں۔ وہ جسم کی موت پر بھی موجود رہتی ہیں اور اپنی انفرادیت برقرار رکھ سکتی ہیں؛ لیکن ابن رُشد کی راے میں یہ آخری چیز محض امکانی ہے۔ وہ یہ تسلیم نہیں کرتا کہ جس روح کا تخیّل یہ ہو اس کی بقاے دوام کا کوئی اطمینان بخش ثبوت خالص فلسفیانہ ذرائع سے مل سکتا ہے۔ لہٰذا اس سوال کو حل کرنے کا کام وحی پر چھوڑ دیا گیا ہے (دیکھیے تہافت التہافت، ص ۱۳۷).

[بعض] علما نے ابن رُشد پر یہ بھی الزام لگایا ہے کہ اسے حشرِ اجساد سے انکار تھا، لیکن یہاں بھی اس کی تعلیم میں اس عقیدے کا انکار نہیں بلکہ اس کی توضیح ہے۔ اس کے نزدیک ہمارا جو جسم عالمِ عاقبت میں ہوگا وہ وہ جسم نہیں ہوگا جو اس دنیا میں ہے، کیونکہ جو شے فنا ہوگئی پھر جوں کی توں پیدا نہیں ہوسکتی، بلکہ زیادہ سے زیادہ کسی اَور مماثل صورت میں دوبارہ ظہور کرسکتی ہے۔ مزید براں ابن رُشد یہ بھی کہتا ہے کہ ہماری آئندہ زندگی حیاتِ ارضی کی بہ نسبت کہیں زیادہ برتر قسم کی ہوگی، لہٰذا اس دنیا کے مقابلے میں وہاں کے اجسام بھی زیادہ کامل اور مکمّل ہوں گے۔ باقی وہ ان فرضی قصّوں اور روایتوں کو غیر مستحسن سمجھتا ہے جو آخرت کی زندگی کے بارے میں مشہور ہیں.

چونکہ اس فلسفی کو اپنے پیش رووں کی بہ نسبت راسخ العقیدہ مذہبی لوگوں کا کہیں زیادہ ہدفِ ملامت بننا پڑا، لہٰذا اس نے فلسفیانہ تحقیق اور مذہب کے باہمی تعلّقات پر زیادہ معیّن طریقے پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس موضوع پر اس نے اپنے نظریات مذکورۂ بالا کتابوں، یعنی فصل المَقال اور کَشفُ المناھِج میں پیش کیے ہیں۔ اس نے پہلا اصول یہ قائم کیا کہ فلسفے کو لازمی طور پر مذہب سے اتفاق کرنا چاہیے اور یہی پورے عربی علم کلام کا مسلّمہ اصول ہے۔ ایک طرح سے حق دو قسم کے ہیں یا یوں کہیے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں، یعنی حقّ فیلسوفی اور حقّ مذہبی اور ان دونوں کا باہم متّفق ہونا ضروری ہے۔ فلاسفہ بھی اپنی نوعیت کے انبیا ہیں، جن کا خطاب بالخصوص علما سے ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی تعلیم صحیح معنی میں انبیا کی تعلیم کے خلاف نہ ہو، جو بالخصوص عوام سے مخاطب ہوتے ہیں، بلکہ فلسفے کے لیے لازم ہے کہ اسی حق کو ایک بلند تر اور نسبۃً کم مادّی شکل میں پیش کرے.

مذہب میں لفظی مفہوم اور تشریح کے درمیان تمیز کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر قرآنِ [پاک] میں کوئی ایسی عبارت پائی جائے جو بظاہر فلسفیانہ نتائج کی تردید کرتی ہے تو ہمیں لامحالہ یقین کرلینا چاہیے کہ ظاہری معنی کے بجاے اس کا کوئی اَور مفہوم ہے اور اس حقیقی مفہوم کو تلاش کرنا چاہیے۔ عام لوگوں کا فرض ہے کہ لفظی مفہوم کے پابند رہیں۔ اس کی صحیح تعبیر کا معلوم کرنا صرف علما کا کام ہے۔ عوام النّاس کو چاہیے کہ قصص اور تمثیلات کا وہی مفہوم لیں جس طرح انھیں وحی نے پیش کیا ہے لیکن فلسفی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ ان کے اندر جو زیادہ گہرے اور پاکیزہ تر معانی مضمر ہیں انھیں تلاش کرے اور آخر میں اہلِ علم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ انھوں نے جو نتائج اخذ کیے ہیں انھیں عوام تک نہ پہنچائیں.

ابن رُشد نے اس امر کی بھی وضاحت کردی ہے کہ مذہب کی تعلیم کو ہمیں کس طرح سامع کے معیارِ ذہنی کے مطابق رکھنا چاہیے۔ ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے وہ انسانوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلی اور سب سے بڑی جماعت ان لوگوں کی ہے جو تبلیغ کے نتیجے میں کلام ربّانی پر ایمان لاتے ہیں اور تقریباً محض زورِ خطابت ہی سے متاثّر ہوسکتے ہیں۔ دوسری جماعت میں وہ لوگ شامل ہیں جن کے عقائد کا دارومدار استدلال پر ہے، لیکن محض ایسے استدلال پر جو بدیہی مقدمات پر مبنی ہوتا ہے، جنھیں بلا جرح وتنقید فرض کرلیا جاتا ہے۔ تیسری اور سب سے زیادہ قلیل التعداد جماعت ان لوگوں کی ہے جن کے عقائد کی اساس وہ دلائل ہیں جو بجاے خود ثابت شدہ مقدّمات کے ایک سلسلے پر قائم ہیں۔ مذہبی تعلیم کو سامع کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق ربط دینے کا یہ طریق ابن رُشد کی گہری نفسیاتی بصیرت کا ثبوت ہے؛ البتہ اس میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ شاید مخلصانہ نہ معلوم ہو اور اس لیے یہ ایک قدرتی بات تھی کہ اس سے پیشہ ور علماے دین میں بے اعتمادی پیدا ہوجائے۔

آخر میں ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ابن رُشد ایک ایسا کافر یا ملحد تھا جو راسخ العقیدہ مسلمانوں کے حملوں سے بچنے کے لیے کم وبیش ہنرمندانہ تاویلوں سے کام لے رہا ہو، بلکہ ہمارا میلانِ خیال اس طرف ہے کہ مشرق کے متعدّد اربابِ علم کے رویے کی عام مطابقت کرتے ہوے اس نے یہ روش اختیار کر رکھی تھی، ابن رُشد بھی تطبیقی (Syncretic) عقیدہ رکھتا تھا۔ وہ اس بات پر سچے دل سے یقین رکھتا تھا کہ ایک ہی حقیقت کو مختلف صورتوں میں پیش کیا جا سکتا ہے اور اپنی بے نظیر فلسفیانہ سوچ سمجھ کی بدولت وہ ایسے معتقدات کو ایک دوسرے کے مطابق بنانے میں کامیاب ہوگیا جو ان انسانوں کو جن کے ذہن میں نسبۃً کم لچک پائی جاتی ہے صریحًا متضاد نظر آتے ہیں.

ابن رُشد کی شرحوں کا عبرانی ترجمہ تیرھویں اور چودھویں صدیوں میں یعقوب بن ابّا ماری آناطولی (Jacob ben Abba Mari Anatoli)، متوطّن نیپلز (۱۲۳۲ء)، یہودا بن سلیمان کوہن (Judah b. Salomon Cohen)، متوطّن طلیطلہ (۱۲۴۷ء)، موسیٰ بن تبّون (Moses b. Tibbon)، متوطّن لیونل (Lunel) (۱۲۶۰ء)، نیز سموئیل بن تبّون (Samuel b. Tibbon)، شام بن طوب بن یوسف فَلَقری (Shem b. Tob. b. Joseph b. Falaquera)، اور قلونیموس بن قلونیموس (Kalonymus b. Kalonymus) [بن ماہر]، (۱۳۱۴ء) [جو مغرب میں Maeste Calo کے نام سے مشہور ہے] نے تیار کیا۔ Bagnals (Gersonides) کے لیوی بن جرشون

(levi b. Gerson) [جو Leon de Bagnols اور Magister Leo Hebraeus کے نام سے مشہور ہے] نے ابن رُشد پر ویسی ہی شرح لکھی جیسی ابن رُشد نے ارسطو پر لکھی تھی؛ اور مغرب کے مسیحی ملکوں میں میکائیل سکاٹ (Michael Scott) اور ہرمان (Hermann) نے، جو خاندانِ ہوہنشتاوفن (Hohenstaufen) کے متوسّلین میں ہے، ۱۲۳۰ اور ۱۲۴۰ء میں ابن رُشد کے عربی متن کا ایک لاطینی ترجمہ شروع کیا.

پندرھویں صدی کے اواخر میں نیفوس (Niphus) اور زیمارا (Zimara) نے قدیم ترجموں میں کچھ اصلاحات کیں۔ نئے ترجمے، جو عبرانی متن پر مبنی تھے، یعقوب منتینو (Jacob Mantino)، ساکن طرطوسہ (Tortosa)، ابراہیم د بالمِز (Abraham de Balmes) اور یوفانی فرانسسکو بورانا (Giovanni Franceesco Burana)، ساکن فیرونا (Verona) نے کیے۔ ابن رُشد کے دو بہترین لاطینی ترجمے نیفوس (Niphus) (۱۴۹۵-۱۴۹۷ء) اور یونتاس (juntos) (۱۵۵۳ء) کے ہیں.

مآخذ: (۱) ابن رُشد: تہافت التہافت (قاہرہ ۱۳۰۳ھ)؛ (۲) مرّاکشی: المعجب، ص ۱۷۴؛ (۳) ابن الاَبّار: تکملۃ، ص ۲۶۹؛ (۴) ابن ابی اُصیبعہ، عیون الانباء، ۲:۷۵؛ (۵) ابن العذاری: البیان المغرب، ۱:۱۰۴؛ (۶) ابن فرحون: الدیباج المذہب، فاس ۱۳۱۶ھ، ص ۲۵۶؛ مصر ۱۳۲۹ھ، ص ۲۸۴؛ (۷) المقری: نفح الطیب، بہ اِمداد اشاریہ؛ (۸) ابن العماد: شذرات الذہب، ۴:۳۲۰]؛ (۹) M. J. Müller: *Philosophie und Theologie des Averroes*، عربی متن، میونخ (München) ۱۸۵۹ء؛ جرمن ترجمہ، میونخ (München) ۱۸۷۵ء؛ (۱۰) Lasinio: *Il commento medio di Averroe alla Poetica di Aristotele* (عربی اور عبرانی، اطالوی ترجمہ)، Pisa ۱۸۷۲ء؛ (۱۱) وہی مصنّف: *Il Testo arabo del Commento medio di Averroe alla Retorica di Aristotele*، فلورنس ۱۸۷۵-۱۸۷۸ء؛ (۱۲) J. Freudenthal اور S. Fränkel: *Die durch Averroes erhaltenen Fragmente Alexanders zur Metaphysik des Aristoteles*، در *Abh. der Kgl. Akad. der Wiss. zu Berlin*، ۱۸۸۴ء؛ (۱۳) کتاب فلسفۃ ابن رُشد (قاہرہ ۱۳۱۳ھ)؛ (۱۴) M. Horten: *Die Metaphysik der Averroes nach dem Arabischen übers, und erläutert*، در *Abh. zur Philosophie und ihrer Gesch.* شمارہ ۳۶، Halle ۱۹۱۲ء؛ (۱۵) وہی مصنّف: *Die Hauptlehren des Averroes nach Seiner Schrift Die Widerlegung des Gazali*، بون (Bonn) ۱۹۱۳ء؛ (۱۶) Léon Gauthier: *La Théorie d' Ibn Rochd sur les Rapports de la Religion et de la Philosophie*، (پیرس ۱۹۰۹ء)؛ (۱۷) Miguel Asin y Palacios: *Averroismo teologico de Santo Tomás de Aquino*، در *Homenaje á D. Francisco Codera*، ص ۲۱۷ بعد؛ (۱۸) M. Worms: *Die Lehre von der Anfangslosigkeit der Welt bei den mittelalterlichen arabischen Philosophen* وغیرہ (ضمیمہ: *Abh.des Ibn Rošd über das Problem der Weltschöpfung*)، در *Beitr. z. Gesch. der Philos. d. Mittelalters*، طبع Baeumker و Hertling، جلد ۳، (Munster ۱۹۰۰ء)؛ (۱۹) Renan: *Averroès et l' Averroisme*، طبع ثالث (پیرس ۱۸۶۶ء)؛ (۲۰) Munk: *Mélanges de philosophie arabe et juive*، (پیرس ۱۸۵۹ء) اور ایک مقالہ در *Dict. des sciences philosophiques*، از Frank؛ (۲۱) A. F. Mehren: *Etudes sur la Philosophie d' Averoés concernant ses rapports avec celle d' Avicenne et de Gazzâli*، در *Muséon*، جلد ۷؛ (۲۲) Forget: *Les Philosophes arabes et la Philosophie Scolastique*، (Brüssel ۱۸۹۵ء)؛ (۲۳) T. Wood Brown: *Life and legend of Michael Scott*، (Edinburgh ۱۸۹۷ء)؛ (۲۴) de Boer: *Die Widersprüche der Philosophie nach al-Gazzālī and ihr Ausgleich durch Ibn Rošd* (Strassb ۱۸۹۴ء)؛ (۲۵) وہی مصنّف: *The History of Philosophy in Islam*، (لنڈن ۱۹۰۳ء)؛ (۲۶) D. Mac Donald: *Development of Muslim Theology* (نیو یارک ۱۹۰۳ء)، ص ۲۵۵ بعد؛ (۲۷) انطون فرح: ابن رُشد و فلسفتہ، (الاسکندریۃ ۱۹۰۳ء)؛ (۲۸) گولٹ تسیہر (Goldziher): "Die islam. u. jüd. Philosophie"، در *Die Kultur der Gegenwart*، ج ۱، باب ۵: ص ۶۴ بعد؛ (۲۹) براکلمان (Brockelmann)، ۱:۴۶۱ بعد، مع مآخذ [تکملہ، ۱:۸۳۳]؛ (۳۰) Ueberweg- Heinze: *Grundriss der Geschichteder Philosophie*، ج ۲، فصل ۲۵؛ [(۳۱) A. G. Palencia: *Historia de la Literatura Arabigo-Espanola*، طبع ثانی، ص ۲۳۸، ۲۴۸؛ (۳۲) انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا، تحت مادّہ Averroes؛ (۳۳) البنّاہی: تأریخ قضاۃ الاندلس، ص ۱۱۱؛ (۳۴) تہافت خواجہ زادہ، قاہرہ سے تہافت للغزالی اور تہافت التہافت کے ساتھ شائع ہوئی؛ (۳۵) ابن تیمیہ: الردّ علٰی فلسفۃ ابن رُشد، قاہرہ ۱۹۱۰ء؛ (۳۶) معشوق حسن خاں: ابن رُشد و فلسفۂ ابن رُشد، حیدرآباد دکن ۱۹۲۹ء، ریناں کی کتاب کا اردو ترجمہ؛ اسی کتاب کا انگریزی ترجمہ از ڈاکٹر نشی کانٹ، حیدرآباد دکن ۱۹۱۳ء؛ (۳۷) شبلی نعمانی، در رسالہ الندوہ، ۱۹۰۵ء، معارف اعظم گڑھ ۱۹۱۸ء؛ (۳۸) محمد یونس فرنگی محلی: ابن رُشد، اعظم گڑھ ۱۳۴۲ھ].

(B. Carra de Vaux کارا دو وو)

* **ابن رشید**: نجد میں جَبَل شَمَّر کے وَہّابی حکمرانوں (شیخ المشائخ) کا نام۔ اس خاندان کا بانی

(۱) عبداللہ بن علی الرشید تھا، جو العَبْدہ کے شَمَّر قبیلے کی شاخ جعفر میں سے تھا، ۱۲۵۰ - ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۳۵ - ۱۸۴۷ء۔ اس نے ۱۸۳۵ء میں حائل کے شہر پر قبضہ کر کے ابن علی کے خاندان کے شیخ صالح کو برطرف کر دیا، جو اس سے پہلے جبل شَمَّر پر دَرعِیَہ [رکّ بآن] اور ریاض کے وہّابی حکمرانوں کے زیرِ سیادت حکومت کرتا رہا تھا۔ ریاض کے امیر فیصل نے اسے حاکم تسلیم کر لیا، کیونکہ از روے روایتِ خود امیر فیصل کو حکومت اسی کی بدولت حاصل ہوئی تھی اور وہ اپنے بھائی عُبَید کی مدد سے اپنی حکومت قائم رکھنے اور وسیع تر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ۱۸۳۸ء میں عین اسی وقت جب کہ فیصل امیرِ ریاض کو نکال کر اس کی جگہ خالد کو امیر مقرر کیا گیا (قبّ ابن سعود، تحت عدد ۸ - ۹) خورشید پاشا نے جبل شَمَّر پر بھی قبضہ کر لیا اور عبداللہ کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ۱۸۴۱ء میں مصریوں کے واپس چلے جانے پر عبداللہ نے پھر اپنی مملکت حاصل کر لی۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا اس کا جانشین ہوا۔

(۲) طَلال بن عبداللہ (۱۲۶۳ - ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۴۷ - ۱۸۶۷ء)، اس نے دومۃ الجوف، خیبر اور تیماء کے نخلستانوں اور القصیم کے کچھ حصّے کو مسخّر کر لیا اور لٹیرے بدوؤں کی روک تھام بھی کر دی۔ اس طریقے سے اور دیگر عاقلانہ اقدامات سے وہ اپنے محکوم علاقے کو پُر امن اور خوشحال بنانے میں کامیاب ہوا۔ امیر ریاض کی ماتحتی، جو پہلے ہی عبداللہ کے زمانے میں برائے نام رہ گئی تھی، اب محض بروقتِ ضرورت فوجی خدمت تک محدود رہ گئی اور خراج کی ادائگی کی جگہ پابندی کے ساتھ گھوڑوں کے تحفے بھیجے جانے لگے۔ بابِ عالی اور ایران کے ساتھ بھی طَلال کے تعلّقات اچھے تھے۔ اس کے عہدِ حکومت میں پالگریو (Palgrave) (۱۸۶۲ - ۱۸۶۳ء) اور گوارمانی Guarmani (۱۸۶۴ء) اس کے ملک میں سفر کر سکے۔ ہوبر (Huber) کے بیان کے مطابق اس نے صفر ۱۲۸۳ھ/ جون - جولائی ۱۸۶۶ء میں اور یوٹنگ (Euting) کے بیان کے مطابق ۱۷ ذوالقعدہ ۱۲۸۴ھ/ ۱۱ مارچ ۱۸۶۸ء کو خودکشی کر لی۔

(۳) مِتْعَب (۱۲۸۳ - ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۷ - ۱۸۶۹ء)، طلال کے بھائی کو، جو اس کا جانشین ہوا، پورے دو سال حکومت کرنے سے پہلے ہی اس کے بھتیجوں، یعنی طلال کے بیٹوں، بَنْدَر اور بدر، نے بقول ہوبر (Huber) ۲ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ/ ۲۳ جولائی ۱۸۶۸ء کو اور بقول یوٹنگ (Euting) ۲۰ رمضان ۱۲۸۵ھ/ ۴ جنوری ۱۸۶۹ء کو غدّاری سے قتل کر دیا۔

(۴) بَنْدَرِ غاصِب (۱۲۸۶ - ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۶۹ - ۱۸۷۲ء) کو مع اس کے بھائیوں اور بھتیجوں کے اس کے چچا نے ختم کر دیا۔

(۵) محمد بن عبداللہ بن رشید (۱۲۸۹ - ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۷۲ - ۱۸۹۷ء)، اپنے بھائی طلال کے بعد شَمَّر خاندان کا سب سے زیادہ طاقتور حکمران تھا۔ اس نے اپنے عظیم الشّان پیشرو کی دانشمندانہ حکمتِ عملی کو جاری رکھتے ہوے اپنی بڑھتی ہوئی سلطنت کو اندرونی اور بیرونی دونوں طور پر مضبوط بنایا۔ ترکوں کی تائید و حمایت سے وہ نہ صرف امراے ریاض کی سیادت سے آزاد ہو گیا بلکہ ۱۸۹۱ء میں اس نے ریاض پر قبضہ کر کے دونوں حریف سلطنتوں کو اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔ اس کے عہد میں یورپی سیاح کئی بار جَبَل شَمَّر آئے (جیسے دوتی (Doughty)، بُلُنْت اور اس کی بیوی (Mr. and Lady Anne Blunt)، ہوبر (Huber)، یوٹنگ (Euting) اور بیرن نولدے (v. Nolde)۔ وہ ۱۵ دسمبر ۱۸۹۷ء کو لاولد مر گیا اور اپنی سلطنت اپنے بھتیجے [عبدالعزیز بن مِتْعَب] کے لیے چھوڑ گیا۔

(۶) عبدالعزیز بن مِتْعَب (۱۳۱۵ - ۱۳۲۴ھ/ ۱۸۹۷ - ۱۹۰۶ء)، اس کی کُوَیت کے طاقتور شیخ مبارک کے ساتھ جنگ چھڑ گئی، جو ریاض کے ان شہزادوں کا حامی و مددگار تھا جنھیں محمد بن عبداللہ نے بے دخل کر دیا تھا؛ چنانچہ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۱ء میں الطَّرْفیہ کے مقام پر ایک سخت معرکہ ہوا، جس میں عبدالرحمٰن بن فَیصل اور قبیلۂ مُنْتَفِق کا شیخ سعدون دونوں مبارک کی طرف سے لڑے۔ فروری ۱۹۰۲ء میں ابن سعود کے خاندان کے عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن نے ریاض کا شہر لے لیا اور جبل شَمَّر کے عبدالعزیز کے حملوں کے باوجود وہ اس پر قابض رہا۔ مؤخّر الذّکر کو بالآخر مجبورًا ترکوں سے مدد مانگنا پڑی (۱۳۲۲ھ)؛ ۱۸ صفر ۱۳۲۴ھ/ ۱۳ اپریل ۱۹۰۶ء کو وہ ایک رات دشمن سے جنگ کرتے ہوے مارا گیا۔ اس کے بیٹے اور جانشین

(۷) مِتْعَب بن عبدالعزیز کو ذوالقعدہ ۱۳۲۴ھ/ دسمبر ۱۹۰۶ - جنوری ۱۹۰۷ء میں اور ایک اَور بیان کے مطابق ۱۲ شعبان کو

(۸) سلطان بن حَمُود نے، جو عبداللہ (مذکورۂ بالا شمارہ ۱) کے چھوٹے بھائی عبید کا پوتا تھا، قتل کر دیا۔ چند ماہ حکومت کرنے کے بعد اسے آغاز ۱۳۲۶ھ/ فروری ۱۹۰۸ء میں اس کے بھائی

(۹) سعود بن حَمُود نے قتل کر دیا؛ پھر اسے بھی حمود بن صبحان [سبھان؟] نے فورًا قتل کر کے عبدالعزیز (۶) کے واحد زندہ بیٹے

(۱۰) سعود کو ۱۷ شعبان ۱۳۲۶ھ/ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۸ء کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس وقت سے لے کر [۱۳۳۲ھ تک اور بعض کے نزدیک ۱۳۳۸ھ تک] یہ سعود جَبَل شَمَّر میں مسلّمہ طور پر حکومت [کرتا رہا، جب اسے سعود السبھان نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد آلِ رشید کی عظمت گہنا گئی۔ اس خاندان کا آخری حکمران محمد بن طلال تھا، جس کے عہد میں ۲۹ صفر ۱۳۴۱ھ/ ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو اس خاندان کی حکومت بالکل ختم ہو گئی]۔

مآخذ: (۱) وہ سیاح جن کا ذکر مادّۂ ابن سعود میں کیا گیا ہے (بالخصوص Wallin، Palgrave (ج ۱)، Guarmani، Doughty، Blunt، Huber، Euting، v. Nolde)؛ (۲) وہ مقالے جو ترکی، عربی اور ہندوستان کے انگریزی

اخباروں میں شائع ہوے؛ (۳) وہ حواشی جو Miss Gertrude Bell اور J. A. Madik نے مہیّا کیے ہیں؛ [(۴) حاضر العالم الاسلامی، ج ۲؛ (۵) قلب جزیرة العرب؛ (٦) عقد الدرر؛ (۷) ابن سحمان: الضیاء الشارق؛ (۸) الزرکلی: الاَعْلام، ۳: ۳۳۰: ۴: ۱۵۰، ۲۴۵: ۷: ۱۲۲؛ (۹) مجلة لغة العرب، ۳: ۲۹۷].

متفق ہے، مگر فان نولدے (v. Nolde): ص ۸۳، ۱۸۹۲ء میں اسے ۵۳ سال کا بتاتا ہے؛ (۷) قب گوارمانی (Guarmani)، ص ۸۷، ۱۹۵؛ بلنٹ (Blunt)، ۱: ۱۹۵، ۲ ۱۸۷۲ء میں بعمر بیس سال؛ ہوبر (Huber): *Journal*، ص ۱۵۱، بعمر ۳۰ سال: قب یوٹنگ (Euting)، ۱: ۱۷۰؛ ڈاوٹی (Doughty)، ۲: ۲٦ اور

خاندان ابن رشید کا سلسلۂ نسب

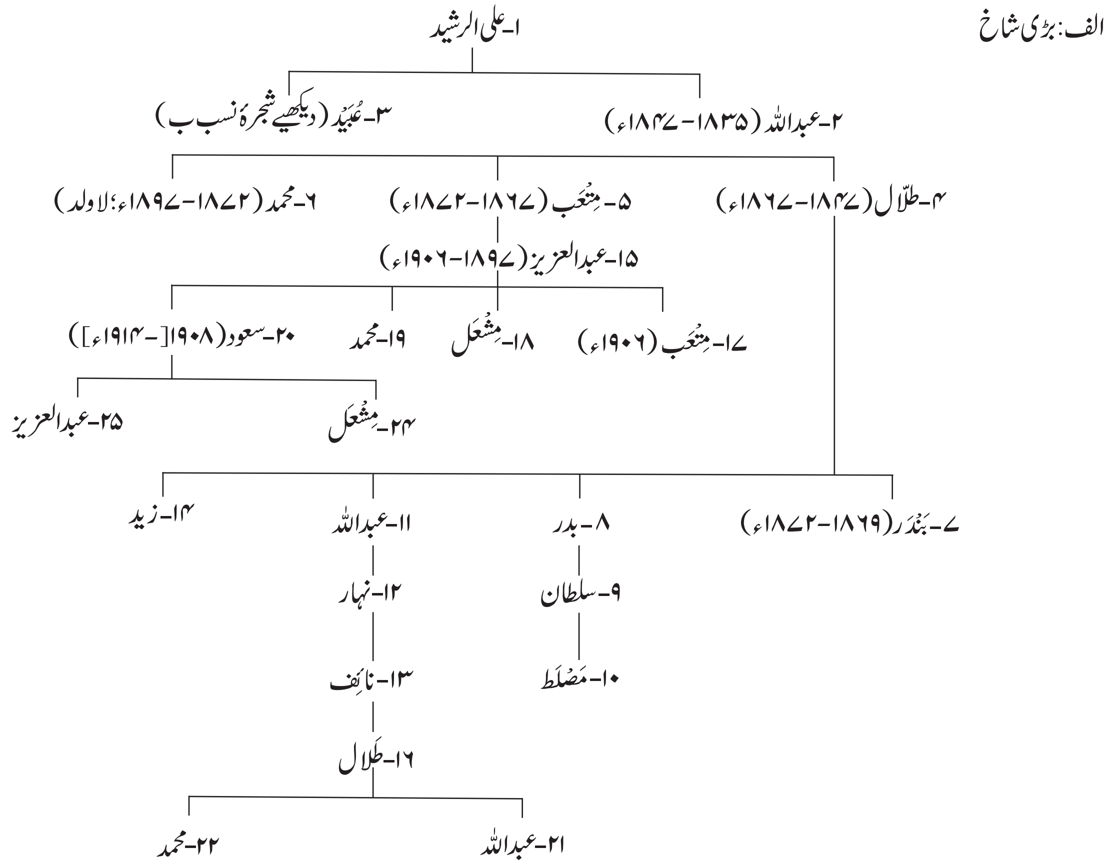

(۱) قب ہوبر (Huber): *Journal....*، ص ۱۵۱؛ عبداللہ (۲) اور عبید (۳) کی ہمشیرہ نُورہ کے لیے قب *Zeitschr. d. Deutsch. Morgenl. Ges.*، ۱۹:۵، Zehme، ص ۲۴۰؛ ڈاوٹی (Doughty)، ۲: ۲۵؛ جَبْر، جسے بلنٹ (Blunt)، ۱: ۱۹٦، عبداللہ اور عُبَید کا بھائی بتاتا ہے، ڈاوٹی (Doughty)، ۲: ۱٦، کے بیان کے مطابق ابن علی کی نسل سے تھا، جسے عبداللہ نے نکال دیا تھا؛ (۴) گوارمانی (Guarmani)، ص ۹٦، ۱۸٦۴ء میں چالیس سال کی عمر میں، جب کہ اس کے نو بیٹے تھے؛ پالگریو (Palgrave)، ۱: ۱۲۸ اور ۲۰۴، کے بیان کے مطابق اپنے باپ کی وفات پر ۱۸۴۴ یا ۱۸۴۵ء میں، جب کہ اس کی عمر ۲۰ یا ۲۵ سال کی تھی؛ (۵) ہوبر (Huber): *Journal*، ص ۱۵۰، ۱۸٦۹ء میں بعمر ۳۵ سال؛ (٦) ڈاوٹی (Doughty)، ۱: ۵۹۳، ۱۸۷۷ء میں، جب اس کی عمر پورے چالیس سال کی تھی؛ بلنٹ (Blunt)، ۱: ۲۷۱، ۱۸۷۹ء میں بعمر ۴۵ سال، جس سے یوٹنگ (Euting)، ۱: ۱۷۵،

بلنٹ (Blunt)، ۲: ۲۷۰، نے اس کے ایک بیٹے کا ذکر کیا ہے، لیکن مس بل (Miss Bell) کے بیان کے مطابق وہ لاولد مرا؛ (۸) پالگریو (Palgrave)، ۱: ۱۳۵: ۱۸٦۲ء میں بعمر ۱۲ سال (جسے غلطی سے عدد ۷ سمجھ لیا گیا ہے)؛ بقول ہوبر (Huber): *Journal*، ص ۱۵۱، ۱۸۷۲ء میں بعمر ۲۵ سال؛ (۱۱) پالگریو (Palgrave)، ۱، ۱۳۵: ۱۸٦۲ء میں بعمر ۵-٦ سال؛ (۱۲) Huber: *Journal*، ص ۱۵۰، ۱۸۷٦ء میں بعمر ۱۸ سال؛ (۱۳) بقول بلنٹ (Blunt) ۱: ۲۷۱، متولّد در ۱۸٦۱ء؛ ہوبر (Huber): ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱-۱۸۸۲ء میں بعمر ۲۰ سال فوت ہوا، نیز قب بلنٹ (Blunt)، ۱: ۲۰۰، یوٹنگ (Euting)، ۱: ۱٦۹؛ (۱۴) بقول ہوبر (Huber): *Journal*، ۱۵۰، متوفّٰی در ۱۸۷۱ء۔ ہوبر (Huber) نے طلال کے بیٹوں، ۷-۱۴، کی مکمّل فہرست دی ہے۔ ان سب کو، باستثنا ۱۳ و ۱۴، ان کے چچا محمد نے اپنی تخت نشینی پر قتل کر دیا تھا؛ (۱۵) ۱۸۸۳ء میں اس کی عمر ۱٦-۱۷ سال کی تھی، قب یوٹنگ (Euting)، ۱: ۱۷۰ اور ۱۷٦؛

ہوبر (Huber): *Journal*، ص ۱۵۰؛ (۱۶-۱۹) مس بِل (Miss Bell) کے بیان کے مطابق سلطان بن حمُود نے انھیں ۱۹۰۷ء میں قتل کر ڈالا؛ (۲۰) Douglas Carruthers کے بیان کے مطابق ۱۹۰۸ء میں بعمر گیارہ سال.

ص ۱۶۶؛ (۱۶) سفرنامۂ ڈاوٹی میں اسے بچہ کہا گیا ہے اور اس وقت (۱۹۱۴ء) وہ ریاض میں جلاوطن ہے؛ اسی طرح (۱۷) (ضاری) بھی۔ [۱۹۱۴ء میں] عبید کی اولاد میں سے صرف فیصل اور اس کا چچازاد بھائی ہی زندہ [تھے].

(MISS BELL)

ب: چھوٹی شاخ

۱- علی الرشید (=الف ۱)

۲- عُبَیْد (=الف ۳)

۳- سلیمان | ۴- فہد (فہاد) | ۵- حمُود | ۶- علی | ۷- فہَید | ۸- سلیمان | ۹- عبداللہ

(۵- حمُود کے بیٹے:) ۱۰- ماجِد | ۱۱- سالم | ۱۲- سلطان (۱۹۰۷ء) | ۱۳- عُبَید | ۱۴- سعُود (۱۹۰۷ء) | ۱۵- مُہَنّا | ۱۶- فیصل

تعلیقات متعلقہ شجرۂ نسب ب:

(۲) بقول پالگریو (Palgrave)، ۱: ۱۲۸، ۱۸۴۴ یا ۱۸۴۵ء میں جب اس کی عمر ۵۰ سال سے کم نہ تھی، قب یوٹنگ (Euting)، ۱: ۱۶۸؛ (Huber): *Journal*، ص ۱۵۰؛ متوفّٰی ۱۷ ذوالقعدہ ۱۲۸۶ھ/ ۱۸ فروری ۱۸۷۰ء، لیکن بلنٹ (Blunt)، ۱: ۱۹۴، ۱۹۶؛ ۲: ۲۷۰ کے بیان کے مطابق ۱۸۷۱ء میں، قب ڈاوٹی (Doughty)، ۲: ۲۷ بعد؛ عُبَید کے بیٹے (۳-۹) قب ہوبر، مقام مذکور؛ (۳) بظاہر ۱۸۷۷ء سے پہلے وفات پا چکا تھا (Huber)؛ (۴) بقول ہوبر ۱۸۸۳ء میں ۳۸ سال کا تھا اور وہ دیوانہ ہو گیا تھا؛ ڈاوٹی (Doughty) اور یوٹنگ (Euting) کے سفرناموں میں اکثر اس کا ذکر آیا ہے؛ (۵) پالگریو (Palgrave)، ۱: ۶۴ بعد، ڈاوٹی (Doughty)، بلنٹ (Blunt)، ہوبر (Huber) اور یوٹنگ (Euting) نے اس کا ذکر کیا ہے۔ فان نولدِے (v. Nolde، ص ۵۰) کے بیان کے مطابق اس کے آٹھ بیٹے تھے (قب (Doughty)، ۲: ۱۸ اور (Euting)، ۱: ۱۸۸)؛ (۶) بقول ہوبر (Huber) ۱۸۸۳ء میں مر چکا تھا؛ (۷) بقول ڈاوٹی (Doughty)، ۲: ۲۹، ۱۸۷۷ء میں بعمر ۱۷ سال۔ ہوبر (Huber) (۱۸۸۳ء) اسے ۲۸ سال کا بتاتا ہے؛ (۸) ہوبر (Huber): ۱۸۸۲ء میں وفات پائی؛ ڈاوٹی (Doughty)، ۲: ۲۹، نے اس کا ذکر کیا ہے؛ (۹) ہوبر (Huber): ۱۸۸۳ء میں بعمر ۲۱ سال، قب ڈاوٹی، مقام مذکور میں۔ حمُود کے بیٹے (۱۰-۱۵)، قب (Huber): *Journal*، ص ۱۵۱؛ (۱۰) ڈاوٹی (Doughty)، ۱: ۶۱۳، ۱۸۷۷ء میں ''ایک ۱۵ سالہ لڑکا''؛ قب بلنٹ، ۱: ۲۲۹؛ Doughty، Blunt، Huber، اور Euting نے اس کا اکثر ذکر کیا ہے؛ (۱۱) Huber: *Journal*، ص ۱۴۹؛ (۱۳) قب Huber: وہی کتاب،

✱ **ابن رَشِیق**: ابوعلی الحسن [بن علی] بن رشیق الاَزدی، جس کا باپ شاید یونانی الاصل، لیکن قبیلۂ اَزد کا مولیٰ تھا، تقریباً ۳۸۵ھ/ ۹۹۵ء یا ۳۹۰ھ/ ۱۰۰۰ء میں الجزائر میں المُحَمَّدِیَّہ (المَسِیلَہ) کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس نے پہلے اپنے پیدائشی شہر میں تعلیم حاصل کی، جہاں اس نے اپنے باپ سے جوہری کا فن سیکھا، لیکن ۴۰۶ھ/ ۱۰۱۵-۱۰۱۶ء میں وہ قیروان چلا گیا اور فاطمی خلیفہ المُعِزّ نے اسے درباری شاعر مقرّر کر دیا۔ اس تقرّر کی وجہ سے اس کا ہم عصر ابوعبداللہ محمد بن ابی سعید بن احمد المعروف بہ ابن شَرَف القیروانی، جو خود شاعر اور ادیب تھا، اس کا دشمن بن گیا۔ اس جھگڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نے کئی ایک تصانیف شائع کیں اور ابن شَرَف بالآخر صقلیہ جانے پر مجبور ہوا۔ جب ۴۴۹ھ/ ۱۰۵۷ء میں عربوں نے قیروان کو تاراج کیا تو المُعِزّ اپنے منظورِ نظر شاعر کے ساتھ بھاگ کر المَہْدِیّہ چلا گیا، جہاں ۴۵۳ھ/ ۱۰۶۱ء میں اس نے وفات پائی۔ اسی سال ابن رشیق صقلیہ میں مَزَرہ چلا گیا، جہاں اس نے جمعے اور ہفتے کی درمیانی رات، یعنی یکم ذوالقعدہ ۴۵۶ھ/ ۱۵ اکتوبر ۱۰۶۴ء اور دوسرے لوگوں کے بیان کے مطابق ۴۶۳ھ/ ۱۰۷۰-۱۰۷۱ء کو وفات پائی [ابن العماد نے مؤخرالذّکر بیان کو مرجّح قرار دیا ہے].

ابن رَشِیق ایک مؤرّخ، شاعر اور لُغوی تھا اور اس کے اساتذہ میں ادیب ابومحمد عبدالکریم بن ابراہیم النَّہْشَلی اور نحوی ابوعبداللہ محمد بن جعفر القزّاز وغیرہ شامل تھے۔ اس کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) العُمْدَة فی صِنَاعَة الشِّعْرِ و نَقْدِہٖ، شعر و شاعری پر ایک کتاب ہے، جس کی تعریف میں ابن خلدون (المقدمة، ترجمہ de Slane، ۳: ۳۸۰) نے کہا ہے کہ اس موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ یہ تقریبًا ۱۲۸۵ھ میں تونس میں شائع ہوئی (صرف پہلی جلد) اور قاہرہ میں (دو جلدیں) ۱۳۲۵ھ میں؛ (۲) قُراضَةُ الذَّهَب فی نَقْدِ اَشْعار العَرَب، یہ ایک خط ہے جو اس نے ابوالحسن علی بن ابن القاسم اللواتی کو سرقۂ شعری کے موضوع پر لکھا تھا، پیرس .Bibl. Nat، شمارہ ۳۳۱۷، ج ۷، [مطبوعۂ مصر ۱۳۴۴ھ]؛ (۳) اس کے دیوان کا ایک حصّہ دیکھیے Derenbourg: .Les Mss. Arab. de l'Esc، شمارہ ۴۶۷.

مآخذ: (۱) العُمْدَة، قاہرہ ۱۳۲۵ھ، کے دیباچے میں مذکور سوانح حیات؛ (۲) **یاقوت**: ارشاد الاریب، ۳: ۱، ۷۰ [طبع احمد فرید، ۸: ۱۱۰]؛ (۳) **السُّیُوطی**: بُغْیَةُ الوُعَاة، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۲۲۰؛ (۴) **ابن خَلِّکان**: وفیات، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۱: ۱۳۳؛ (۵) **اَمَری**: .Bibl. Ar. Sic، عربی متن، ص ۶۴۴ (از الذہبی: مُختصر کتاب انْباه الرُّواة علی اَنْباء النُحاة، ص ۶۴۹؛ از العُمَری: مَسالِکُ الاَبْصار فی مَمَالِک الاَمْصار)؛ (۶) دساسی (de Sacy): .Anthologié Gramm، ص ۴۴۲؛ (۷) Wüstenfeld: Die Geschichtschreiber der Araber، ص ۷۰، عدد ۲۱۰؛ (۸) **حَسن حُسنی عبدالوہّاب**: بِساطُ العَقِیْق فی حَضَارَة القَیْرَوَان و شاعرها ابن رشیق، تونس ۱۳۳۰ھ، ص ۵۶ - ۹۰؛ (۹) **براکلمان** (Brockelmann)، ۱: ۳۰۷ [و تکملہ، ۱: ۵۳۹]؛ (۱۰) **ابن العماد**: شذرات الذّهب، ۳: ۲۹۷؛ (۱۱) **عبدالعزیز المیمنی**: بحث مُمْتِع عن حیاة ابن رشیق و دولة المُعِزّ بن بادلیس العِمرانی القَیْروانی و بنی غفور، قاہرہ].

(محمد بن شنب)

---

* **ابن رُوح**: ابو القاسم الحسین بن روح بن بَحر النَّوْبَخْتی، اثنا عَشَرِیّہ [رَكَ بَآن] فرقۂ شیعہ کے امام منتظر (صاحب الامر) کی الغیبة الصغری (۲۶۴ - ۳۳۴ھ / ۸۷۸ - ۹۴۵ء) کے دوران میں ان کا نائب ثالث۔ نائب (مترادفات: باب، وکیل، سفیر عن النّاحیة المقدسة) کی حیثیت میں اسے امام غائب کے نام سے فرمان (توقیع) جاری کرنا پڑتے تھے، جنھیں شیعہ قانونًا مستند سمجھتے تھے۔ وہ بغداد میں دار النّائب میں رہا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے ان کے پیش رو نائب ابوجعفر العمری نے ۳۰۵ھ / ۹۱۷ء سے پہلے نائب مقرّر کر دیا تھا۔ خلیفہ کے دربار میں اس قدر لوگ اس کے معتقد ہو گئے کہ وزیر حامد نے اسے قید کرا دیا۔ ۳۱۷ھ / ۹۲۹ء میں رہا ہونے کے بعد اس پر قرامطہ کے منصوبوں میں شرکت کا الزام لگایا گیا اور اس نے الشَّلْمَغانی کو ملعون قرار دیا۔ وہ ۳۲۶ھ / ۹۳۷ء یا ۳۲۹ھ / ۹۴۰ء میں ابوالحسن السّامری کو نائب مقرّر کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ شیعی فقیہِ اعظم ابن بابُوَیہ [رَكَ بَآن] کے والدین کا دعوٰی تھا کہ ان کے بیٹے کی پیدائش ابن روح کی دعا کی برکت سے ہوئی تھی.

مآخذ: (۱) طَبَری: اِحتجاج (چاپ سنگی، تہران) کے خاتمے پر ان کے اہم فرامین کا متن درج ہے، قب ابن ابی الطّائی، در الصّفدی: الوافی، مخطوطۂ بوڈلین (.Uri. Cat، ج ۱؛ .Cod. Arab، ص ۱۵۱، عدد ۶۶۵)، ورق ۷۰؛ (۲) ابن خَلِّکان، ترجمۂ دیسلان (de Slane)، ۱: ۴۳۹، حاشیہ ۲۰ (ماخوذ از الذہبی: تاریخ الاسلام، مخطوطۂ پیرس، مکتبۂ اہلیہ، فہرست دیسلان، عدد ۱۵۸۱)؛ (۳) ابن الاثیر، طبع ٹورن برگ، ۸: ۲۱۷، ۲۱۸؛ (۴) عریب، ص ۱۴۱؛ (۵) الحلّی: خلاصة الاقوال، مخطوطۂ پیرس، عدد ۱۱۰۸، ورق ۴۱۷ الف؛ (۶) الخوانساری: روضات الجنات، چاپ سنگی، تہران ۱۳۰۷ھ، ص ۳۷۸؛ (۷) مجالس المؤمنین، چاپ سنگی، تہران ۱۲۹۹ھ، ص ۱۸۹.

(ماسینوں L. MASSIGNON)

⊗ **ابن الرُّومی**: ابوالحسن علی بن العبّاس بن جُرَیج (بقولِ بعض جورجیس Georgios)، مولٰی عبیداللہ بن عیسٰی بن جعفر، ۲ رجب ۲۲۱ھ / ۲۱ جون ۸۳۶ء کو بغداد میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ رومی اور ماں ایرانی الاصل تھی۔ اس نے بغداد ہی میں نشوونما اور تعلیم پائی اور بالآخر ۶۲ برس کی عمر میں ۲۸ جُمادی الاُولٰی ۲۸۳ھ / ۱۳ جولائی ۸۹۶ء کو وہیں وفات پائی (بعض مآخذ میں سنِ وفات ۲۷۶ اور ۲۸۴ھ بھی دیا گیا ہے [لیکن وفات کے یہ دونوں سال، جیسا کہ محمود العقاد نے ثابت کیا ہے، غلط ہیں؛ دیکھیے (آ، عربی، ج ۱، عدد ۳: ۱۸۱ بعد، تعلیقہ]۔ شاید اس کا باپ اس کے بچپن ہی میں فوت ہو گیا تھا، کیونکہ ابن الرُّومی نے اپنی ماں، بھائی وغیرہ کے مرثیے تو لکھے ہیں لیکن باپ کا مرثیہ نہیں لکھا۔ ابن الرُّومی کی بیوی اور تینوں بیٹے اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے (دیوان، طبع گیلانی، ص ۲۹ ببعد)۔ نحیف الجثّہ اور لاغر ہونے کے باوجود اسے شیر دل ہونے کا دعوٰی تھا (رَكَ بہ العقّاد: ابن الرّومی، ص ۱۰۶).

حالات: اس کی زندگی کا بیشتر حصّہ بغداد میں گزرا۔ خوش بختی اور فارغ البالی سے وہ زیادہ تر محروم ہی رہا، چنانچہ اپنے اشعار میں کئی جگہ اپنی تنگدستی کا ذکر کرتا ہے۔ شاید اسی لیے وہ اپنے بعض احباب کے لیے اشعار کہہ کر انھیں کے نام سے منسوب کر دیا کرتا تھا (یاقوت).

ابن الرُّومی نے نو عبّاسی خلفا (المُعْتَصِم، الواثِق، المُتوکّل، المُنْتَصِر، المُسْتَعِین، المُعْتَز، المُہْتَدِی، المُعْتَمِد اور المُعْتَضِد) کا زمانہ دیکھا۔ اس کے ممدوحین کی تعداد چالیس سے زائد ہے، جن میں خلیفہ المُسْتَعِین، المُعْتَضِد اور محمد بن عبداللہ طاہر اور قاسم بن عبید اللہ بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ خلیفہ المُعْتَضِد کی مدح میں بکثرت اشعار کہے ہیں۔ کج خلقی اور تنگ مزاجی کے باعث اپنے معاصرین سے اس کے تعلّقات خوش گوار نہ تھے اور عوام بھی اس سے نفرت کرتے تھے۔ بقول العقّاد شاعر کا عہد ریاکاری اور مکروفریب کا زمانہ تھا اور ابن الرُّومی اپنی مخصوص افتادِ طبع کی وجہ سے زمانے کا ساتھ نہ دے سکا۔ اس کے مخلص دوستوں میں ابن

المسیّب (یاقوت) اور ابوسہل بن نوبخت (المسعودی) زیادہ نمایاں ہیں۔

ابن الرُّومی کی توہّم پرستی اور تفاءل وشگون میں اعتقاد کے بہت سے قصّے العمدة، رسائل البلغاء، رسالة الغفران، زهرالآداب، طبقات النحويين، معاهدالتنصيص وغیرہ میں درج ہیں۔ بقول العقاد اس توہّم پرستی اور شگون گیری کی وجہ ابن الرُّومی کی اعصابی کمزوری تھی۔

ابن الرُّومی کھانے پینے کے معاملات میں حریص اور پُرخور تھا (حُصرِی، ۹:۲) اور مچھلی کا بالخصوص دلدادہ تھا (مراجعات، ص ۱۶۱)۔ ابن الرُّومی کو اپنے گھر سے محبّت تھی (مرزبانی، ص ۲۹۰)، مگر صاف ستھرا رہنے کی عادت نہ تھی۔ میلا کچیلا رہتا اور اپنے گنجے پن کو چھپانے کے لیے ہر وقت پگڑی باندھے رہتا تھا (حصری)۔

ابن الرُّومی مذہبًا شیعہ تھا۔ اس کے اشعار میں اپنے عہد کی فکری ونظری تحریکوں مثلاً اعتزال، عدل وتوحید، قدر و اختیار وغیرہ کے اشارات بھی موجود ہیں۔ جب اس کے دین وعقائد کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا گیا تو اس نے چند اشعار میں توحید و رسالت پر ایمان کا اقرار واعلان کیا (دیوان، طبع گیلانی، ص ۴۰۷)۔

شاعری: ابن الرُّومی بڑا قادرالکلام اور پُرگو شاعر تھا۔ اسے غزل، مدح، ہجو، وصف وغیرہ اصنافِ سخن پر قدرت تھی (سمعانی)۔ وہ اپنے عہد کا ممتاز ترین ہجو گو تھا۔ اس کی ہجو میں طوالت اور فحش نمایاں ہیں، لیکن اس کی مدح بلحاظ جودت و کثرت ہجو پر فوقیت رکھتی ہے (العمدة)۔ بُحتُری جیسا شاعر بھی اس کی ہجو سے نہ بچ سکا، اگرچہ بعد میں بُحتُری نے تحفے تحائف دے کر اس سے خوش گوار مراسم قائم کر لیے تھے۔ ابن الرُّومی بڑے لمبے لمبے قصائد لکھتا ہے؛ بعض قصائد تو تین سو سے بھی زائد ابیات پر مشتمل ہیں۔

ابن الرُّومی کی طبیعت میں بڑی اُپج تھی۔ وہ معانی وافکار کی تولید و تخلیق اور اختراع میں بے نظیر شاعر تھا۔ الفاظ پر وہ معانی کو ترجیح وفضیلت دیتا تھا۔ (العمدة)۔ عربی شاعری میں وہ منفرد حیثیت کا مالک ہے۔ اس کے الفاظ تو عربی ہیں، لیکن طبیعت ومزاج اور معانی وافکار سب غیر عربی ہیں (العقاد)۔ اس کا اپنا ایک الگ فلسفۂ حیات تھا؛ وہ زندگی کو اپنے مخصوص زاویۂ نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کے مختلف مظاہر کو اچھوتے اسلوب میں بیان کرتا تھا۔ صبر، تسکین، تعزیت وغیرہ جیسے موضوعات پر وہ عجیب انداز میں شعر کہتا تھا۔ اس کے ہاں عجیب وغریب اشعار، نادر معانی اور نئے افکار کی کثرت ہے (وفیات)۔ ابن الرُّومی زندگی کا پرستار ہے؛ اس کے نزدیک شباب زندگی ہے اور شباب کا فقدان موت کے مترادف ہے (دیوان، طبع گیلانی، ص ۳۹۰)۔

اس کی شاعری کا ایک پہلو ہزل گوئی اور تمسخُر بھی ہے۔ وہ شاعری میں مصوّری کرتا ہے۔ وہ الفاظ سے ایسی تصویر کشی اور رنگ آمیزی کرتا ہے جو حقیقی رنگوں اور شکلوں کو مات کر دیتی ہے (مراجعات، ص ۱۶۹)۔ وہ ''تشخّص'' (Personification) کا بھی شائق ہے اور معانی مجرّدہ کو ارواح و اشخاص تصوّر کر لیتا ہے۔ اسی طرح اس کے ہاں ہر قصیدہ ایک وحدت ہے، جس کے اشعار میں معنوی تسلسل موجود ہے۔ ابن الرُّومی مناظرِ قدرت کا دلدادہ اور فطرت نگار شاعر ہے۔ وہ کائنات کی ہر حسین چیز کو پسند کرتا ہے اس میں رنگ و بو اور شکل و صورت کا احساس بڑا تیز ہے اور اس کی جدّت پسند طبع نت نئے عنوان اور موضوع تلاش کرتی رہتی ہے۔

اس کی شاعری کی ان گونا گوں خوبیوں کے باوجود ابن الرُّومی کے تفصیلی حالات بہت کم ملتے ہیں۔ شاعر کے ایک دوست ابن المسیّب نے اس کے حالات پر ایک کتاب تالیف کی تھی (یاقوت) اور ایک دوسرے ہم عصر ابن عمّاد الثّقفی، وکیل قاسم بن عبیداللہ نے بھی اس کے حالات لکھے تھے (الفہرست)، لیکن یہ دونوں اور اس نوع کی دیگر کتابیں ہم تک نہیں پہنچیں، البتہ اس کے اپنے اشعار میں اس کے ذاتی حالات سے متعلّق خاصے اشارات موجود ہیں۔

دیوان: ابن الرُّومی کا دیوان اس کی زندگی میں مرتّب نہ ہو سکا تھا۔ بعض معاصرین نے اس کے اشعار کا انتخاب کیا اور اُن اشعار سے متعلّقہ قصّے جمع کیے (الفہرست)۔ ابوبکر الصُّولی نے اس کے دیوان کو بہ ترتیب حروفِ تہجّی جمع کیا۔ پھر ابوالطیّب ورّاق بن عَبْدُوس نے تمام موجودہ نسخوں سے ابن الرُّومی کا دیوان مرتّب کیا، جس میں الصُّولی کے مرتبہ نسخے سے ایک ہزار بیت زیادہ تھے۔ ابن سِینا نے اس کا انتخاب کیا اور مشکلات کی شرح قلمبند کی (کشف الظنون، ۳:۲۴۶)۔

اس کے دیوان کے کئی مخطوطات محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک مخطوطہ خدیویہ مصر میں، دو استانبول میں اور ایک اِسکوریال (Escurial) میں ہے۔ شیخ محمد شریف سلیم نے مخطوطۂ خدیویہ سے مرتّب کر کے حرف با کے آخر تک مع حواشی مفیدہ ایک جلد مطبع الہلال مصر سے ۱۹۱۷ء میں شائع کی۔ ایک انتخاب تین اجزا میں یکجا شائع ہوا (طبع کامل گیلانی، مع مقدمۂ العقاد، مصر ۱۹۲۴ء)۔ العقاد نے بھی اپنی کتاب ابن الرّومی، حياته من شعره، کے آخر میں شاعر کے منتخب اشعار دیے ہیں (ص ۳۳۲-۳۹۲)۔

کہتے ہیں کہ وزیر قاسم بن عبیداللہ نے ابن الرُّومی کی ہجو گوئی اور زبان درازی کے ڈر سے ابن فراس کے ذریعے اسے ایک خشک نانچے (بسکٹ) میں زہر دے کر ہلاک کرا دیا (دیکھیے المسعودی) [لیکن یہ روایت ضعف سے خالی نہیں، کیونکہ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ آخری وقت وزیر ابوالحسن نے کہا کہ آخرت میں میرے والد کو سلام کہنا، حالانکہ اس کے والد عبیداللہ کی وفات ۲۸۸ھ میں ہوئی ہے اور ابن الرُّومی کا سالِ وفات مقدم الذکر روایات کے مطابق جو بھی فرض کیا جائے اس وقت عبیداللہ زندہ تھا]۔ بقول حصری اس کی موت کا باعث یہ ہوا کہ ایک طبیب نے غلطی سے بلاضرورت فصد کھول کر اس کی بیماری کو اتنا بڑھا دیا کہ وہ بالآخر موت کا باعث بن گئی۔

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وَفَیات الأعْیان [طبع وُسٹنفلٹ، شمارہ ۴۷۴]؛ (۲)

ابن الرّشیق: العمدۃ، طبع قاہرہ ۱۹۳۴ء، ۱: ۵۳، ۵۶، ۸۲، ۸۳، ۹۱، ۱۳۳، ۱۶۴؛ ۲: ۱۶۴، ۲۲۶؛ (۳) ابن العماد: شذرات الذہب، ۲: ۱۸۸ - ۱۹۰؛ (۴) ابن الندیم: الفہرست، [ص ۱۶۵]؛ (۵) براکلمان، ۱: ۷۹ بعد و تکملہ، ۱: ۱۲۳؛ (۶) جرجی زیدان، تأریخ آداب اللغۃ العربیۃ، مصر ۱۹۱۲ء، ۲: ۱۵۸ - ۱۵۹؛ (۷) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، طبع یورپ، ۳: ۲۴۶، ۲۶۴؛ (۸) حُصری: زہر الآداب، جزو ۱ - ۳؛ (۹) خطیب: تأریخ بغداد، ۱۲: ۲۳ - ۲۶؛ (۱۰) الزَّبیدی: طبقات النحویین؛ (۱۱) السمعانی: کتاب الانساب؛ (۱۲) الشریف المرتضٰی: امالی، ۲: ۱۰۱ - ۱۰۲؛ (۱۳) الصّفدی: الوافی بالوفیات؛ (۱۴) عباس محمود العقاد: مراجعات، مطبوعۂ مصر، ص ۱۵۳ بعد و ۱۵۹ - ۱۶۹؛ (۱۵) وہی مصنّف: ابن الرُّومی حیاتہ من شعرہ؛ (۱۶) وہی مصنّف: مقدمۃ دیوان ابن الرُّومی، طبع کامل گیلانی؛ (۱۷) عبدالرّحیم عبّاسی: معاہد التنصیص، ۱: ۳۸؛ (۱۸) الخوانساری: روضات الجنّات، ۱: ۴۷۳؛ (۱۹) المَرزُبانی: مُعْجَم الشعراء (طبع کرنکو)، ص ۲۸۹، ۳۲۰، ۴۵۳؛ (۲۰) مسعودی: مُرُوج الذہب، مصر ۱۹۴۸ء، ۴: ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۷، ۲۸۸، ۳۶۴؛ (۲۱) المعرّی: رسالۃ الغفران، مصر ۱۹۰۷ء، ص ۱۶۱؛ (۲۲) الیافعی: مرآۃ الجنان، ۲: ۱۹۸؛ (۲۳) یاقوت: معجم الادباء، مطبوعۂ مصر، ۳: ۲۳۴ - ۲۴۰؛ (۲۴) رسائل البلغاء، ۲۰۳؛ (۲۵) تأریخ الآداب العربیۃ، اسکندریہ ۱۹۲۷ء؛ [(۲۶) آ آ، لائڈن، ۲ (۱۹۲۷ء): ۴۱۰؛ (۲۷) الذّریعۃ، ۱: ۳۱۳].

(عبدالقیوم)

----

* **ابن زُبَیر**: رٓک بہ عبداللہ بن زبیر.

----

* **ابن زَرقالہ**: رٓک بہ آ آ، لائڈن، طبع دوم تحت Al-Zarkāli.

----

* **ابن زُہر**: ان مسلمان علما کے ایک خاندان کا نام، جو اندلس میں نویں صدی عیسوی کے شروع سے تیرھویں صدی عیسوی کی ابتدا تک گزرے ہیں۔ یہ لوگ عربستان سے ہجرت کرکے آئے تھے اور اپنے آپ کو عَدنان [رٓک بآں] کی نسل سے بتاتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی اولاد جنوب مشرقی اندلس میں جَفَن شاطبہ (Xativa) سے، جہاں یہ سب سے پہلے آباد ہوئے تھے، تمام جزیرہ نمائے آئبیریا (Iberia) میں پھیل گئی.

(۱) اندلسی شاخ کے مورثِ اعلٰی کا نام زُہر تھا۔ اس کا سوانح نگار ابن الاَبّار، اس کی نسبت الاِیَادِی بتاتا ہے، کیونکہ وہ اپنا سلسلۂ نسب اِیَاد بن مَعَدّ بن عدنان تک لے جاتا تھا، جسے عرب قوم کے بانیوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ ابن خلِّکان کے بیان کے مطابق زُہر اَلْاِیادِی کا ایک بیٹا مَرْوَان تھا، جو ابوبکر محمد کا باپ تھا اور جس نے سب سے پہلے اپنے معاصرین میں نمایاں حیثیت حاصل کی۔ ابوبکر محمد عالم و فقیہ تھا اور اپنے علم، تقوٰی، فصاحت اور سخاوت کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس نے ۸۶ برس کی عمر میں شہر طَلَبِیرہ (Talavera) میں ۴۲۱ھ/۱۰۳۰-۱۰۳۱ء میں وفات پائی.

(۲) ابو مَرْوان عبدالملک بن محمد بن مَرْوان بن زُہر: سابق الذّکر کا بیٹا، ایک مشہور طبیب تھا، جو پہلے قیروان میں اور پھر مدّت تک قاہرہ میں طبابت کرتا رہا۔ اندلس واپس آکر اس نے دانیہ (Denia) میں سکونت اختیار کر لی، جہاں کے حاکم مجاہد نے اس پر انعام و کرام کی بارش کی اور اُسے اپنے دربار میں بلالیا۔ وہاں سے اس کی شہرت تمام اندلس میں پھیل گئی اور کہا جاتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک ہوشیار طبیب تھا بلکہ ایک فاضل فقیہ بھی تھا۔ ابن ابی اُصَیْبِعَہ بیان کرتا ہے وہ دانیہ سے اشبیلیہ چلا گیا، جہاں اپنے پیچھے بہت مال و دولت چھوڑ کر اس نے وفات پائی۔ دوسری طرف ابن خَلِّکان قابلِ اعتماد راویوں سے یہ روایت کرتا ہے کہ وہ دانیہ ہی میں مرا اور دانیہ کو چھوڑ کر وہ کہیں باہر نہیں گیا تھا.

(۳) ابو العلاء زُہر بن ابی مَرْوان عبدالملک بن محمد بن مَرْوان: مذکورۂ بالا (۲) کا بیٹا، جو عام طور پر ابوالعلاء ہی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نام قرونِ وسطٰی سے مختلف صورتوں میں مُحرَّف ہو چکا ہے، مثلاً Aboali، Abuleli اور Ebulule اور زُہر کے ساتھ مُرکّب ہو کر Abulelizor اور Albuleizor۔ ابو العلاء نے طبابت کا پیشہ اختیار کیا اور اپنے والد اور ابو العَیناء المِصری سے اعلٰی فنّی تربیّت حاصل کی۔ اُسے تشخیصِ امراض میں حیرت انگیز مہارت حاصل تھی۔ اس کے شاگردوں میں سے ابوعامر بن یَنَّق خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ وہ حدیث اور ادب کی تحصیل کے لیے قُرطبہ گیا، جہاں اس نے نہایت مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور تھوڑے ہی عرصے میں بہت شہرت حاصل کر لی، جس کی وجہ سے اشبیلیہ کے آخری عبّادی حکمران المُعْتَمِد کی نظر اس پر پڑی۔ المُعْتَمِد نے اسے اپنے دربار میں بلا لیا اور اعزازات سے مالا مال کر دیا، بلکہ اس کے دادا کی ضبط شدہ جائداد بھی واپس کر دی۔ ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں جب المرابط یُوسُف ابن تاشُفِین نے المُعتَمِد کو تخت سے اتار دیا تو ابو العلاء کو اپنے سابق مربّی سے اظہارِ ممنونیت کا موقع ملا، لیکن وہ تھوڑے ہی عرصے بعد یُوسُف ابن تاشفین کے پاس چلا گیا، جس نے اُسے وزیر کا عہدہ دے دیا؛ چنانچہ قُرونِ وُسطٰی کے لاطینی ترجموں میں اس کے نام سے پہلے اکثر الوزیر کی ہسپانوی شکل Alguazir کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ابن الاَبّار کے بیان کے مطابق ابو العلاء کی وفات قُرطُبہ میں ہوئی۔ اس کی نعش کو اشبیلیہ لے گئے اور اسے وہاں ۵۲۵ھ/۱۱۳۰-۱۱۳۱ء میں دفن کر دیا گیا، تاہم وُسْٹَنْفِلْٹ (Wüstenfeld) ابن ابی اُصَیْبِعہ کی سند پر یہ کہتا ہے کہ وہ اشبیلیہ میں فوت ہوا۔ [اس کی تالیفات میں سے (۱) مُجرّبات الخواص اور اس کی تلخیص فوائد المنتخب (مخطوطات در پٹنہ، باڈلین، اِسکوریال، لائڈن .... دیکھیے سرکیس) اور (۲) التَّذْکِرَۃ (مخطوطات در پیرس، اِسکوریال) محفوظ ہیں؛ نیز (۳) الطرز؛ (۴) الادویۃ المفردۃ اور (۵) حل شکوک الرّازی علی کتب جالینوس بھی قابلِ ذکر ہیں].

(۴) ابو مَرْوان عبدالملک بن ابی العَلاء زُہر: سابق الذّکر کا بیٹا، جسے عام

طور پر ابو مَرْوان بن زُہر کہتے ہیں۔ قُرونِ وسطیٰ کے نسّاخوں نے اس نام کو بگاڑ کر Abhomeron Avenzoar یا محض Avenzoar لکھا ہے۔ ابن زُہر اشبیلیہ میں پیدا ہوا۔ اس کے سوانح نگاروں نے اس کی تاریخ پیدائش نہیں دی، لیکن چند ایک تاریخوں کا مقابلہ کرنے سے اس کی تاریخ پیدائش تقریبًا ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء اور ۴۸۷ھ/ ۱۰۹۴ء کے درمیان متعیّن کی جا سکتی ہے۔ ادب، فقہ اور علمِ دین کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے والد سے علمِ طب پڑھا اور تھوڑے ہی عرصے کے اندر اس علم میں اپنے استاد کا ہم پایہ ہو گیا اور اپنے ذاتی تجربوں سے علاج الامراض میں بڑی ناموری حاصل کر لی۔ اپنے والد کی طرح وہ پہلے تو المرابطون کی ملازمت میں رہا اور بعد میں الموحّدون کی۔ ابن رُشد [رکّ بآن] کے اس سے گہرے تعلّقات تھے، جو اسے جالینوس کے بعد سب سے بڑا طبیب خیال کرتا تھا، لیکن جیسا کہ بعض لوگ اصرار کرتے ہیں ابن رُشد اس کا شاگرد نہ تھا۔ شمالی افریقہ کے سفر کے دوران میں ابن زُہر کو مَرّاکش کے گورنر علی بن یوسف کے ہاتھوں کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر بہت ذلّت اٹھانا پڑی، بلکہ اس نے ابن زُہر کو قید بھی کر دیا اور ابن زُہر نے اپنی تصانیف میں اس واقعے کی طرف بعض تلخ اشارات بھی کیے ہیں۔ علی بن یوسف بن تاشفین کی وفات اور الموحّدون کے ہاتھوں المرابطون کے مغلوب ہو جانے کے بعد ابن زُہر عبدالمؤمن کے پاس چلا گیا اور اسے کسی طرح بھی اپنے اس فعل پر ندامت کی ضرورت نہ ہوئی، کیونکہ اسے بیش بہا تحفے ملے اور اس کے والد کی طرح اسے بھی وزیر کا عہدہ عطا کر دیا گیا۔ اس کی تصانیف میں کتاب الاِقْتِصاد فی اِصْلاح الاَنْفُس و الاَجسَاد [مخطوطہ در اِسکوریال]، جو اس نے امیر ابراہیم بن یوسف کے حکم اور ہدایت کے مطابق لکھی تھی، اور بالخصوص اس کی سب سے بڑی تصنیف کتاب التَّیْسِیْر فِی المُدَاوَاۃِ والتَّدْبِیْر، جو اس نے ابن رُشد کے کہنے پر لکھی تھی، قابلِ ذکر ہیں۔ مغربی طب پر ابن زُہر کا بڑا اثر تھا، جو اس کی تصنیف کے عبرانی اور لاطینی ترجموں کی بدولت سترھویں صدی عیسوی کے اختتام تک قائم رہا۔ نظری اعتبار سے جالینوس کی طرح وہ بھی نظریۂ اخلاط کا حامی تھا، لیکن عملاً تجربے کو سب سے زیادہ قابلِ اعتماد رہنما خیال کرتا تھا۔ بعض مسلّمہ حقائق کے متعلّق اس کے جدید نظریے نہ صرف اچھوتے ہیں بلکہ اس نے علمِ طب میں نئے اضافے بھی کیے، مثلاً سَلْعہ حجاب مُنَصِّفِ صدر (Mediastinal tumurs) اور خُراج التامُور (خُراج غِشاء قلب) (abcess on the pericardium) کا بیان، جن کا ذکر اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ وہ پہلا عرب طبیب ہے جس نے مُری میں شگاف دینے (tracheotomy) کی سفارش کی۔ مُری یا امعا کے راستے مصنوعی طریقے پر غذا پہنچانے کے عمل سے بھی وہ ناواقف نہ تھا بلکہ اس کے طریقِ کار کی بڑی مہارت سے تشریح کرتا ہے۔ بہت سے مصنّفین کے اس خیال کی کہ ابن زُہر یہودی تھا، پہلے سٹائن شنائڈر (Steinschneider): *Arch für. pathol. Anatomie*، برلن ۱۸۷۳ء، ص ۱۱۵) اور وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Gesch. der Aerzte* etc، ص ۸۹) نے مخالفت کی اور بالآخر G. Colin نے بالکل واضح طور پر اس کی تردید کر دی ہے (*Avenzoar, sa vie et ses oeuvres*، ص ۳۴ بعد)۔ اس نے اپنی زندگی نہایت مستحسن طریق پر تصنیف و تالیف اور اعمالِ صالحہ میں گزاری اور ۵۵۷ھ/۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ء میں اشبیلیہ میں اپنے والد کی طرح ایک مہلک سَلْعہ (رسولی) کے عارضے میں وفات پائی۔ اس نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی اور اسے باب الفتح کے باہر دفن کیا گیا۔

(۵) ابوبکر محمد بن عبدالملک بن زُہر: سابق الذّکر (۴) کا بیٹا، جو الحفید (پوتے) کے نام سے مشہور ہے، ۵۰۴ھ/۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ء [قبّ یاقوت، ۵۰۷ء] میں پیدا ہوا اور ۵۹۵ھ/ ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ء میں فوت ہو گیا۔ یہ بھی ایک ممتاز طبیب تھا لیکن اسے علمِ طبّ پر تصنیف و تالیف کی جگہ عملی کام سے زیادہ شغف تھا، اگرچہ امراضِ چشم سے متعلّق ایک رسالہ اس سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یورپ کے عیسائیوں میں وہ تقریبًا غیر معروف تھا، لیکن اندلس اور افریقہ کے مسلمانوں میں اس کی بڑی شہرت تھی، تاہم اس کا سبب اس قدر اس کی طبّی سرگرمی نہ تھی جس قدر عربی ادب کے ہر شعبے سے اس کی گہری واقفیت اور انتہائی لطافتِ جذبات سے معمور نظمیں۔ الموحّد خلیفہ یعقوب بن یوسف المنصور نے اسے اپنے دربار میں افریقہ بلایا، اسے اپنا طبیب مقرّر کیا، بیش بہا تحفے دیے اور اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی لیکن اس سلوک سے وزیر ابوزید عبدالرحمٰن بن یُوجان جل اٹھا؛ چنانچہ اس نے ابن زُہر اور اس کی بھتیجی کو، جو علمِ امراضِ نسواں اور عملِ قابلہ میں بڑی ماہر تھی، اس کے مرّاکش میں قیام کے دوران میں بڑی غداری سے زہر دلوا دیا۔ خلیفہ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اسے امرا کے باغ میں دفن کیا گیا۔ اس نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی اپنی یادگار چھوڑی۔ اس کی تصنیفات میں سے مقدّم الذّکر طب العیون کے علاوہ قابلِ ذکر التریاق الخمسین بھی ہے۔

(۶) ابو محمد عبداللہ بن الحفید: سابق الذّکر کا بیٹا، جو ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ء میں اشبیلیہ میں پیدا ہوا۔ وہ اعلیٰ پائے کا طبیب تھا اور اس کی تربیّت اس کے باپ کے مدرسے میں ہوئی تھی۔ الموحّد خاندان کے خلیفہ المنصور اور الناصر نے یکے بعد دیگرے اُسے اپنے دربار میں بلایا اور اُسے انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ اپنے باپ کی طرح وہ بھی زہر خورانی کا شکار ہو گیا اور ۶۰۲ھ/ ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ء میں صرف ۲۵ برس کی عمر میں مرّاکش جاتے ہوئے رباط الفتح کے مقام پر اس نے وفات پائی۔ اس کی لاش کو وہاں دفن کر دیا گیا، لیکن بعد ازاں اسے وہاں سے نکال کر اشبیلیہ لایا گیا اور باب الفتح سے باہر اپنے آباو اجداد کی قبروں کے پاس اسے دوبارہ دفن کیا گیا۔ اس نے اپنی وفات پر ابو مروان عبدالملک اور ابو العلاء محمد دو بیٹے چھوڑے۔ یہ دونوں اشبیلیہ میں رہتے تھے۔ ان میں سے چھوٹا طبیب بھی تھا اور اسے جالینوس کی تصانیف پر پورا عبور تھا۔

مآخذ: (۱) کولن (Gabriel Colin): *Avenzoar sa Vie et ses Oeuvres* (پیرس ۱۹۱۱ء)؛ (۲) وہی مصنّف: *La Tedhkira d' Abū 'l 'Alā*

(پیرس، ۱۹۱۱ء)؛ (۳) فرینڈ (Joh. Friend): *Opera omnia medica*، طبع John Right، لنڈن ۱۷۳۳ء؛ (۴) حاجی خلیفہ: -*Lexicon Bibliographicum et Encyclopaedicum*، طبع فلوگل (Flügel)، لنڈن ۱۸۴۲ء؛ (۵) ابن ابی اُصَیبِعَہ، عُیُون الانباء فی طبقات الاطبّاء، (قاہرہ، طبع وَہبِیّہ، ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء) [۲: ۶۴]؛ (۶) ابن الاَبّار: المُعْجم، طبع کودیرا Codera (*Bibliotheca Arabico-Hispana*، ج ۴، میڈرڈ ۱۸۸۶ء)؛ (۷) ابن الاَبّار: کتاب التکملۃ لکتاب الصلۃ، طبع کودیرا، بنام ''*Complementum libri assilah*''، (*Biblioth. Arabico- Hispana*، ج ۵ و ۶، میڈرڈ ۱۸۸۷ - ۱۸۸۹ء) عدد ۲۵۵، ۸۵۵، ۱۶۹۱، ۱۷۱۷ء؛ (۸) ابن خَلّکان: کتاب وَفیات الاَعْیان، طبع وُسٹنفلٹ، عدد ۶۸۳ [۲: ۹]؛ (۹) لیکلرک (Lucien Leclerc): *Histoire de la Médecine arabe*، پیرس، ۱۸۷۶ء)؛ (۱۰) وُسٹنفلٹ (Wüstenfield): -*Geschichte der arabischen Aerzte und Naturforscher*، گوٹنگن ۱۸۴۰ء؛ [(۱۱) یاقوت: مُعجَم الأُدَبَاء، ۱۸: ۲۱۶ بعد؛ (۱۲) المقرّی، ۱: ۶۲۳؛ (۱۳) الزِرِکلی: الاَعْلام، ۳: ۸۴ و ۷: ۱۲۹؛ (۱۴) زاد المسافر، ۲۹؛ (۱۵) براکلمان، ۱: ۴۸۶ و تکملہ، ۱: ۸۹۰؛ (۱۶) ابن سعید: المَغْرِب فی حلی المَغْرِب، ۱: ۲۶۶ بعد]۔
(GABRIEL COLLIN کولن)

----

* **ابن زَیدُون**: ابو الولید احمد بن عبداللہ بن احمد بن غالب بن زیدون، اسلامی اندلس کے مشہور ترین شعرا میں سے ایک شاعر اور عرب امراے اشبیلیہ کا وزیر۔ وہ عرب قبیلۂ مخزوم کے ایک مشہور خاندان کا رکن تھا اور قرطبہ میں ۳۹۴ھ/ ۱۰۰۳ء میں پیدا ہوا۔ بچپن ہی میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، لیکن اس کے سرپرستوں نے اس کی تعلیم کے لیے بہترین اساتذہ کا انتظام کر دیا، چنانچہ جلد ہی اس نے اپنے ہم سبقوں میں ممتاز حیثیت حاصل کر لی۔ بیس برس کی عمر میں وہ اتنے اچھے شعر کہنے لگا کہ اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی [اسے المغرب کا بُحتری کہا جاتا ہے]۔

اموی مُدّعیانِ سلطنت کی خانہ جنگیوں اور اہلِ قرطبہ کے بر سرِ حکمرانوں کو اپنے شہر سے بے دخل کرنے کی کوششوں کی وجہ سے ہمارا شاعر بھی اپنے وطن کی سیاسیات میں الجھ گیا۔ اس کے حسب و نسب، خاندانی اقتدار اور بالخصوص اس کی اپنی بلند ہمتی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ سیاست میں حصّہ لے۔ یہی وجہ تھی کہ بر سرِ حکمرانوں کے گھر واپس چلے جانے کے بعد وہ قرطبہ کی حکمران جماعت کے سردار ابو الحزم ابن جَہْوَر کے حاشیہ نشینوں میں نظر آنے لگا۔

شاہی خاندان کی ایک شاعرہ وَلّادہ [بنت المُستَکفی] سے اس کا والہانہ عشق اس کے اور ایک زبردست رقیب ابو الحزم ابن جَہْوَر کے وزیر عَبدُوس کے باہمی تصادم کا سبب بن گیا۔ ابن زَیدُون نے اپنے رقیب کے خلاف تہدید آمیز اشعار کہے اور ایک خط میں، جو مشہور ہو گیا ہے، اس کا مذاق اڑایا۔ [اس کے جواب میں] ابن عبدُوس نے اس پر کھلم کھلا یہ الزام لگایا کہ وہ بنو امیہ کو پھر برسرِ اقتدار لانے کے لیے کام کرتا رہا ہے؛ چنانچہ ابن زیدُون کو محبوس کر دیا گیا۔ قید خانے سے اس نے ولّادہ کے نام کئی رقّت آمیز نظمیں لکھیں اور اپنے دوستوں کو فوری مدد کی درخواستیں بھیجیں، جن میں اپنی براءت ثابت کی تھی۔ اس کے احباب میں سے ایک، یعنی ابو الولید بن ابی الحزم، اسے قید سے رہا کرانے میں کامیاب ہو گیا، لیکن [اس اثنا میں] ولّادہ ابن عَبدُوس کی خاطر اسے قطعی طور پر چھوڑ چکی تھی۔

ایک غیر ارادی جلاوطنی کے بعد، جس کے دوران میں وہ برابر اپنی محبوبہ کی مذمّت و شکایت کرتا رہا، ابن زیدون ابو الحزم ابن جَہْوَر کی وفات پر قرطبہ واپس آ گیا اور اس نے اپنی قسمت کو ابو الحزم کے بیٹے اور جانشین ابو الولید سے وابستہ کر لیا۔ اس نے قرطبہ کے گرد و نواح کی کئی مسلمان حکومتوں میں اس کے سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، لیکن اس کی جاہ پسندی اس کے تنزّل کا باعث بن گئی؛ چنانچہ کسی نامعلوم وجہ سے وہ پھر معرضِ عتاب میں آ گیا۔ اسے قرطبہ چھوڑنا پڑا اور یکے بعد دیگرے دانِیہ (Denia)، بَطَلْیُوس (Badajoz) اور اشبیلیہ میں مقیم رہا۔

شاعر کی حیثیت سے اپنی شہرت، اپنی ادبی صلاحیتوں اور مسلم اندلس کے حالات سے اپنی اس واقفیت کی بدولت، جو اسے سفارت کی خدمت انجام دینے کے دوران میں حاصل ہو گئی تھی، اس کی رسائی اشبیلیہ کے امیر المُعْتَضِد کے دربار میں ہو گئی۔ ابتدا میں وہ اس حکمران کا محض کاتب (سکرٹری) مقرّر رہا، لیکن بعد میں اس کا وزیر اعلٰی بن گیا۔ المُعْتَضِد کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اور جانشین المُعْتَمِد نے شاعر کو اسی عہدے پر بحال رکھا اور قرطبہ فتح کرنے میں اس سے کام لیا، جو دار الحکومت بن گیا تھا۔

لیکن ابن زیدُون کی ہر دل عزیزی کی وجہ سے دربارِ شاہی کے بہت سے لوگوں، خصوصًا المُعْتَمِد کے منظورِ نظر شاعر ابن عمّار [رکّ بآں] کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ [اسی زمانے میں] اشبیلیہ میں یہودیوں کے خلاف فساد ہو گیا اور ابن زَیدُون کے خلاف سازش کرنے والوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ اسے امن بحال کرنے کے لیے وہاں بھجوا دیں۔ ابن زیدون اشبیلیہ روانہ ہو گیا، اگرچہ اس سے اہلِ قرطبہ کو، جو اپنے اس اہم شہر پر بہت نازاں تھے، سخت رنج اور مایوسی ہوئی۔ جلد ہی اس کے اہل و عیال بھی اس کے پیچھے پیچھے وہاں جا پہنچے، مگر بوڑھے ابن زیدون کو بخار نے آ لیا اور بہت جلد اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس نے ۱۵ رجب ۴۶۳ھ/ ۱۸ اپریل ۱۰۷۱ء کو انتقال کیا اور اشبیلیہ میں دفن ہوا۔ اس کی موت کی خبر سے قرطبہ میں بڑا غم و اندوہ برپا ہوا اور سارے شہر نے اس کا سوگ منایا۔

ابن زیدون محض ایک بلند پایہ شاعر ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک ممتاز انشا نگار بھی تھا اور اسی حیثیت سے تاریخ ادب عربی میں اسے خاص طور پر شہرت حاصل ہے۔ اس کے سب رسائل شائع نہیں ہوئے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور یہ ہیں:

۱ - رسالہ بنام ابن عبدوس، [الرسالة الهَزْلية] یہ خط عربی علم لغت کے

اعتبار سے بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے، کیونکہ اس میں کئی ایسے امور کی طرف اشارے ہیں جو محض اسی خط کی بدولت معلوم ہوے، یا اس خط کی اس شرح کے ذریعے جو ابن نباتہ (م ۷۶۸ھ/۱۳۶۶ء) نے شرح العیون فی شرح رسالۃ ابن زیدون کے نام سے لکھی ہے (بولاق ۱۲۷۸ء، الاسکندریہ ۱۲۹۰ھ، قاہرہ ۱۳۰۵ھ)۔ یہ رسالہ Reiske نے لاطینی ترجمے کے ساتھ شائع کیا تھا (لائپزگ ۱۷۵۵ء).

۲ - قریب قریب اسی اہمیّت کا ایک خط بنام ابن جَہْوَر [الرسالۃ الجِدّیۃ] Besthorn نے لاطینی ترجمے کے ساتھ شائع کیا تھا (کوپن ہیگن ۱۸۹۰ء)۔ [حاجی خلیفہ کو ان دونوں رسالوں میں التباس ہوا ہے اور اس نے انھیں ایک ہی رسالہ قرار دیا ہے۔ مؤخّر الذّکر کی شرح خلیل الصفدی (م ۷۶۴ھ/۱۳۶۳ء) نے کی تھی].

ابن زیدون کی نظموں کے اقتباسات Weijers (لائڈن ۱۸۳۹ء)، دساسی de Sacy (JA: ۱۲: ۵۰۸ ببعد) اور المقّری (*Analectes*) نے شائع کیے۔ غیر مطبوعہ اقتباسات اور ابن زیدون کے سوانح حیات ابن بسّام (مخطوطۂ کتاب خانۂ ملّی، پیرس، شمارہ ۳۳۲۲) اور عماد الدّین الاصفہانی (محلِّ مذکور، شمارہ ۳۳۳۰) کی تصانیف میں ملتے ہیں.

مآخذ: کے لیے دیکھیے (۱) براکلمان، ۱: ۲۷۴ [وتکملہ، ۱: ۴۸۵؛ (۲) تاریخ خمیس، ۲: ۳۶۰؛ (۳) جذوۃ المقتبس، ص ۱۲۱؛ (۴) آداب اللغۃ، ۳: ۵۴].

(A. COUR)

---

* **ابن السّاعاتی:** (گھڑی ساز کا بیٹا) فخر الدّین رِضْوان (یا رُضْوان) بن محمد بن علی بن رستم [یاقوت نے اس کا نام اس طرح درج کیا ہے: رمضان بن رستم بن محمد بن علی بن رستم بن ہَرْدُوز] الخراسانی، دمشق میں پیدا ہوا، جہاں اس کا باپ خراسان چھوڑ کر چلا آیا تھا۔ مؤخّر الذّکر کو گھڑی سازی میں بڑا کمال حاصل تھا اور اسی نے الملک العادل نور الدّین محمود (م شوال ۵۶۹ھ/مئی ۱۱۷۴ء) کی درخواست پر وہ گھڑی تیار کی تھی جو جامع دمشق کے دروازے پر نصب تھی۔ اسے علم ہیئت میں بھی دسترس حاصل تھی۔ ابن ساعاتی طبیب تھا، لیکن ادب، منطق اور فلسفے کی دوسری شاخوں کے وسیع علم کے علاوہ گھڑی سازی میں بھی بڑی مہارت رکھتا تھا۔ سب سے پہلے وہ الملک الفائز بن الملک العادل محمد بن ایوب (صلاح الدین ایوبی کے ایک بھتیجے) کا وزیر رہا اور پھر اس کے بھائی الملک المعظّم بن الملک العادل (م ۶۲۴ھ/۱۲۲۷ء) کا وزیر اور طبیب مقرر ہوا۔ [۶۲۷-۶۲۸ھ]/۱۲۳۰ء میں اس کا دمشق میں انتقال ہو گیا [یاقوت نے اس کا سالِ وفات ۶۱۸ھ دیا ہے اور ہدیۃ العارفین میں ۶۲۰ھ ہے]۔ ساعت سازی میں اس کی ایک تصنیف کا نسخہ (بلا عربی نام کے) گوتھا (Gotha) میں اب تک موجود ہے۔ یہ کتاب محرّم ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء میں لکھی گئی تھی اور اس میں اس نے زیادہ تر اپنے والد کی بنائی ہوئی گھڑی کا ذکر کیا ہے، جس کی اس نے مرمّت اور تکمیل کی تھی۔ [اس کی تالیفات میں یہ نام بھی ملتے ہیں: حواش علی القانون لا بن سینا، تکمیل کتاب القولنج للرئیس ابن سینا اور اشعار میں المختارات۔ اس کے دوسرے دیوان کا نام مقطعات النیل ہے۔ طبّ کی تعلیم اس نے رضی الدّین ابوالحجّاج یوسف بن حیدر سے حاصل کی تھی۔ یاقوت کی اس سے ملاقات ہوئی تھی].

اس کا بھائی بہاء الدّین ابوالحسن علی بھی ابن السّاعاتی کہلاتا ہے۔ وہ ایک مشہور شاعر تھا اور اس کا انتقال بہت پہلے، یعنی [۲۳ شعبان] ۶۰۳ھ/۱۵ مارچ ۱۲۰۷ء [بروے ابن عماد، ۶۰۴ھ] کو قاہرہ میں ہوا۔ اس کے متعلّق قب ابن خَلِّکان، طبع وُسْتَنْفِلْٹ (Wüstenfeld)، شمارہ ۴۸۹ [وابن العماد: شذرات، ۵: ۱۳].

حنفی فقیہ مظفر الدّین احمد بن علی [بن ثعلب، جسے براکلمان تکملہ میں غلطی سے ثلعب لکھ گیا ہے؛ اسی نے اس کا دوسرا نام تغلب بھی دیا ہے] البغدادی (م ۶۹۴ھ - ۱۲۹۵ء) بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ وہ فقہ کی ایک مشہور کتاب کا مصنّف ہے، جس کا نام مجمع البحرین و ملتقی النیرین ہے، کیونکہ وہ قدوری [رَکّ بآن] کی مختصر اور نَسَفی کی منظومہ سے مرتّب کی گئی ہے، اس کے لیے قب ابن قُطلوبغا: طبقات الحنفیۃ، طبع فلوگل (Flügel)، ص ۴ و براکلمان، ۱: ۳۸۲ ببعد [وتکملہ، ۱: ۶۵۸۔ براکلمان نے اس کی چند اور تالیفات کا بھی ذکر کیا ہے].

مآخذ: (۱) ابن ابی اُصَیْبِعَہ [: طبقات الاطبّاء] طبع مُلّر (Müller)؛ [(۲) ہدیۃ العارفین، ۱: ۳۶۹]؛ (۳) یاقوت: معجم الادباء، ۱۱: ۱۴۱؛ (۴) کشف الظنون، ۱۴۵۱]؛ (۵) Suter: *Abhandlgn. z. Gesch. d. mathem. Wissensch.*، ۱۰: ۱۳۶ و ۱۴: ۱۷۴۔ عربوں کی گھڑیوں اور صنعت گھڑی سازی کے لیے قب E. Wiedemam: *Beiträge zur Gesch. d. Naturwissensch*، ص iii، vi، v و x، در *Sitzungsberichet der phys. --mediz. Sozieätt in Erlangen*، ج ۳۷ (۱۹۰۵ء) و ۳۸ (۱۹۰۶ء).

(H. SUTER)

---

* **ابن سَبْعِین:** ابو محمد عبدالحق بن ابراہیم الاشبیلی، عرب فلسفی اور ایک صوفی برادری کا بانی، مرسیہ (Murcia) کا باشندہ، یورپ میں زیادہ تر اپنے ان جوابات کی وجہ سے مشہور ہے جو اس نے بعض فلسفیانہ سوالات کے دیے، جو فریڈرک دوم نے فضلاے سبتہ (Ceuta) سے کیے تھے، جہاں وہ اس وقت رہتا تھا۔ قب A. F. Mehren: *Correspondance der philosophs soufi Ibn Sab' in Abd oul-Haqq avec l'empereur Frédéric II de Hohenstaufen*، در JA، سلسلہ ۷، ۱۴: ۳۴۱ الف ببعد؛ قب وہی مجلّہ، سلسلہ ۵، ۱: ۲۴۰ ببعد.

ابن سَبْعِین نے ۶۶۸ھ/۱۲۶۹ء میں مکّے میں وفات پائی.

مآخذ: براکلمان، ۱: ۴۶۵ ببعد [وتکملہ، ۱: ۸۴۴].

---

* **ابن سَرَ ایا:** رک بہ الحِلّی.

---

* **ابن السّرّاج:** محمد بن علی بن عبدالرحمٰن القرشی الدِّمشقی، ایک عرب صوفی، جس نے تقریباً ۷۱۴ھ/ ۱۳۱۴ء میں اخلاقی حکایات کا ایک مجموعہ تُفّاح الاَرْوَاح ومفتاح الاَرْبَاح کے نام سے تالیف کیا، جو دراصل اس کی گم شدہ کتاب تشویق الْاَرْوَاح و القُلُوب اِلٰی ذِکْرِ عَلّامِ الغُیُوب کا ایک حصّہ ہے (دیکھیے Ahlwardt: *Verzeichnis der ar Hdss. von Berlin*، شمارہ ۸۷۹۴)، [نیز براکلمان، ۲: ۱۱۹].

(براکلمان C. Brockelmann)

---

* **(آل) ابن السّرّاج:** رک بہ Al-Sarrādj, Banū در آ، لائڈن، طبع دوم.

---

* **ابن سُرَیج:** ابو العباس احمد بن عمر بن سُرَیج [البغدادی]، عرب سوانح نگاروں کے بیان کے مطابق تیسری صدی ہجری کے سب سے بڑے شافعی اماموں میں سے تھے۔ بہت سے مشہور شافعی ان کے شاگرد تھے اور انھوں نے اس قدر شہرت حاصل کر لی تھی کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک وہ تمام شافعی علما یہاں تک کہ المُزَنی سے بھی افضل تھے۔ وہ شیراز میں قاضی رہے اور انھوں نے ظاہریہ وغیرہ کے ردّ میں کئی رسالے لکھے [اور ابن داؤد ظاہری سے مناظرے کیے]۔ ان کی تصانیف کی تعداد چار سو بتائی جاتی ہے، لیکن ان میں سے اب ایک بھی موجود نہیں، اگرچہ ان کی صرف چند ایک تصانیف کے نام ضرور معلوم ہیں۔ انھوں نے بغداد میں [ساڑھے] ستاون برس کی عمر میں [جُمادی الاولٰی] ۳۰۶ھ/ [اکتوبر-نومبر] ۹۱۸ء میں وفات پائی.

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وَفَیات الاعیان (طبع وسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، عدد ۲۰)؛ ابن خلِّکان کی وَفَیات الاَعْیان، کا انگریزی ترجمہ موسومہ *Biographical Dictionary* از دیسلان (M. G. de Slane)، پیرس ۱۸۴۲ء، ۱: ۴۶ ببعد؛ (۲) ابو المحاسن ابن تغری بردی: النُّجوم الزّاھرۃ، طبع جوئنبول (Juynboll)، ۲: ۲۰۳؛ [(۳) السُّبکی: طبقات الشافعیۃ، ۲: ۸۷-۹۶؛ (۴) ابن العماد: شذرات الذھب، ۲: ۲۴۷]؛ (۵) وسٹنفلٹ (F. Wüstenfeld): *Der Imâm al-Schâfiʿi und seine Anhänger*، گوٹنگن ۱۸۹۱ء، عدد ۷۵؛ (۶) الفہرست، ص ۲۱۳.

(جوئنبول Th. W. Juynboll)

---

* **ابن سُرَیج:** عبید اللہ ابو یحییٰ، قدیم تر اموی عہد کا مغنّی اور نقش بند، مکّہ [مکرّمہ] کے ایک ترک غلام کا بیٹا اور بنو نوفل بن عبد مناف یا بنو الحارث بن عبدالمطّلب کا مولیٰ تھا۔ اس نے مغنّی کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز [حضرت] عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے ایرانی عود کو مکّے میں رائج کیا اور یہ کہ اس نے اس کا استعمال ان ایرانی کاریگروں سے سیکھا تھا جنھیں ابن الزبیر نے کعبے کو ازسرِنو تعمیر کرنے کے لیے بلایا تھا۔ اپنی انتہائی شہرت کے زمانے میں عمر بن ابی ربیعہ [رک بآن] سے اس کے بڑے گہرے مراسم تھے اور اس نے اس شاعر کی عشقیہ نظموں کی نقش بندی کی؛ مگر اسے مرثیہ گوئی میں بھی بڑی شہرت حاصل تھی، تاہم چونکہ اس کے فن کو دوسروں تک پہنچانے کا انحصار محض زبانی روایت پر تھا، اس لیے اس کی موت کے بعد لوگ اسے جلد ہی بھول گئے: چنانچہ جحظہ مُغَنّی کے زمانے میں اس کی دُھنوں سے صرف چند بڑے بوڑھے ہی واقف تھے۔ اس کی وفات خلیفہ ہشام (۱۰۵-۱۲۵ھ/ ۷۲۴-۷۴۳ء) کے عہد میں ہوئی.

مآخذ: ابو الفرج الاصفہانی: کتاب الاغانی، ۱: ۹۷-۱۲۹.

(براکلمان C. Brockelmann)

---

* **ابن سَعْد:** ابو عبداللہ محمد بن سَعْد بن مَنِیع [یا معن] البصری الزُّہری بنی ہاشم کا مولیٰ، جو کاتب الواقدی (واقدی کے سیکرٹری) کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے حدیث ہُشَیم، سُفیان بن عُیَیْنَہ، ابن عُلَیَّہ، [ابو فدیک، معن بن عیسیٰ] الوَلِید بن مُسْلِم اور بالخصوص محمد بن عمر الواقِدی [رک بآن] سے پڑھی۔ ابوبکر بن ابی الدُّنیا اور دیگر محدّثین نے اس سے حدیث کی روایت کی ہے۔ [وہ ۱۶۸ھ/ ۷۸۴-۷۸۵ء میں پیدا ہوا اور ۴ جمادی الاخرٰی ۲۳۰ھ/ ۱۶ فروری ۸۴۵ء کو بغداد میں فوت ہوا۔ یحییٰ بن معین کے سوا عموماً حُفّاظِ حدیث نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔] اس کی کتاب الطبقات الکبیر بہت مشہور ہے، جس میں رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم]، صحابۂ [کرام] اور تابعین کے حالات مؤلف کے اپنے زمانے تک لکھے ہوئے ہیں۔ طبقات الکبیر کے علاوہ ابن خَلِّکان اور حاجی خلیفہ اس کی ایک اور کتاب الطبقات الصغیر کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ جب ابن ندیم الفہرست میں ابن سعد کی کتاب اخبار النبی کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد غالباً کوئی علیحدہ کتاب نہیں ہے بلکہ کتاب الطبقات الکبیر ہی کا جز اوّل ہے، جس میں آنحضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کی سیرت بیان کی گئی ہے۔ یہ پوری کتاب *Ibn Saʿad, Biographien Muhammeds, seiner Gefährten und der späteren Träger des Islams bis zum Jahre 230 der Flucht*، کے عنوان سے شائع [ہوئی] ہے اور اسے براکلمان، J. Horovitz، J. Lippert، B. Meissner، E. Mittwoch، F. Schwally اور K. Zetterstéen نے مشترکہ طور پر مرتّب کیا ہے اور زخاؤ (von Ed. Sachau) نے لائڈن ۱۹۰۴ [-۱۹۱۷ء] آٹھ جلد میں شائع

کیا۔ نویں جلد کا، جو اشاریہ پر مشتمل ہے، جزءِ اوّل ۱۹۲۱ء میں اور جزءِ ثانی ۱۹۲۸ء میں طبع ہوا۔ طبقات کا ایک حصّہ (کل ۱۲۳ صفحات) ۱۳۰۸ھ میں آگرے میں بھی طبع ہوا تھا، چاپ سنگی].

مآخذ: (۱) الفہرست، ۹۹؛ [(۲) الخطیب البغدادی: تأریخ بغداد، ۵: ۳۲۱؛] (۳) ذہبی: تذکرۃ الحُفّاظ، طبقہ ۸، عدد ۱۴ (۲: ۱۳)؛ (۴) ابن خلّکان، عدد ۶۵۶؛ (۵) وستنفلٹ: *Geschichtschreiber*، عدد ۵۳؛ [(۶) ابن تغری بردی: النُجوم الزاهرة، ۲: ۲۵۸؛ (۷) ابن العماد: شذرات الذهب، ۲: ۶۹؛] (۸) براکلمان، ۱: ۱۳۶ - ۱۳۷ [و تکملہ، ۱: ۲۰۸]؛ (۹) Loth: *Das Classenbuch des Ibn Sa'ad, Habilitationsschrift*، لائپزگ ۱۸۶۹ء، قب وستنفلٹ: *Zeitrchr. d. Deutsch. Morgenl. Ges.*، ۴ (۱۸۵۰ء): ۱۸۷ و Loth: مجلۂ مذکور، ۲۳ (۱۸۶۹ء): ۵۹۳؛ (۱۰) زخاؤ (Sachau): *Einleitung zu Ibn Saad*، ج ۳، جز ۱.

(E. MITTWOCH)

---

* **ابن سَعُود:** دَرعِیّہ [رَکّ بآن] اور ریاض کے وہابی خاندان کا نام؛ اس خاندان کا بانی محمد بن سَعُود قبیلۂ سالخ وُلد علی کے عشیرۂ مُقرِن کا ایک فرد تھا، جن کا شمار عرب کے بڑے گروہِ قبائل بنو عَنَزَہ میں ہوتا ہے۔ اس کا والد سُعود دَرعِیّہ پر حکمران تھا اور وہ گیارھویں صدی ہجری کے چوتھے دھاکے میں، یعنی ۱۷۲۷ء اور ۱۷۳۷ء کے درمیان، فوت ہوا۔ خاندانِ ابن سعود کے شجرۂ نسب کے مطابق محمد کے علاوہ اس کے تین اَور بیٹے ثُنَیّان، مُشاری اور فرحان بھی تھے۔ دَرعِیّہ اور بعد ازاں ریاض کے وہابیوں کی سیادت اب تک محمد بن سعود کی اولاد میں چلی آتی ہے۔ ابن ثُنَیّان اور ابن مُشاری کی ہم جد شاخوں سے دو غاصب تو ضرور پیدا ہوے (دیکھیے عدد ۷ اور ۱۰ نیچے)، لیکن اس خاندان کی تاریخ میں ان دونوں شاخوں نے کوئی خاص اہمیت حاصل نہ کی۔ ان میں سے فرحان اور اس کی اولاد کا ذکر محض نسبی شجروں میں آتا ہے.

دَرعِیّہ اور ریاض کی وہابی سلطنت کی تاریخ تین حصّوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ پہلا دور سلطنت کی تاسیس سے لے کر ۱۸۲۰ء میں ان علاقوں پر مصریوں کے تصرّف تک چلتا ہے (اس دور میں دارالحکومت دَرعِیّہ تھا)۔ دوسرا دور (۱۸۲۰-۱۸۹۶ء) تُرکی اور فیصل کے ہاتھوں سلطنت کے دوبارہ قیام سے شروع ہو کر حائل کے بنو رشید کے قبضے پر منتہی ہوتا ہے (اس دور میں دارالحکومت ریاض رہا)؛ تیسرا دور ۱۹۰۲ء سے شروع ہوتا ہے جب آلِ سعود نے دوبارہ ریاض فتح کیا.

۱- محمد بن سعود (۱۷۳۵ء (؟) - ۱۷۶۶ء): تقریباً ۱۷۴۰ء میں محمد بن عبدالوہاب، وہابی مذہب کے بانی کو عُیَینہ (Aiyena) سے، جہاں وہ سرگرمِ کار تھا، نکال دیا گیا اور اس نے اپنے دوست محمد بن سعود کے پاس پناہ لی۔ ان دونوں نے مل کر تبلیغ اور تلوار کے زور سے اس نئے مذہب کو پھیلایا۔ ۱۱۵۹ھ میں (جو ۲۴ جنوری ۱۷۴۶ء سے شروع ہوتا ہے) گرد و نواح کے شہروں اور قبائلی اضلاع سے جنگ شروع ہوگئی اور جلد ہی بعض طاقتور پڑوسیوں، مثلاً اَلحَسا ء (الاَحساء) کے بنو خالد اور نجران کے بنو مَکرَمی، کو اس جنگ میں دخل انداز ہونا پڑا، لیکن وہ بھی وہابیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو نہ روک سکے۔ مکّے کے شریف وہابی حاجیوں کو ایک علٰیحدہ فرقے کا پیرو خیال کرتے اور انھیں مقاماتِ مقدّسہ کی زیارت کی اجازت نہ دیتے تھے۔ شریفوں کی اطلاعات مرسلہ ۱۱۶۲ھ (جس کی ابتدا ۲۵ دسمبر ۱۷۴۹ء سے ہوتی ہے) کے ذریعے اس فرقے کے متعلّق پہلی مرتبہ خبر قسطنطینیہ پہنچی۔ محمد بن سعود نے تقریباً تیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۱۷۹ھ/ ۱۷۶۵-۱۷۶۶ء میں دَرعِیّہ میں وفات پائی.

۲- عبدالعزیز بن محمد بن سعود (۱۱۷۹-۱۲۱۸ھ/ ۱۷۶۶-۱۸۰۳ء): [پیدائش ۱۱۳۲ھ/ ۱۷۲۰ء؛ وفات ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۳ء]، اس کے عہد کے چند ابتدائی سال آس پاس کے شہروں اور قبائل، بنو خالد، بنو مَکرَمی اور بنو مُنتَفِق سے مسلسل جنگ میں گزرے۔ ۱۷۹۵ء میں وہابیوں نے یورش کر کے الاحساء اور قَطِیف پر قبضہ کر لیا اور اس طرح وہ خلیج فارس کے ساحل پر بھی متمکّن ہو گئے۔ وہاں سے ان کو نکالنے کے لیے بصرے اور بغداد کے تُرکی والیوں اور ان کے حلیف بنو مُنتَفِق نے بار بار کوشش کی، مثلاً ۱۷۹۷ء میں قبیلۂ مُنتَفِق کے شیخ ثُوَینی کی مہم اور ۱۷۹۸ء میں کیایا علی پاشا کی مہم؛ لیکن یہ سب کوششیں ناکام رہیں۔ آخر کار ۱۷۹۹ء میں عبدالعزیز اور بغداد کے پاشا کے درمیان چھ سال کے لیے عارضی صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ ۱۱۸۶ھ/ ۱۷۷۲-۱۷۷۳ء میں مکّے کے شریف سُرور نے وہابیوں کو ایک مخصوص ٹیکس ادا کرنے پر مقاماتِ مقدّسہ میں داخلے کی اجازت دے دی تھی، مگر اس کے جانشین غالب نے (جس کا عہد حکومت ۱۲۰۲ھ سے شروع ہوتا ہے) اس رعایت کو واپس لے لیا اور ۱۷۹۰ء، ۱۷۹۵ء اور ۱۷۹۸ء میں اس نے حجاز کی طرف وہابیوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے ناکام فوجی اقدامات کیے۔ ۱۷۹۸ء میں اسے ان سے صلح کرنا اور انھیں حج کرنے کی اجازت دینا پڑی، جس کے عوض انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ شریف کے زیرِ اثر علاقے پر آئندہ کوئی دراز دستی نہیں کریں گے.

شریفِ مکّہ اور والیِ بغداد کے ساتھ یہ مصالحانہ تعلّقات تھوڑی مدت تک ہی قائم رہے۔ وہابیوں کے ایک قافلے پر شیعی خزائل کے حملے کا بدلہ لینے کے لیے سعود بن عبدالعزیز نے ۱۸ ذوالحجہ ۱۲۱۶ھ/ ۲۱ اپریل ۱۸۰۲ء کو کربلا پر حملہ کر دیا، وہاں کی شیعی زیارت گاہوں کو لوٹا اور تباہ و ویران کیا اور وہاں کے اکثر باشندوں کو قتل کر دیا۔ ۱۲۱۴ھ اور ۱۲۱۵ھ (اپریل ۱۸۰۰ء اور ۱۸۰۱ء) میں سعود حج کو گیا تھا اور تقریباً اسی زمانے میں عَسِیر اور تہامہ کے قبیلے اور بنو حرب، جو اب تک شریف غالب کے ماتحت تھے، وہابیوں سے مل گئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علی الاعلان لڑائی چھڑ گئی اور ۲۵ شوال ۱۲۱۷ھ/ ۱۸ فروری ۱۸۰۳ء کو وہابیوں نے

طائف پر یلغار کر کے قبضہ کر لیا اور ۸ محرّم ۱۲۱۸ھ/ ۳۰ اپریل ۱۸۰۳ء کو سعود فاتحانہ طور پر مکّے میں داخل ہو گیا۔ سعود کی واپسی پر شریف غالب نے مکے میں وہابیوں کی قلعہ نشین فوج کو نکال دیا (۲۲ ربیع الاوّل ۱۲۱۸ھ/ ۱۲ جولائی ۱۸۰۳ء)، لیکن اسے مجبورًا وہابیوں کو مزید مراعات دینا پڑیں۔

تقریبًا ۱۸۰۰ء میں وہابیوں نے خلیج فارس کے ساتھ ساتھ اپنی قوّت بڑھانا شروع کر دی اور آئندہ چند سالوں کے اندر انھوں نے بحرین اور ساحلی قبیلوں، یعنی رأس الخَیمہ کے جَواسِمی قبائل کو اپنا محکوم بنا لیا۔

۱۸ رجب ۱۲۱۸ھ/ ۳ نومبر ۱۸۰۳ء کو عمادیہّ کے ایک شیعی نے دَرعِیّہ کی مسجد میں عبدالعزیز کو خنجر سے ہلاک کر دیا۔

۳۔ سعود بن عبدالعزیز (۱۲۱۸ - ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۰۳ - ۱۸۱۴ء): بغداد اور عُمان کے خلاف چھوٹے چھوٹے اقدامات کے بعد سعود نے شریف غالب کی حکومت کا خاتمہ کرنے کا پکّا ارادہ کر لیا اور ۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء میں مدینے اور اسی سال ذوالقعدہ (جنوری ۱۸۰۶ء) میں مکّے پر قبضہ کر لیا۔ اپنے بچے کھچے اقتدار کو بچانے کے لیے غالب نے اپنے آپ کو کلیۃً وہابیوں کا مطیع بنا دیا اور وہابیوں نے اب حجاز میں بھی اپنی تعلیم کی اشاعت شروع کر دی۔ حاجیوں کے ان قافلوں کو جنھیں تُرکی حکومت نے تیار کیا ہو حرم میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ سلطان کے نام کا خطبہ موقوف کر دیا گیا اور ایک رسمی خط میں سعود نے مطالبہ کیا کہ نہ صرف دمشق کے والی کو بلکہ خود سلطان کو بھی چاہیے کہ وہ وہابی عقائد اختیار کر لے۔ دمشق کے پاشا کے پُرزور انکار کا جواب سعود نے یوں دیا کہ جولائی ۱۸۱۰ء میں حَوران کو تاخت و تاراج کیا اور خلیج فارس کے ساحلی قبائل کی بحری قزاقی کو بڑے پیمانے پر منظّم کر دیا، یہاں تک کہ ۱۸۰۹ء میں حکومتِ ہند کو مجبور ہو کر ایک مہم تیاّر کرنا پڑی جس نے اسی سال ۱۳ نومبر کو رأس الخَیمہ پر حملہ کر کے سمندری لٹیروں کے بیڑے کو تباہ کر دیا۔

چونکہ بابِ عالی کی حکومت اپنی مملکت کو وہابیوں کے حملوں سے بچانے کے قابل نہ تھی اس لیے اس نے مصر کے والی محمد علی پاشا کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ حجاز کو دوبارہ فتح کرے۔

مصری فوجوں کی پہلی مہم طُوسُون پاشا کے ماتحت آخرِ اکتوبر یا ابتداے نومبر ۱۸۱۱ء میں یَنبُوع البحر اور ینبوع البرّ کی دوبارہ فتح سے شروع ہوئی، لیکن جب طُوسُون پاشا مدینے کی طرف بڑھا تو اسے ذوالقعدہ ۱۲۲۶ھ/ ۲۳ نومبر ۱۸۱۱ء کو جُدَیدَہ کے تنگ درّے میں سعود کے بیٹوں عبداللہ اور فیصل کے ہاتھوں شکست ہوئی اور اسے ینبوع کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد کہیں ۱۸۱۲ء کے موسمِ خزاں کے آخر میں اس نے دوبارہ فوجی کارروائیاں شروع کیں اور اس مرتبہ اسے زیادہ کامیابی ہوئی؛ چنانچہ نومبر میں مدینہ فتح ہو گیا اور جنوری ۱۸۱۳ء کے آخر میں مکّے پر بھی قبضہ ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد طائف کو بھی فتح کر لیا گیا۔ برخلاف اس کے تَرَبہ کے مقام پر وہابی (۱۸۱۳ء کے موسمِ گرما میں) مصریوں کی مزید پیش قدمی روکنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگست کے آخر میں محمد علی خود جِدّہ آیا اور سعود کی اس سے صلح کی گفت و شنید کرنے کی کوشش ناکام رہی۔ تَرَبہ کو فتح کرنے کی دوسری کوشش (اواخر ۱۸۱۳ء) میں بھی طُوسُون پاشا پہلے کی طرح ناکام رہا اور ۱۸۱۳ء [۱۸۱۵ء] کے شروع تک مصری فوج کی نقل و حرکت بند رہی۔ اسی اثنا میں ۸ جُمادی الاُولٰی ۱۲۲۹ھ/ ۲۸ اپریل ۱۸۱۴ء کو ۶۸ سال کی عمر میں سعود نے دَرعِیّہ میں وفات پائی۔

۴۔ عبداللہ بن سَعُود (جُمادی الاُولٰی ۱۲۲۹ھ - ذوالقعدہ ۱۲۳۳ھ/ ۲۷ اپریل ۱۸۱۴ء - ۹ ستمبر ۱۸۱۸ء): ۱۸۱۵ء کے شروع میں محمد علی تَرَبہ پر حملہ کرنے کے لیے پھر روانہ ہوا اور ۱۵ جنوری کو اس نے تَرَبہ پر وہابیوں کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ عَسِیر کی طرف بڑھا اور قُنفُدہ کے راستے سے مکّے واپس آیا۔ ماہ مارچ میں طُوسُون پاشا حَنَاکِیّہ کے راستے نجد میں داخل ہوا اور اس نے الرَّسّ کے مستحکم شہر پر قبضہ کر لیا، جہاں عبداللہ بن سعود سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ایک خاصی طویل عارضی صلح ہوئی اور مصالحت کی گفت و شنید ۱۸۱۶ء تک جاری رہی۔

ستمبر ۱۸۱۶ء میں محمد علی پاشا کے بیٹے ابراہیم پاشا نے عربستان کی اعلٰی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور اٹھارہ ماہ کی متواتر صعُوبتوں اور شدید جنگ آزمائی کے بعد وہ اپنی فوج کو دَرعِیّہ کے دروازوں تک لے گیا (۲ مئی ۱۸۱۷ء کو مَاوِیّہ کے مقام پر عبداللہ کی شکست؛ تین ماہ کے مسلسل محاصرے کے بعد ۲۱ اکتوبر ۱۸۱۷ء میں مصریوں کا الرَّسّ پر قبضہ؛ اور مارچ ۱۸۱۸ء میں ضُرَمَہ کی تسخیر)۔ دارالحکومت کا محاصرہ، جس کی محافظت عبداللہ اور اس کے رشتے دار کر رہے تھے، اپریل کے شروع سے لے کر ستمبر ۱۸۱۸ء کے آغاز تک جاری رہا۔ ۶ ستمبر کو شہر فتح ہو جانے کے بعد بھی عبداللہ نے قصر دَرعِیّہ میں چند دن اَور مقابلہ کیا۔ آخر ۹ ستمبر کو اس نے فاتح کے سامنے ہتھیار ڈال دیے، جس نے اُسے اُس کے خاندان اور محمد بن عبدالوہاب کی اولاد کے ساتھ قاہرہ روانہ کر دیا۔ محمد علی نے عبداللہ کو اس کے کاتب اور خزانہ دار کے ساتھ قسطنطینیہ روانہ کر دیا۔ جہاں ۱۷ دسمبر ۱۸۱۸ء کو ان سب کے سر قلم کر دیے گئے [الزِّرِکْلی نے عبداللہ بن سعود کی تصویر دی ہے]۔

۵۔ جب ابراہیم پاشا ۱۸۱۹ء کے پہلے نصف میں نجد سے چلا گیا، تو مُشارِی بن سَعُود، یعنی مقتول عبداللہ کا بھائی، دَرعِیّہ میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا [لیکن اس نے اپنا قیام العارض میں رکھا]۔ تھوڑے ہی عرصے بعد حسین بک نے، جسے محمد علی نے اس کے خلاف بھیجا تھا، اسے گرفتار کر کے مصر روانہ کر دیا، لیکن وہ راستے ہی میں مر گیا [۱۲۳۵ھ/ ۱۸۲۰ء]۔ رَاشِد الحنبلی کی تاریخ کی رُو سے اس کا عہدِ حکومت ۱۲۳۳ سے ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۱۸ سے ۱۸۲۰ء تک رہا۔

۶۔ تُرکی بن عبداللہ بن محمد بن سَعُود (۱۲۳۵ - ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۲۰ - ۱۸۳۴ء): مصری حملے کے وقت وہ بھاگ کر سدیر چلا گیا تھا اور مُشاری بن سَعُود (۵) کی

وفات کے بعد اس نے ریاض میں اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش بھی کی؛ لیکن مصریوں نے اسے وہاں سے نکال دیا۔ ۱۸۲۲ء میں وہ ریاض کی کمزور مصری قلعہ نشین فوج پر اچانک ہلّہ بولنے میں کامیاب ہو گیا اور حجاز کے والیوں کے خلاف کبھی کامیاب اور کبھی ناکام جنگ کرنے کے بعد بالآخر اس نے محمد علی کو خراج دینا منظور کر لیا۔ ۱۸۳۰ء میں اس نے الاَحْسَاء کے ضلع پر قبضہ کر لیا، جہاں ترک ۱۸۱۳ء میں متصرّف ہو گئے تھے اور بحرین میں بھی اپنی حکومت قائم کر لی۔ اب دَرْعِیّہ کی جگہ، جو ویران ہو چکا تھا، وہابیوں نے ریاض کو اپنا دار الحکومت بنایا۔ اسے ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۴ء میں

۷۔ مُشَاری بن عبدالرحمٰن بن مُشَاری بن حسن بن مُشَاری بن سَعُود نے قتل کر دیا، لیکن چالیس دن بعد اس پر بھی ہُفُہُوف میں حملہ کر دیا گیا اور فیصل (۶) کے بیٹے نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

۸۔ فَیْصَل بن تُرکی (پہلا دورِ حکومت ۱۲۴۹۔۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۴۔۱۸۳۹ء): ۱۸۳۷ء میں سعود (۳) کے بیٹے خالد نے مصریوں کی مدد سے اس کے خلاف بغاوت کر کے دَرْعِیّہ پر قبضہ کر لیا اور اسے ریاض کے مقام پر شکست دی۔ مصری فوج کے سپہ سالار خورشید پاشا نے ۲۵ رمضان ۱۲۵۴ھ/ ۱۲ دسمبر ۱۸۳۸ء کو فیصل کو الدِّلَم کے مقام پر دوبارہ شکست دی اور اُسے قید کر کے مصر بھیج دیا [لیکن ۱۲۵۹ھ میں وہ وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور الاحساء، القصیم اور العارض پر قابض ہو گیا]۔

۹۔ خالد بن سعود (۱۲۵۵۔۱۲۵۷ھ/ ۱۸۳۹۔۱۸۴۱ء): [ابراہیم پاشا سے جنگ کے بعد اس نے مصر میں پرورش پائی تھی۔ اس نے محمد علی پاشا کی امداد سے ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۵ء میں فیصل بن تُرکی پر حملہ کیا اور ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۸ء میں اس پر فتح پائی اور امام مسقط سے بھی خراج کا مطالبہ کیا۔] ۱۸۴۰ء میں مصری فوجوں کی واپسی کے بعد عبداللہ بن ثُنَیّان نے اسے دسمبر ۱۸۴۱ء میں ریاض سے نکال دیا۔ اس کے بعد [حالات اس کے مخالف ہو گئے اور پہلے ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں الدّمام، پھر کویت اور وہاں سے مکّے ہوتا ہوا] وُہ جدّے چلا گیا، جہاں ۱۸۶۴ء میں فوت ہو گیا۔

۱۰۔ عبداللہ بن ثُنَیّان بن سعود (۱۲۵۷۔۱۲۵۹ھ/ ابتداے ۱۸۴۲ تا ابتداے ۱۸۴۳ء): [پہلے اس نے خالد (۹) کی اطاعت کر لی تھی لیکن پھر مخالف ہو گیا]۔ وہ محض ایک ہی سال حکومت کرنے پایا تھا کہ فیصل (۸) نے، جو ۱۸۴۱ء میں رہائی حاصل کر چکا تھا، ریاض میں اس کا محاصرہ کر کے اسے قید کر لیا اور قید خانے ہی میں [۱۲۵۹ھ/ ۱۸۴۳ء میں] اس نے وفات پائی۔ [فیصل نے نمازِ جنازہ پڑھائی]۔

۱۱۔ فیصل بن تُرکی (دوسرا دورِ حکومت ۱۲۵۹ - ۱۲۸۲ھ/ ابتداے ۱۸۴۳ تا ابتداے دسمبر ۱۸۶۵ء): اپنے عاقلانہ اور امن پسندانہ تدبّر سے اس نے اپنے خاندان کی حکومت نجد میں قائم کر لی۔ اس کے زمانے میں جَبَل شَمَّر کے حاکم ابن رشید [رکّ بآن] نے، جو اس کے حلیف تھے، ابھرنا شروع کیا۔ مصر اور سلطان کے ساتھ اس کے تعلّقات اچھے تھے۔ اسی کے عہد میں پال گریو (Palgrave) نے ۱۸۶۲۔۱۸۶۳ء میں اس کے ملک کا سفر کیا اور پھر پلّی (Pelly) نے ۱۸۶۵ء میں۔ ۱۳ رجب ۱۲۸۲ھ/ ۲ دسمبر ۱۸۶۵ء کو فیصل [ریاض میں] بیٹھے سے مر گیا۔ [آخری عمر میں اس کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اس کے چار بیٹے تھے: عبداللہ، محمد، سعود اور عبدالرحمٰن]۔

۱۲۔ عبداللہ بن فیصل بن تُرکی [م ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء] (پہلا دورِ حکومت ۱۲۸۲ - ۱۲۸۷ھ/ ابتداے دسمبر ۱۸۶۵ء تا ابتداے ۱۸۷۱ء): [اپنے والد کی وفات پر مسند نشین ہوا]۔ ۱۲۸۷ھ میں اسے اس کے بھائیوں نے تخت سے اتار دیا۔

۱۳۔ سعود بن فیصل بن تُرکی (۱۲۸۷ - ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۱ - ۱۸۷۴ء): اس کے عہد کے آغاز میں ترکوں نے عبداللہ کی دعوت پر، جو جلاوطن تھا، [الاحساء] اور قَطِیف پر قبضہ کر لیا اور سعود کی انھیں واپس لینے کی متواتر کوششوں کے باوجود وہ ان جگہوں پر قابض رہے۔ [۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء میں سعود کی وفات ہوئی]۔

۱۴۔ عبداللہ بن فیصل بن تُرکی (دوسرا دورِ حکومت ۱۲۹۱ - ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۷۴ - ۱۸۸۴ء): سعود کی وفات پر اس نے دوبارہ تخت حاصل کر لیا اور محمد اور سعود کے بیٹوں کے علی الرغم، جو اس کے دعوے دار تھے، وہ اس پر قابض رہا۔ ۱۸۸۳ء میں حائل کے حکمران محمد بن رشید سے اس کی جنگ چھڑ گئی اور اس کے بھتیجوں یعنی سعود کے بیٹوں نے ۱۸۸۴ء کی ابتدا میں اسے جلاوطن کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

۱۵۔ محمد بن سعود تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت تھوڑے عرصے تک رہی۔ اس کا جانشین اس کا چچا

۱۶۔ عبدالرحمٰن بن فیصل (؟) ہوا (۱۸۸۶ء؟)۔ [پیدائش ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۲ء؛ وفات ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء۔] وہ شاہ سعود کا دادا تھا۔ وہ دو بار تخت نشین ہوا۔ پہلے اپنے بھائی سعود کی وفات کے بعد، لیکن ایک سال کے بعد ہی اس نے اپنے بھائی عبداللہ کے لیے تخت خالی کر دیا؛ بہرحال وہ ایک بار پھر برسرِ اقتدار آ گیا، لیکن محمد بن رشید نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ

۱۷۔ عبداللہ بن فیصل کو تیسری مرتبہ (۱۸۸۷؟ - ۱۸۸۸ء؟) تخت پر بٹھا دیا۔ عبداللہ غالبًا ۱۸۸۸ء میں انتقال کر گیا [قبّ الزِّرِکْلی، جہاں سالِ وفات ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء دیا گیا ہے] اور اس کے بعد ریاض حائل کی ماتحتی میں آ گیا، اس کے باوجود کہ عبدالرحمٰن نے خالی تخت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کئی بار کوشش کی۔ ۱۸۹۱ء میں محمد بن رشید نے ریاض کو فتح کر لیا اور ۱۸۹۲ء میں اس نے

۱۸۔ فیصل کے تیسرے بیٹے محمد کو ریاض کا امیر مقرّر کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمد کی وفات پر (جس کی تاریخ نامعلوم ہے) ریاض پر ابن رشید کے عُمّال کی حکومت رہی۔

۱۹ - عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن فیصل [پیدائش ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء؛ وفات ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء؛] (از ابتداے ۱۹۰۲ء): کویت کے شیخ مبارک کی مدد سے، جس کے پاس اس کے باپ نے پناہ لی تھی، اس نے ۱۹۰۲ء میں حکومت کا تختہ الٹ کر ریاض پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور حائل کے ابن رشید کے مقابلے میں اس پر برابر قابض رہا۔ انھوں نے بالآخر ترکوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا، تاہم اس بدنظمی کی بدولت جو حائل میں پھیل رہی تھی اور عام لوگوں کی مدد سے، جنھیں سعود کے خاندان سے محبت تھی، عبدالعزیز سلطنتِ ریاض کے اقتدار کو از سرِ نو قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

[موجودہ المملکۃ السّعودیۃ العربیہ کا بانی، جس میں نجد اور حجاز دونوں شامل ہیں، یہی عبدالعزیز تھا۔ ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو اس کے بادشاہِ حجاز ہونے کا اعلان کیا گیا اور اس نے سلطان کا لقب ترک کر کے بادشاہِ حجاز و نجد و متعلّقات کا لقب اختیار کر لیا۔ ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء کو اس کے اَور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، جس کی رُو سے برطانیہ نے مملکتِ نجد و حجاز کی مکمّل آزادی کو تسلیم کر لیا۔ ۱۹۳۲ء میں مملکت کا نام المملکۃ السّعودیۃ العربیہ رکھا گیا۔ ۱۹۳۷ء میں ایک معاہدہ یمن سے بھی ہوا، جس کی رو سے دونوں مملکتوں کی سرحدیں معیّن کر دی گئیں اور ۱۹۴۲ء میں برطانیہ نے شیخ کویت کی طرف سے ایک اَور معاہدہ کر کے نجد اور کویت کے مابین دوستانہ تعلّقات اور تجارتی مراسم طے کرائے، عبدالعزیز نے ۱۹۵۳ء میں طائف میں وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا

۲۰ - سعود (پیدائش ۱۹۰۵ء) اسی سال ۹ نومبر کو تخت نشین ہوا۔ اس کا بھائی فیصل بن عبدالعزیز حجاز کا والی، ولی عہدِ سلطنت اور وزیرِ اعظم و وزیرِ خارجہ ہے۔ مملکت ابھی تک دو صوبوں، یعنی نجد اور حجاز، میں منقسم ہے اور ریاض اور مکہ دونوں دارالسلطنت ہیں۔ جھنڈے کا رنگ سبز ہے اور اس پر سفید رنگ کی دو تلواریں ایک دوسرے کو قطع کرتی ہوئی بنی ہیں اور کلمۂ طیّبہ لکھا ہے۔ مملکت کا کل رقبہ کم و بیش ۱۵۰,۰۰۰ مربع میل اور آبادی تقریباً ۲۰ لاکھ ہے۔ مملکت کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ تیل ہے جو خلیج فارس کے ساحل سے برآمد ہوتا ہے یہاں چند سونے کی کانیں بھی ہیں]۔

مآخذ: (۱) راشد بن علی الحنبلی: مُثِیر الوَجد فی معرفۃ أنساب مُلُوک نَجد (خاندان ابن سعود کا شجرۂ نسب اور ان کی مختصر تاریخ ۱۲۹۱ھ تک، مخطوطہ مصنفِ مادّہ کے پاس ہے)؛ (۲) عثمان بن عبداللہ بن بشر: عُنوان المَجد فی تأریخ نَجد، بغداد ۱۳۲۸ھ؛ (۳) احمد بن زَینی دَحْلان: الفتوحات الاسلامیۃ (مکہ ۱۳۰۲ھ)، ۲: ۲۰۲ - ۲۰۹؛ (۴) Ed. Scott Waring: *A tour to Sheeraz*، لنڈن ۱۸۰۷ء، باب ۳۱؛ (۵) [J. L. Rousseau]: *Description du Pachalik de Baghdad*، پیرس ۱۸۰۹ء؛ (۶) وہی مصنف: *Notice sur la secte des Wahabis*، در *Fundgruben des Orients*، ۲: ۱۹۱ - ۱۹۸؛ (۷) Corancez: *Histoire des Wahabis depuis leur origine jusqu'à lafin de 1809*، پیرس ۱۸۱۰ء؛ (۸) [Rousseau]: *Mémoire sur les trois plus fameuses sectes du Musulmanisme*، پیرس ۱۸۱۸ء؛ (۹) Sadlier: *Diary of a journey across Arabia during the year 1819*، بمبئی ۱۸۶۶ء؛ (۱۰) John Lewis Burckhardt: *Notes on the Bedouins and Wahabys*، لنڈن ۱۸۳۱ء؛ (۱۱) Felix Mengin: *Histoire d l' Égypte sous le Gouvernement de Mohammed-Aly*، پیرس ۱۸۲۳ء؛ (۱۲) Jules Planat: *Histoire de la régénération de l' Égypte*، پیرس ۱۸۳۰ء؛ (۱۳) Jomard: *Études géographiques et Historiques sur l' Arabie*، پیرس ۱۸۳۹ء؛ (۱۴) W. J. Bankes: *Narrative of the Life and Adventures of Giovanni Finati... Who made the Campaigsn against the Wahabees*، لنڈن ۱۸۳۰ء؛ (۱۵) Harford Jones Brydges: *An Account of his Majesty's Mission to the Court of Persia in the Years 1801-1811 = A Brief History of the Wahauby*، ج ۲، لنڈن ۱۸۳۴ء؛ (۱۶) G. A. Wallin، در *Journal of the Geogr. Soc.*، ۲۰ (۱۸۵۱ء): ۲۹۳ - ۳۳۹؛ ۲۴ (۱۸۵۴ء): ۱۱۵ - ۲۰۷؛ (۱۷) *Zeitschr. d. Deutsch. Morg. Ges.*، ۱۱: ۴۲۷ - ۴۴۳ (= جودت: تاریخ، ۹: ۳۶۲ - ۳۷۱) و ۱۷: ۲۱۴ - ۲۲۶؛ (۱۸) *Selections from the Records of the Bombay Government*، عدد ۲۴، سلسلۂ جدید، بمبئی ۱۸۵۶ء؛ (۱۹) William Gifford Palgrave: *Narrative of a Year's Journey through Central and Eastern Arabia*، لنڈن ۱۸۶۵ء؛ (۲۰) Carlo Guarmani: *Il Neged settentrionale*، یروشلم ۱۸۶۶ء؛ (۲۱) Pelly، در *Journ. Geogr. Soc.* ۳۵ (۱۸۶۵ء): ۱۶۹ - ۱۹۱؛ (۲۲) Lady A. Blunt: *A Pilgrimage to Nejd*، لنڈن ۱۸۸۱ء؛ (۲۳) Snouk Hurgronje: *Mecca*، ۱: ۱۳۸ ببعد؛ (۲۴) Ch. M. Doughty: *Travels in Arabia Deserta*، لنڈن ۱۸۸۸ء؛ (۲۵) Ch. Huber: *Journal d'un Voyage en Arabie (1883-1884)*، پیرس ۱۸۹۱ء؛ (۲۶) J. Euting: *Tagbuch einer Reise in Inner-Arabien*، لائڈن ۱۸۹۶ - ۱۹۱۴ء؛ (۲۷) Nolde: *Reise nach Inner-arabien, Kurdistan und Armenien 1892*، بُرنزوِک (Bruns-wich)، ۱۸۹۵ء؛ (۲۸) تالیفات از C. Ritter: *Arabien*، ۲: ۴۷۱ - ۵۲۰ و A. Zehme: *Arabien und die Araber zeit hundert Jahren*، Halle ۱۸۷۵ء؛ (۲۹) Dozy: *Essai sur l' hist. de l' Islamisme*، ص ۴۱۰ ببعد؛ (۳۰) محمد البَتَنُونی: الرحلۃُ الحِجَازِیّۃ، طبع دوم، قاہرہ ۱۳۲۹ھ، ص ۸۷ ببعد؛ ترکی مآخذ: (۳۱) شانی زادہ: تاریخ، ج ۱ تا ۴، بمواضع کثیرہ؛ (۳۲) جودت:

تاریخ، ج۱، ۵، ۷-۱۱؛ بمواضع کثیرہ؛ (۳۳) عاصم: تاریخ، بمواضع کثیرہ؛ (۳۴) ایوب صبری: تاریخ وھابیان، استانبول ۱۲۹۶ھ۔ حال کے اخبارات کے بیانات کو ہارٹمان (M. Hartmann) نے اپنی کتاب (۳۵) *Die Welt des Islams*، ۲: ۲۴-۵۴ میں یکجا کر دیا ہے۔ وہابیوں کی تاریخ بہت سے ناولوں کا موضوع بھی رہی ہے، مثلاً (۳۶) [Pope]: *Anastasius; or Memoires of a Greek, Written at the close of the eighteenth century*، لنڈن ۱۸۱۹ء، ج ۳؛ (۳۷) *"Le rècit de Fatalla Sayeghir"* از Lamartine در *Voyage en orient 1832-1833*، ج ۴ (اس پر قب JA، سلسلہ ۶، ۱۸: ۱۶۵ ببعد)؛ (۳۸) C. von Vincenti: *Die Tempelstürmer Hocharabiens*، برلن ۱۸۷۳ء؛ [انگریزی مآخذ: (۳۹) H. R. P. Dickson: *The Arab of the Desert*، لنڈن ۱۹۴۹ء؛ (۴۰) H. St. J. B. Philby: *Saudi Arabia*، لنڈن ۱۹۵۵ء؛ (۴۱) K. S. Truitchell و E. J. Jurji: *Saudi Arabia* طبع ثانی، پرنسٹن ۱۹۵۳ء؛ عربی مآخذ (۴۲) الامین الریحانی: تأریخ نجد الحدیث؛ (۴۳) وہی مصنف: ملوک العرب؛ (۴۴) فؤاد حمزہ: قلب جزیرة العرب؛ (۴۵) وہی مصنف: البلاد العربیة السعودیة؛ (۴۶) حافظ وہبہ: جزیرة العرب فی القرن العشرین؛ (۴۷) خالد الفرج: احسن القصص؛ (۴۸) احمد العطار: صقر الجزیرة؛ (۴۹) ابوعز الدین فرید: آل سعود فی التأریخ؛ (۵۰) محمد صبیح: الملک ابن سعود؛ (۵۱) نجیب نصار: الرجل؛ (۵۲) عبداللہ حسین: الملک عبدالعزیز؛ (۵۳) محی الدین رضا: لمحة من سیرة الملک عبدالعزیز؛ (۵۴) عمر ابو النصر: سید جزیرة العرب؛ (۵۵) عبدالحمید الخطیب: الامام العادل؛ (۵۶) مصطفٰی حفناوی: ابن سعود؛ (۵۷) Kenneth Williams: *Prince of Arabia*، اس کا عربی ترجمہ: ابن سعود، سید النجد و ملک الحجاز؛ (۵۸) محمود آلوسی: تاریخ نجد؛ (۵۹) عشائر العراق؛ (۶۰) مجلة لغة العرب، ج ۳؛ (۶۱) الزرکلی: الاعلام، ۲: ۶۶، ۳۳۶ و ۳: ۹، ۱۴۲ و ۴: ۹۶، ۱۴۲، ۱۵۲، ۲۰۲، ۲۲۲، ۲۵۳ و ۵: ۱۷، ۳۴ و ۸: ۱۲۶ ببعد؛ (۶۲) ام القری، ۲۶ ذوالحجہ ۱۳۴۶ھ و ۴ محرم ۱۳۴۷ھ و ۱۰ صفر ۱۳۴۷ھ؛ (۶۳) انطوان زیشکا (Antoin Ziscka): *Ibn Sêoud Roi de l'Arabie*، فرانسیسی میں، ابن سعود، ملک البلاد العربیة؛ (۶۴) عبدالرحیم: عربین ادیت یعنی امیر العربیہ، تامل میں].

(مورٹمان J. H. MORDTMANN)

خاندان ابن سَعُود کا شجرۂ نسب

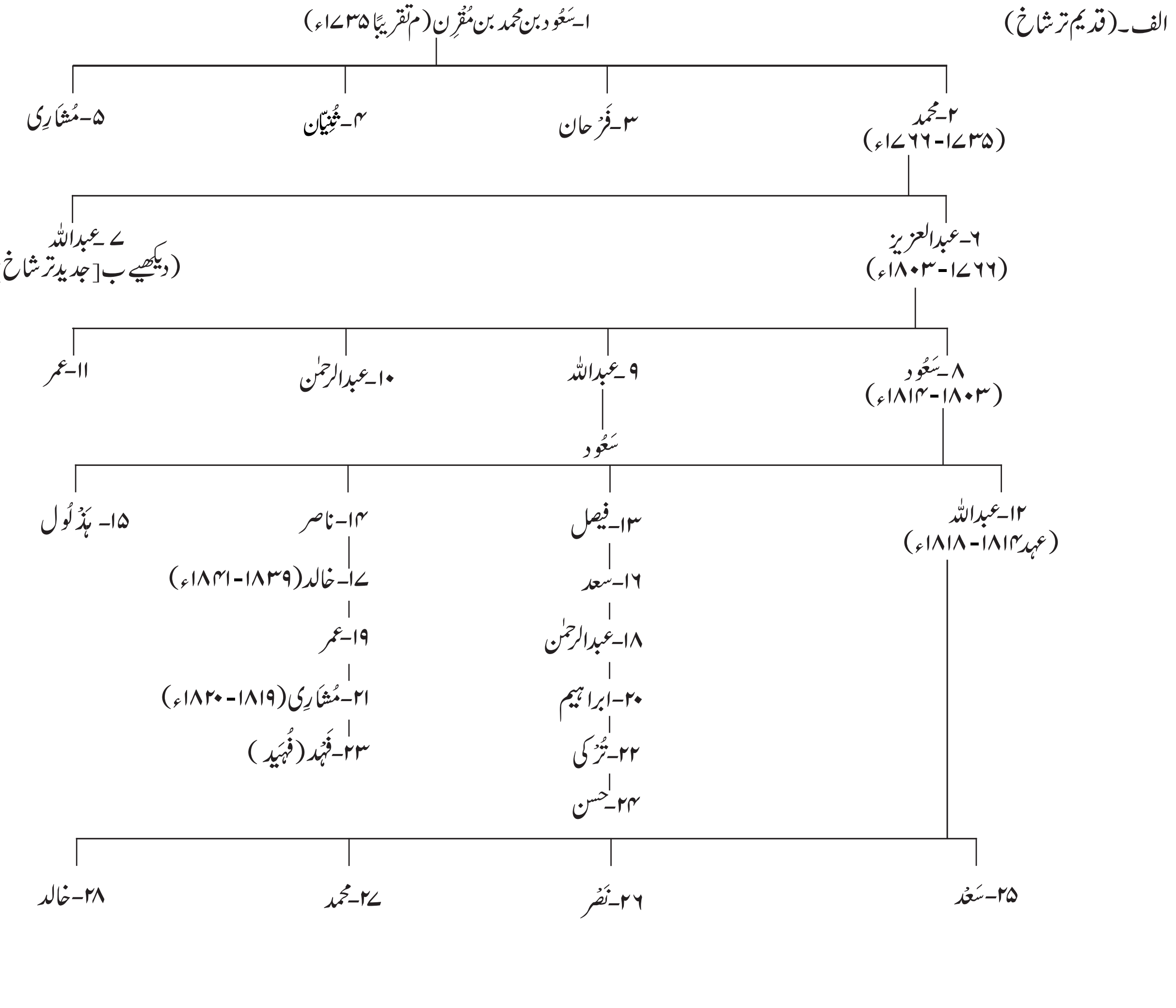

حواشی:

۶ - (عبدالعزیز): ۱۸۰۳ء میں اپنی وفات کے وقت ۸۲ سال کا تھا (Mengin، ۲: ۴۶۷)؛ قب Scott-Waring، ص۱۷۷ از ترجمۂ فرانسیسی.

۸ - (سعود): وفات کے وقت اس کی عمر ۶۸ سال کی تھی (Mengin، ۲: ۲۰)۔ رُوسو (Rousseau) اور برکہارٹ (Burckhardt) کہتے ہیں کہ اس کی عمر ۴۵ اور ۵۰ کے درمیان تھی.

۹ - (عبداللہ): ۱۸۱۵ء میں اس نے الرّس کی عارضی صلح کی (Mengin، ۲: ۱۴ببعد)۔ دَرعِیّہ کی فتح کے بعد ۱۸۱۸ء میں اس کا بیٹا سعود مارا گیا (وہی کتاب، ص ۱۳۱؛ شانی زادہ، ۲: ۳۸۳).

۱۰ - (عبدالرحمٰن): ۱۸۱۸ء میں اسے جلاوطن کر کے مصر بھیج دیا گیا.

۱۱ - (عمر): ۱۸۱۸ یا ۱۸۲۰ء میں اپنے بیٹوں کے ساتھ اسے جلاوطن کر کے قاہرہ بھیج دیا گیا.

۱۲ - (عبداللہ) کی ایک تصویر Mengin نے دی ہے.

۱۳ - (فیصل): ۱۸۱۸ء میں دَرعِیّہ کے محاصرے کے دوران میں مارا گیا (Mengin، ۲: ۱۲۹).

۱۴ - (ناصر): مسقط پر ایک حملے کے دوران میں مارا گیا (Burckhardt، ۲: ۱۲۲).

۱۶ - (سعد)، ۱۷ - (خالد)، ۲۳ - (فہد)، ۲۴ - (حسن)، ان سب کو جلاوطن کر کے ۱۸۱۸ء میں قاہرہ بھیج دیا گیا.

۲۲ - (ترکی) نے عراق اور شام پر حملہ کیا (Burckhardt، ۲: ۱۲۲).

۲۵ - (سَعُود) نے ۱۸۱۸ء میں دَرعِیّہ کے قلعے کو بچایا اور ۱۸۱۸ء میں اسے اس کے بھائیوں نصر اور محمد کے ساتھ جلاوطن کر کے قاہرہ بھیج دیا گیا (Mengin، ۲: ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۵۸).

۲۸ - (خالد کا ذکر صرف ایوب صبری نے ص ۲۶۶ پر کیا ہے، جو غالباً شمارہ ۱۷ سے التباس ہے.

ب (جدید تر شاخ)

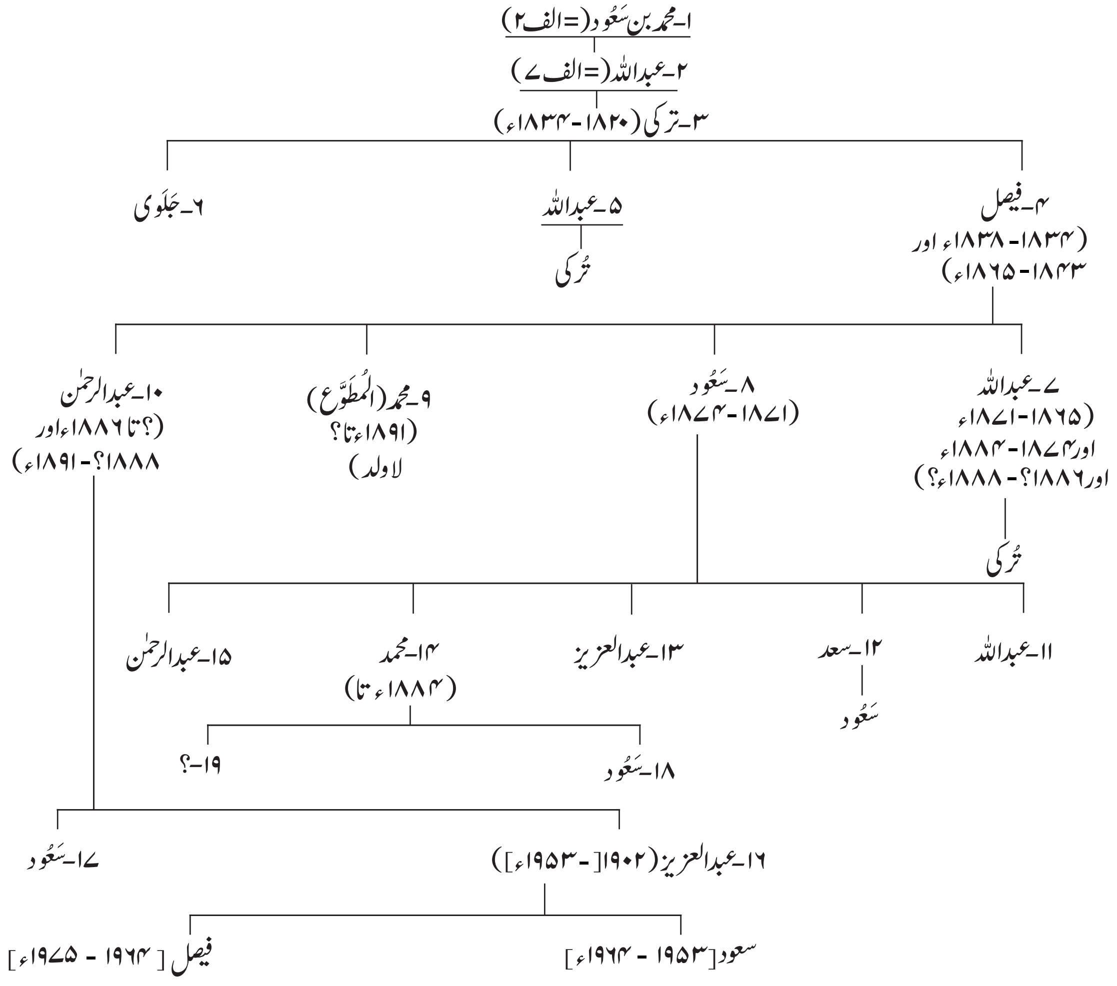

حواشی:

۲ - (عبداللہ): اس کا ذکر Mengin نے ۲: ۴۸۲ پر (۱۷۷۸ء) اور Carancez نے ص ۴۶ پر کیا ہے (تخت نشینی: ۱۸۰۳ء).

۳ - (تُرکی): Blunt، ۲: ۲۶۹، کے بیان کے مطابق اس کے دو اَور بھائی ابراہیم اور محمد تھے.

۵ - (عبداللہ: قب Blunt، ۲: ۲۶۶.

۶ - (جَلَوی): ۱۸۷۷ء تک زندہ تھا، دیکھیے Doughty، ۲: ۴۲۸؛ اس کے پانچ بیٹے تھے: فہد، محمد، سَعُود، مُساعِد اور عبدالمحسن.

۹ - (محمد): Nolde، ص ۸۹، کے بیان کے مطابق ۱۸۹۲ء میں وہ ابھی ۴۰ سال کا نہ ہوا تھا، مگر اس بیان کی صحت میں شک ہے (قب Palgrave، ۱: ۱۲۹ بعد؛ Doughty، ۲: ۴۳۰ اور Huber: *Journal*، ص ۱۶۲.

۱۰ - (عبدالرحمٰن): Palgrave کے بیان کے مطابق (۲: ۷۵) ۱۸۶۳ء میں اس کی عمر ۱۰ اور ۱۲ سال کے درمیان تھی، Blunt، ۲: ص ۲۶۷.

----

* **ابن سَعِید**: ابوالحسن [نور الدّین] علی بن موسیٰ المُغربی، ایک عرب ماہرِ لسانیات، جو [۲۲ رمضان] ۶۱۰ھ/ [۵ فروری] ۱۲۱۴ء (دوسروں کے قول کے مطابق ۶۰۵ھ/ ۱۲۰۸ء) کو غرناطہ کے قریب قلعہ یَحْصُب (Alcalá la Real) میں پیدا ہوا اور اشبیلیہ میں تعلیم حاصل کی [وہ حضرت عمارؓ بن یاسر کی نسل سے تھا]۔ اپنے باپ کے ہمراہ وہ حج کے لیے مکّے روانہ ہوا، لیکن جب یہ دونوں ۶۳۹ھ/ ۱۲۴۱-۱۲۴۲ء میں اسکندریہ پہنچے تو اس کے باپ کا ۶۴۰ھ/ ۱۲۴۳ء میں وہیں انتقال ہوگیا۔ وہ خود اسکندریہ میں ٹھیرا رہا، لیکن ۶۴۸ھ/ ۱۲۵۰ء میں اس نے بغداد کا سفر کیا اور وہاں سے کمال الدّین [رَتّ بَآن] کے ساتھ حلب گیا اور پھر دمشق، موصل، بغداد، بصرے اور مکّے پہنچا۔ اس کے بعد وہ تونس گیا اور وہاں ابوعبداللہ المستنصر کی ملازمت اختیار کر لی۔ ۶۶۶ھ/ ۱۲۶۷ء میں اس نے دوبارہ مشرق کا سفر کیا اور اسکندریہ اور حلب کے راستے اَرْمِینِیَہ پہنچا۔ پھر وہ تونس واپس آیا اور ۶۷۳ھ/ ۱۲۷۴ء میں دمشق واپس پہنچ کر فوت ہوگیا۔ ایک اَور بیان کے مطابق اس نے ۶۸۵ھ/ ۱۲۸۶ء میں تونس میں وفات پائی۔ اس نے مغرب کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام المُغْرِب فِی حُلَی [اھل] المَغرب ہے۔ [اس کا صرف ایک حصّہ ہی طبع ہوا ہے،] قب K. Vollers: *Fragmente aus dem Mughrib des Ibn Sa'īd. Semitist. Studien*، جزا؛ Ibn Sa'īd: *Kitab al Mughrib......., Buch IV, Gesch. der Ihšīden.....Textausg.* etc. از K. L. Tallquist، لائڈن ۱۸۹۹ء۔ اس نے کئی اَور کتابیں بھی لکھیں جن کے نام براکلمان (Brockelmann) اور Pons Boigues نے تفصیل سے دیے ہیں۔ [اس کی کتاب بعنوان المرقصات والمطربات بھی چھپ چکی ہے، مصر ۱۲۸۶ھ].

مآخذ: (۱) براکلمان، ۱: ۲۳۶ بعد [وتکملہ، ۱: ۵۷۶]؛ (۲) Pons Boigues: *Ensayo Bio-Bibliographico*، ص ۳۰۶ بعد؛ نیز قب وہ مآخذ جن کا ذکر یہاں اور براکلمان (Brockelmann) میں کیا گیا ہے؛ [(۳) ابن فضل اللہ العمری: مسالک الابصار، ورق ۹۶؛ (۴) ابن فرحون: الدِّیباج المُذَھَّب، ص ۲۰۸؛ (۵) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، عمود ۱۷۴۷].

⊗* **ابن السِّکّیت**: ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق السّکیت۔ جہاں تک نحو و لغت کا تعلّق ہے ابن السّکیت کوفی مذہب کا پیرو تھا۔ اس کی ولادت تقریباً ۱۸۶ھ میں ہوئی۔ ابن السّکیت کے والد اسحٰق السّکیت کے متعلّق ہمارے پاس زیادہ معلومات نہیں ہیں اس کے سوا کہ وہ قصبۂ دَوْرَق کا، جو بلاد خوزستان میں واقع ہے، باشندہ تھا اور یہ کہ وہ عربی لغت و شعر میں خاصی دسترس رکھتا تھا۔ ابن السّکیت خود بظاہر بغداد میں پیدا ہوا تھا.

معلوم ہوتا ہے کہ ابن السّکیت نے عربی صرف و نحو کے ابتدائی اصول اپنے والد سے سیکھے اور چھوٹی ہی عمر میں تدریس کا کام شروع کر دیا اور بغداد کے محلّۂ دَرْب القنطرہ کے مدرسے میں، جہاں اس کا والد بچوں کو تعلیم دیا کرتا تھا، وہ بھی اس کے معاون کی حیثیت سے پڑھانے لگا۔ تدریس کا یہ کام بالکل ادنٰی درجے کا ہوگا، کیونکہ جب اسے کسبِ معاش کی فکر دامن گیر ہوئی تو اس نے ابوعمرو اسحٰق بن مُرار الشَّیبانی سے تحصیلِ علم شروع کر دی۔ ان دنوں علم صرف و نحو اور علومِ لُغویہ کا بڑا چرچا تھا اور ہر ذہین و ہونہار طالب علم انھیں علوم میں کمال حاصل کرنا چاہتا تھا۔ روایت ہے کہ ایک بار حج کے موقع پر اس کے والد نے دعا مانگی کہ خدایا! میرے بیٹے کو صرف و نحو کا عالم بنا.

اگرچہ عربی صرف و نحو میں وہ کوفی دبستانِ فکر کا پیرو تھا تاہم زبان اور صرف و نحو کی تکمیل کے لیے اس نے بصری دبستان کی طرف بھی رجوع کیا۔ علاوہ بریں کوفی مدرسۂ فکر اپنی انفرادیت کھو چکا تھا اور کُوفی علما خود بغداد کی طرف رخ کرنے لگے تھے، کیونکہ وہ اس زمانے میں مرکزِ علوم بن چکا تھا۔ اس طرح عربی صرف و نحو کی تحصیل کے لحاظ سے وہ کوفی تھا، مگر پیدائش اور تحصیلِ علوم کے لحاظ سے اس کا ذکر بغداد کے علما میں ہوتا ہے، جہاں اس نے ساری عمر بسر کی۔ ابن الندیم اس کا ذکر بغداد کے ان عالموں کے ساتھ کرتا ہے جنھوں نے کوفیوں کے ساتھ تحصیلِ علوم کی۔ المبرّد بھی اس کے شاہکار اصلاح المنطق کا ذکر کرتے ہوے اسے بغداد کے علما میں شمار کرتا ہے.

علومِ لُغویہ کے مطالعے کے لیے ابن السّکیت کو اپنے زمانے سے بہتر زمانہ نہیں مل سکتا تھا، کیونکہ اسی زمانے میں ان علوم کے بہترین علما مثلاً ابوعمرو الشّیبانی، الفرّاء، ابوعبیدہ، الاصمعی، ابو زید الانصاری، ابوعبید القاسم بن سلّام اور ابن الاعرابی وغیرہ، لغوی تحقیقات میں مصروف تھے اور ان کے پیش رو محقّقین ابوعمر

العلاء، خلیل بن احمد، سِیْبُوَیہ، الکسائی وغیرہ کا دور بھی گزر چکا تھا۔ ابن السّکیت نے علم العربیہ کی تکمیل کے لیے انھیں علما کی طرف رخ کیا اور انھیں کی علمی ضیا پاشیوں کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا۔ یاقوت اور سُیُوطی کے بیان کی رُو سے اس نے ابوعمرو الشیبانی، الفرّاء، ابن الاعرابی اور الاثرم سے براہِ راست اخذِ علم کیا، لیکن الاصمعی، ابوعبیدہ اور ابوزید سے اس نے بالواسطہ روایت کی۔ ابن الندیم یہ بھی لکھتا ہے کہ ابن السّکیت صحرا کے فصیح البیان عربوں سے بھی ملتا رہتا تھا اور جو کچھ ان سے حاصل کرتا تھا اس کو وہ اپنی تصانیف میں درج کر دیتا تھا۔

اس کی اوّلین حیثیت ایک لغوی کی ہے۔ زَبِیدی طبقات میں اس کا شمار علماے لغت میں کرتا ہے۔ الانباری بھی اسے بہت بڑا لغوی بتاتا ہے۔ ثعلب نے ایک بار اس کے متعلّق کہا تھا کہ تمام احباب کا اس پر اتفاق ہے کہ ابن الاعرابی کے بعد عربی زبان کا عالم ابن السّکیت جیسا کوئی اَور نہیں ہوا۔ مختصر یہ کہ عربی زبان اور قدیم عربی شعر میں اس نے خاص طور پر کمال حاصل کیا تھا، کیونکہ اس زمانے میں مؤخّرالذّکر کا مطالعہ اوّل الذّکر کے مطالعے کے لیے ازبس ضروری تھا۔

ابن السّکیت بغداد کے اکثر شرفا کے بیٹوں کو بھی پڑھایا کرتا تھا۔ خلیفہ المتوکّل نے بھی اپنے دو بیٹوں المعتز اور المؤیّد کی تعلیم و تربیّت اس کے سپرد کر دی تھی۔ غالبًا وہ اپنا زیادہ وقت عربی زبان اور عربی شعر پر درس دینے میں صرف کرتا تھا؛ چنانچہ اس نے اصلاح المنطق اور چند اَور تصانیف بوقتِ درس بطورِ املا لکھوائی تھیں۔

ان علما میں جنھوں نے ابن السّکیت سے روایت کی ابوعکرمہ الضبّی، ابوسعید السُّکری ابوحنیفہ احمد بن داؤد الدِّیْنَوری، المفضّل بن سلمہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ عربی زبان اور ضمنًا تنقیدِ شعر میں اصلاح المنطق اور کتاب الالفاظ اس کی دو اہمّ تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ اس نے عرب شعرا کے تقریبًا تیس دیوان مع حواشی مرتّب کیے۔ ان دواوین میں اس نے اپنے پیشروؤں خصوصًا الشیبانی کی تحقیقات کو بھی شامل کیا، جس کے متعلّق کہا جاتا ہے کہ اس نے تقریبًا اسّی دیوان مرتّب کیے۔ ابن خَلّکان اس کی تصانیف کے متعلّق بہت اچھی راے رکھتا ہے۔ وہ یہ بھی روایت کرتا ہے کہ بغداد کے عالموں کا خیال ہے کہ بغداد میں اس سے پیشتر عربی زبان پر اصلاح المنطق جیسی کتاب نہیں دیکھی گئی تھی۔ ابن السّکیت کی فضیلت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عربی لغت کے مدوّن اپنی کتابوں میں ابن السّکیت کا حوالہ بارہا دیتے ہیں۔ یاقوت نے اس کی فضیلت کا اعتراف ان جامع الفاظ میں کیا ہے: ''وہ علم قرآن اور صرف و نحو میں مہارت تامّہ رکھتا تھا، عربی زبان اور عربی شعر کا ایک بہت بڑا عالم تھا، صحت روایت کا بہت پابند تھا اَور ابن الاعرابی کے بعد اس جیسا کوئی نہیں ہوا''۔

ابن السّکیت کی زندگی کا آخری حصّہ المناک ہے۔ اس کے مذہبی خیالات پر تشیّع کا رنگ غالب تھا اور اسے حضرت علیؓ اور اہل بیتؓ سے والہانہ عقیدت تھی۔ وہ صرف المعتزّ کا استاد ہی نہیں تھا بلکہ خلیفہ المتوکّل کا ندیم بھی ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ دربار میں اس نے جوش میں آ کر کہہ دیا کہ حضرت علیؓ کا تو ذکر ہی کیا، قنبر ان کا ادنٰی غلام بھی رتبے میں المتوکّل اور اس کے بیٹوں سے اعلٰی ہے۔ خلیفہ اس بات پر بہت مشتعل ہو گیا اور اپنے تُرکی محافظ دستوں کو حکم دیا کہ اسے گھوڑوں کے پاؤں تلے روند دیں؛ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک اَور روایت یہ ہے کہ اس کی زبان بھی کٹوا دی گئی؛ اسے زخموں سے نڈھال گھر لائے، جہاں اس نے ۵ رجب ۲۴۴ھ/ ۱۷ اکتوبر ۸۵۸ء کو اٹھاون سال کی عمر میں اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ بعض دوسری روایات کی رُو سے اس کا سالِ وفات ۲۴۳، ۲۴۵، یا ۲۴۶ھ ہے۔

ہمارے پاس اس کی مندرجۂ ذیل تصانیف موجود ہیں:

(۱) کتاب اِصلاح المنطِق، یہ فلسفۂ لغت کی کتاب ہے، جو قاہرہ میں شائع ہوئی، غیر مؤرّخ، [حیدر آباد دکن میں بھی ۱۳۵۴ھ میں طبع ہو چکی ہے]؛

(۲) کتاب الالفاظ [یا تہذیب الالفاظ]، طبع شیخو، بیروت ۱۸۹۶-۱۸۹۸ء، مع شرح از الخطیب التبریزی موسومہ بہ کنز الحُفّاظ، ۱۸۹۵-۱۸۹۸ء؛ [اس کا اختصار بھی مختصر تہذیب الالفاظ کے نام سے چھپ چکا ہے، بیروت ۱۸۹۷ء]؛

(۳) شرح دیوان الخنساء، جسے شیخو نے خنساء کے دیوان کی اشاعت میں استعمال کیا ہے (بیروت ۱۸۹۶ء)؛

(۴) شرح دیوان عُرْوَۃ بن الوَرْد، در مجموع مشتمل علی خمسة دواوین وغیرہ، قاہرہ (قب نولدیکہ (Noldeke): *Die Gedichte des 'Urwa ibn Alward*، گوٹنگن ۱۸۶۳ء)؛

(۵) کتاب القلب والابدال، طبع ہفنر (Haffner) [بیروت ۱۹۰۳ء، نیز *Texte zur arab. Lexikographie* لائپزگ ۱۹۰۵ء، (ص ۳-۶۵)؛

(۶) شرح (؟) دیوان طفیل الغنوی، دیکھیے F. Krenkow کا مقالہ در *JRAS*، ۱۹۰۷ء؛

(۷) کتاب الاضداد، طبع Haffner، بیروت ۱۹۱۴ء؛

(۸) شرح دیوان قیس بن الخطیم، طبع Th. Kowalski، لائپزگ ۱۹۱۴ء۔

مآخذ: (۱) ابن النّدیم: الفہرست، ۱: ۷۲؛ (۲) ابن خَلِّکان: وَفَیات، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۲: ۳۰۹؛ (۳) ابوالفداء: تأریخ، قسطنطینیہ ۱۲۸۶ھ، ۲: ۴۳؛ (۴) الخطیب البغدادی: تأریخ بغداد [مصر ۱۹۳۱ء، ۱۴: ۲۷۳]؛ (۵) السُّیُوطی: بغیة الوعاۃ، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۴۱۸؛ (۶) الانباری: نزھة الالبّاء، قاہرہ ۱۲۹۴ھ، ص ۲۳۸؛ (۷) یاقوت الحموی: ارشاد [طبع احمد فرید، ۲۰: ۵۰]؛ (۸) الزبیدی: طبقات (*RSO*، ص viii)؛ [(۹) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۷۶۶؛ (۱۰) یافعی: مرآۃ الجنان، ۲: ۱۴۷ ببعد]؛ (۱۱) ابن العماد: شذرات [۲: ۱۰۶] (۱۲) ابن خیر الاشبیلی: فہرست؛ (۱۳) de Sacy: *Anthol. Gramm.*، ص ۱۳۷؛ (۱۴) شیخو، ابن السّکیت کے مطبوعہ نسخے کے دیباچے میں؛ (۱۵) محمد بن شنب: *Etude sur*

les pers. ment. dans. l' idjāza du Cheikh Abdal Ḳadir-al-Fāsī، عدد ۲۳۷؛ (۱۶) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۱۷ ببعد [وتکملہ، ۱: ۱۸۰]؛ (۱۷) Huart: *A History of Arabic Lit.*، ص ۱۵۲؛ (۱۸) سید عابد احمد علی: *Ibn as-Sikkit*، مطبوعۂ شیخ محمد اشرف لاہور.

(محمد بن شنب [و عابد احمد علی])

⊗ **ابن السُنّی**: ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق المعروف بہ ابن السُنّی الدِیْنَوَری الشافعی، مشہور عالمِ حدیث اَور جعفر بن ابی طالب کے مولٰی، جنھوں نے اَسّی سال سے زیادہ عمر پائی اَور ۳۶۴ھ/ ۹۷۴ء میں فوت ہوے۔ علمِ حدیث کی تحصیل کے لیے وہ اکثر سفر میں رہتے تھے۔ انھوں نے بہت سی کتب تالیف کیں، مثلاً (۱) عمل الیوم واللّیلة (یا عمل یوم ولیلۃٍ، دیکھیے شذرات): اس میں دن رات کے ضابطۂ اوقات کے لیے نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی احادیث جمع کی گئی ہیں؛ اسی موضوع پر امام نسائی، ابونعیم اصفہانی، سیوطی اور المنذری نے بھی احادیث جمع کی ہیں، لیکن ابن السُنّی کی کتاب زیادہ جامع ہے۔ اس کے مخطوطات بانکی پور، رام پور اور برلن میں محفوظ ہیں، طبع اوّل حیدر آباد دکن ۱۳۱۵ھ، حجم ۲۴۸ صفحات؛ (۲) قناعت پر ایک رسالہ؛ (۳) المجتبٰی: سنن نسائی کی تلخیص.

ناقدینِ حدیث نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کے اساتذہ میں امام نسائی، عمر بن عبدان بغدادی، ابوخلیفہ الجمحی، ابوعروبہ الحرّانی، زکریا السّاجی اَور الزّملکانی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ علی بن عمر الاسد آبادی، عبداللّٰہ الاصفہانی اور احمد الکسّار وغیرہ ان کے شاگردوں میں سے تھے.

مآخذ: (۱) یافعی: مرآة الجنان، حیدر آباد دکن، ۲: ۳۸۰؛ (۲) سُبکی: طبقات الشافعیة، طبع اوّل، ۲: ۹۶؛ (۳) ذہبی: تذکرة الحفّاظ، حیدر آباد دکن، ۳: ۱۵۱؛ (۴) ابن العماد: شذرات الذھب، ۳: ۴۷؛ (۵) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ۴: ۲۶۸؛ (۶) براکلمان، ۱: ۱۶۵ وتکملہ، ۱: ۲۷۴.

(عبدالمنان عمر)

✱ **ابن سِیدَہ**: ابوالحسن بن اسمٰعیل (یا احمد یا محمد [دیکھیے مفتاح السعادة] [المرسی] بن سِیدَہ، ایک لغوی، ادیب اَور منطقی، جو اندلس میں مُرسِیہ (Murcia) میں پیدا ہوا اور دانیہ میں [تقریبًا] ساٹھ برس کی عمر میں اتوار کے دن ۲۴ یا ۲۵ ربیع الثانی ۴۵۸ھ/ ۲۵ یا ۲۶ مارچ ۱۰۶۶ء کو انتقال کر گیا.

ابن سِیدَہ نابینا تھا۔ اس نے اپنے باپ سے کہ وہ بھی نابینا اَور ایک ممتاز لغت دان تھا، نیز ابو العلاء سعید البغدادی، ابوعمر احمد بن محمد طَلَمَنکی، صالح بن الحسن البغدادی اور دوسرے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اس نے امیر ابوالجیش مجاہد بن عبداللّٰہ العامری کی ملازمت اختیار کر لی اور اس کی وفات پر اس کے جانشین امیر المُوَفَّق کے ساتھ وابستہ رہا۔ چونکہ اس سے پہلے وہ امیر الموفّق کی صحبت سے کسی ناخوشی کی بنا پر اجتناب کیا کرتا تھا، لہٰذا اس نے اس موقع پر ایک طویل معذرت نامہ اس کی خدمت میں بھیجا.

ہم تک اس کی صرف تین تصانیف پہنچی ہیں، یعنی (۱) کتاب المُخَصَّص: یہ ایک ضخیم لغت کی کتاب ہے، جس میں [ثعالبی کی فقہ اللغة کے انداز میں] الفاظ کو [معانی کے اعتبار سے] معینہ اصناف کے مطابق ترتیب دی گئی ہے؛ بولاق میں ۱۳۱۶-۱۳۲۱ھ ۱۷ جلدوں میں چھپی.

(۲) کتاب المُحْکَم والمُحِیطُ الْاَعْظَم: یہ بھی ایک ضخیم اورنہایت عمدہ لغت کی کتاب ہے، جس میں الفاظ کو حروفِ ہجا کے اعتبار سے مرتّب کیا گیا ہے۔ اس ترتیب میں پہلے حرفِ اصلی کا لحاظ رکھا گیا ہے، لیکن ان کی ترتیب یوں رکھی ہے: ع-ح-ھ-خ-غ-ق-ک-ج-ش-ض-ص-س-ز-ط-د-ت-ظ-ذ-ث-ر-ل-ن-ف-ب-م-ء-ی-و؛ *Brit. Mus. Suppl.*، عدد ۸۵۴؛ خدیویہ لائبریری، فہرست، ۴: ۱۸۴ (نامکمّل نسخہ).

(۳) کتاب شرح مُشْکِلِ المُتَنَبِّی، دیوان مُتَنَبِّی کے مشکل اشعار کی شرح؛ خدیویہ لائبریری، فہرست، ۴: ۲۷۳.

مآخذ: (۱) ابن خَلّکان: وفیات، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۱: ۳۴۲؛ (۲) السُیُوطی: بغیة الوُعاة، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۳۲۷؛ (۳) یاقوت: ارشاد الاریب، ۵: ۸۴؛ (۴) الصفدی: نکت الھمیان فی نُکَتِ العُمْیان، قاہرہ ۱۳۲۹ھ، ص ۲۰۴؛ (۵) الضَّبّی: بُغْیَةُ المُلْتَمِس، ص ۴۰۵، عدد ۱۲۰۵؛ (۶) صاعد الاندلسی: کتاب طبقات الامم، بیروت ۱۹۱۲ء، ص ۷۷؛ (۷) ابن بَشْکُوال: کتاب الصلة، ص ۴۱۰، عدد ۸۸۹؛ (۸) براکلمان، ۱: ۳۰۸ ببعد؛ نیز دیکھیے ۲: ۶۹۷ [وتکملہ، ۱: ۵۴۲]؛ (۹) ابن العماد: شذرات الذھب، ۳: ۳۰۵؛ (۱۰) تأریخ ابن کثیر، ۱۲: ۹۵؛ (۱۱) الفتح ابن خاقان: مطمح الانفس، قسطنطینیہ ۱۳۰۲ھ، ص ۶۰؛ (۱۲) ابن فَرحُون: الدّیباج المذھّب، ص ۲۰۴؛ (۱۳) طاش کوپروزادہ: مفتاح السعادة، ۱: ۹۹؛ (۱۴) المَقَّری: نفح الطّیب، بہ امداد اشاریہ].

(محمد بن شنب)

✱ **ابن سِیرِین**: ابوبکر محمد، [کبار تابعین میں سے اور] حسن البصریؒ [رکّ بآن] کے ہم عصر [اور حضرت انسؓ بن مالک کے مولٰی] تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا والد جَرجَرایا کا ایک ٹھٹھیرا تھا، جسے خالدؓ بن الولید عَیْنُ التَّمر سے غلام بنا کر لائے تھے۔ [معجم ما استعجم میں محمد بن سیرین کو عین التمر کے قیدیوں میں ظاہر کیا گیا ہے، لیکن یہ روایت درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ فتح عین التمر ۱۲ھ میں ہوئی اور اس وقت تک ابن سیرین پیدا نہیں ہوے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ بیسان کے جنگی قیدیوں میں سے تھا جسے مغیرہ نے فتح کیا تھا]۔ ان کی والدہ صفیہ [حضرت] ابوبکرؓ کی مولاة تھیں۔ ابن سیرین راویانِ حدیث کے دوسرے طبقے سے تھے اور انھوں نے ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ [رکّ بآن] وغیرھم سے حدیث روایت

کی ہے۔ انھوں نے بصرے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور اپنی بہن حفصہ [اور کریمہ اور دوسرے بھائیوں ــ انس، معبد، یحییٰ ــ] کی طرح وہ بھی اپنے زُہد و تقوی کی وجہ سے مشہور تھے (قب ابن سعد: طبقات، ۸: ۳۵۵ ببعد) اور تعبیر رؤیا میں انھیں حُجّت مانا جاتا تھا؛ چنانچہ متاخّرین نے تعبیر رؤیا میں ان کے نام پر کئی رسالے لکھے، مثلاً منتخبُ الکلام فی تفسیر الاحلام، مطبوعہ قاہرہ ۱۸۶۸ء اور عبدالغنی النابلسی [رک باں]: تأثیر، ج ۱، کے حاشیے پر؛ کتاب تعبیر الرؤیا، جس کا ذکر فہرست، ص ۳۱۶، جیسی قدیم کتاب میں بھی آیا ہے، قاہرہ ۱۲۸۱ھ، لکھنؤ ۱۸۷۴ء، بمبئی ۱۸۷۹ء؛ اور کتاب الجوامع، قاہرہ ۱۸۹۲ء؛ نیز قب Hirschfeld، در *Verhandl. des XIII. internat. Orient. Kongresses*، ہامبرگ، ص ۳۰۷؛ Steinscheider، در *Zeitschr. der Deutsch. Morgenl. Gesells*، ۱۷: ۲۴۳ ببعد؛ Fischer: کتاب مذکور، ص lxviii، ۳۰۴، تعلیقہ ۲ اور جو حوالہ جات وہاں مذکور ہیں۔ ابن سیرین [کی پیدائش بصرے میں نواح ۳۳ھ/ ۶۵۳ء میں ہوئی اور انھوں نے بصرے ہی میں ۹ شوّال] ۱۱۰ھ/ [۱۵ جنوری ۷۲۹ء] کو وفات پائی.

مآخذ: (۱) ابن قُتَیبَہ: معارف، ص ۲۲۶؛ (۲) نَوَوِی، طبع وستنفلٹ (Wüstenfeld)، ص ۱۰۶؛ (۳) طبقات الحُفّاظ، ۳: ۹؛ (۴) ابن سعد: طبقات، ۷/ ۱: ۱۴۰ - ۱۵۰؛ (۵) ابن خَلِّکان: وَفَیات، طبع وستنفلٹ، عدد ۵۷۶؛ [(۶) ابن کثیر: البدایۃ، ۹: ۲۶۷؛ (۷) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۶۸۰؛ (۸) ابن العماد: شذرات، ۱: ۱۳۸؛ (۹) یافعی: مرآۃ الجنان، ۱: ۲۳۲ ببعد؛ (۱۰) ابن تغری بردی: النجوم الزاھرۃ، لائڈن ۱۸۵۱ء، ۱: ۲۹۸؛ (۱۱) الخطیب: تأریخ بغداد، مصر ۱۹۳۱ء، ۵: ۳۳۱ ببعد؛ (۱۲) ابونُعَیم: حِلیۃ، ۲: ۲۶۳ ببعد؛ (۱۳) ابن حجر: تہذیب التّھذیب، ۹: ۲۱۴؛ (۱۴) ابن حبیب: المُحبّر، ص ۳۷۹، ۴۸۰؛ (۱۵) ابن ندیم: الفہرست، طبع فلُوگل، ص ۳۱۶؛ (۱۶) ذیل المذیل، ص ۹۵؛ (۱۷) معجم ما استعجم، ۱: ۳۱۹؛ (۱۸) براکلمان، ۱: ۶۶ [و تکملہ، ۱: ۱۰۲].

⊗* **ابن سینا:** ابوعلی الحسین ابن عبداللہ (لاطینی میں Avicenna، عبرانی میں Aven Sina؛ گو یورپ میں اب ابن سینا کا استعمال عام ہو رہا ہے)، جامع العلوم فلسفی، طبیب، ریاضی دان اور فلکی، دنیاے اسلام کا شہرۂ آفاق سائنس دان (جس کو مشرق نے بجا طور پر ''الشیخ الرئیس''، یعنی تاجدارِ علم و حکمت کے لقب سے یاد رکھا) اور دنیا کی ہر نسل، ہر ملک اور ہر زمانے کے اشہر شہیر اربابِ علم و فضل میں سے ایک۔ بقول ابن ابی اُصَیبِعَہ (طبقات الاَطبّاء، طبع مُلّر (A. Müller)، ۲: ۲ ببعد) ابن سینا کا باپ عبداللہ ماوراء النہر کے سامانی امیر نوح ثانی (۹۷۶-۹۹۷ء) کے عہد میں اپنے وطنِ مالوف بلخ سے بخارا آیا اور اربابِ حکومت میں رسوخ کی بدولت ایک اعلی عہدے پر مامور ہو گیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد جب محکمۂ مالیات میں ایک دوسرا عہدہ ملنے پر اسے بخارا کے نواح میں خرمثین (خَرمَیثا) بھیجا گیا تو اس نے پاس ہی کے ایک قریے اَفشَنَہ میں شادی کر لی اور یہیں صفر ۳۷۰ھ/اگست ۹۸۰ء میں ابن سینا کی ولادت ہوئی۔ چھ برس کی عمر میں اپنے باپ کے ساتھ بخارا پہنچا، جہاں اس کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔ دس سال کی عمر میں اس نے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر مختلف اساتذہ کے ہاں حساب، فقہ اور علم کلام کی تحصیل کی۔ ادب کا مطالعہ وہ اس سے پہلے کر چکا تھا۔ علوم سے رغبت کی وجہ تھی اسمٰعیلی دعاۃ کی صحبت، جو اس کے باپ کے ہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے؛ یہ دوسری بات ہے کہ نفس اور عقل کے بارے میں وہ ان کی گفتگو سے کوئی اثر قبول نہ کرتا۔ منطق، فلسفہ، ہندسہ اور ہیئت (کتاب المجسطی کے آخری اسباق تک) کی تعلیم اس نے ابوعبداللہ الناتلی سے حاصل کی، جو اتفاقاً بخارا آیا اور اس کے باپ کے یہاں ٹھیرا تھا؛ تاہم شاگرد کے ذہنی نشوونما کی رفتار اتنی تیز تھی کہ وہ تھوڑے ہی دنوں میں استاد سے سبقت لے گیا۔ اس دوران میں وہ خود بھی طبیعیات، مابعد الطبیعیات اور طبّ کا مطالعہ کر رہا تھا؛ چنانچہ طبّ میں تو اس نے جلد ہی مہارت پیدا کر لی، بلکہ علاج معالجے اور براہِ راست تجربوں اور مشاہدوں کی مدد سے اپنی معلومات کی تکمیل بھی کرتا رہا۔ کہتے ہیں کہ علمِ طب جب معدوم تھا تو اسے بقراط نے پیدا کیا، جب وہ مر چکا تھا تو جالینوس نے اسے زندگی بخشی، جب وہ متفرق اور پراگندہ تھا تو الرازی نے اسے سمیٹا اور وہ ناقص تھا تو ابن سینا نے اسے مکمّل کیا۔ یوں ۱۸ سال کی عمر تک وہ دن رات پڑھنے لکھنے میں مشغول رہتا۔ نیند کا غلبہ ہوتا تو کوئی چیز پی لیتا تاکہ مطالعے میں فرق نہ آئے۔ سونے میں بھی اس کا ذہن مسائل میں الجھا رہتا، بلکہ بعض مسئلے تو نیند ہی کی حالت میں حل ہوتے۔ مابعد الطبیعیات کو البتہ وہ باوجود کوشش کے سمجھ نہیں سکا، چنانچہ یہ موضوع ارسطو کے بار بار مطالعے کے باوجود اس کی سمجھ میں نہیں آیا، تا آنکہ ایک روز کسی دلاّل کے مشورے سے اس نے فارابی کی ایک کتاب (الاِبانۃ) نیلام میں خریدی، جس سے یہ موضوع تمام و کمال اس کی سمجھ میں آ گیا۔ ابن سینا کو اس پر اتنی مسرّت ہوئی کہ وہ اللہ کے حضور گر گیا اور سجدۂ شکر بجا لایا.

اس اثنا میں ایک بڑا اہمّ واقعہ پیش آیا۔ ابن سینا کی عمر ۱۶-۱۷ برس کی ہو گی جب نوح بن منصور تاجدارِ بخارا کا علاج اس نے نہایت کامیابی سے کیا اور اس کے صلے میں اسے کتب خانۂ شاہی کا مہتمم مقرّر کر دیا گیا۔ یہاں اپنی عدیم النظیر قوتِ حافظہ، ذہانت اور فطانت کی بدولت ابن سینا اپنے مشاغلِ علم میں تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا کہ اس کے اطمینان اور فارغ البالی کا یہ زمانہ دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گیا۔ وہ بیس برس کا تھا جب اس کے باپ نے وفات پائی اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد بخارا کے سامانی امیر کا بھی انتقال ہو گیا؛ چنانچہ اب ابن سینا نے اپنی زندگی کے اُس دور میں قدم رکھا جس میں پریشانیاں ہی پریشانیاں تھیں۔ فرمانرواے بخارا کی موت اس سیاسی اختلال کی تمہید تھی جو دولتِ سامانیہ میں رونما ہوا اور جس کے پیشِ نظر ابن سینا نے بخارا کو خیر باد کہا۔ ۱۰۰۱ء میں وہ خوارِزم پہنچا، جہاں علی ابن مامون کے دربار میں اسے ابوریحان البیرونی، ابونصر العراقی اور

ابوسعید ابوالخیر ایسے علما وصوفیہ سے ملنے کا موقع ملا۔ خوارزم میں چند دن گزارنے کے بعد اس نے عراقِ عجم کا رخ کیا، لیکن یہاں بھی بسببِ اختلافِ عقائد وہ سلطان محمود غزنوی کے خوف سے زیادہ دن نہیں ٹھیرا، بلکہ جان بچا کر جرجان پہنچا (۱۰۰۹ء)، جہاں وہ بہت جلد ایک نئے مخمصے میں گرفتار ہوگیا۔ ۱۰۱۵ء میں جرجان سے رئے جاتے ہوے اس نے ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں جو دیالمہ (آل بویہ) کے انتزاعِ سلطنت پر جا بجا اٹھ کھڑی ہوئی تھیں بڑی پریشانی سے زندگی بسر کی۔ اس پُر آشوب زمانے میں وہ کبھی وزیر، کبھی فلسفی، کبھی طبیب اور کبھی مشیر اور ناصح کے فرائض سر انجام دیتا اور کبھی اسے سیاسی مجرم قرار دیا جاتا۔ ۱۰۲۲ء کا آغاز ہوا تو اسے امیر علاء الدولہ ابوجعفر کاکویہ کی صحبت میسّر آگئی، جو خود ایک آزاد خیال اور عالم و فاضل انسان تھا۔ امیر موصوف ہمیشہ ابن سینا کو اپنے ساتھ رکھتا؛ چنانچہ ابن فارس سے مقابلہ پیش آیا تو ابن سینا بھی علاء الدولہ کے ہمراہ تھا۔ اسی دوران میں ابن سینا بیمار پڑ گیا اور پھر جوں جوں مہم نے طول کھینچا اس کی بیماری میں اضافہ ہوتا گیا، جو نتیجہ تھا دراصل ایک بے احتیاط، حد درجہ غیر معتدل اور مُسرفانہ زندگی کا اور جس نے اس کی صحت کو مدّت سے خراب کر رکھا تھا۔ بیماری ہی کی حالت میں وہ نحیف و ناتواں اصفہان لوٹا، جہاں بظاہر اس کی حالت سنبھل گئی، لیکن کچھ دنوں بعد جب وہ پھر علاء الدولہ کے ساتھ ہمدان روانہ ہوا تو مرضِ قولنج نے، جس کی شکایت اسے ایک عرصے سے تھی، پوری شدّت سے اس پر حملہ کیا حتّٰی کہ ۴ رمضان ۴۲۸ھ/ ۲۱ جون ۱۰۳۷ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔ ہمدان میں اس کا مدفن اب تک موجود ہے۔

ابن سینا کے تحریری مشاغل کا آغاز اگرچہ بہت جلد ہو گیا تھا لیکن یہ جرجان، ہمدان اور اصفہان کے شاہی دربار تھے جہاں اس نے اپنی عظیم الشّان تصنیفات کی تکمیل کی۔ پھر جب اس کی پُر آشوب زندگی کا آغاز ہوا تو باوجود سیر و سفر وہ اپنی ضخیم کتابوں کے خلاصے اور کئی ایک متفرق رسالے تیار کرتا رہا۔ اس کی نظر اس قدر جامع، اس کا ذہن اتنا ہمہ گیر اور جملہ علوم وفنون پر اس کی دسترس اس حد تک مکمّل اور گہری تھی کہ آئندہ کئی صدیوں تک علم و حکمت کا سارا نظام اسی کے قائم کردہ راستے پر چلتا رہا۔

تصنیفات: ابن سینا کی تصنیفات بہت ہیں، نظم اور نثر دونوں میں؛ لیکن بیشتر عربی اور کچھ فارسی میں ہیں۔ اپنی نہایت ہی جامع لیکن کم عمری کی تصنیف الشفا (اس کے بعض حِصص مطبوعہ ہیں، چاپ سنگی، تہران ۱۳۰۳ھ؛ بعض حصّوں کے تراجم لاطینی میں ـ Pavia ۱۴۹۰ء؟؛ وینس ۱۵۴۶ء؛ Halle ۱۹۰۷ء بعد؛) میں اس نے جملہ مباحثِ فلسفہ، منطق اور مابعد الطبیعیات پر قلم اٹھایا ہے۔ پھر النجاۃ ہے، جس کا ایک حصّہ بڑا مختصر ہے اور ایک الشفا کے اقتباسات پر مشتمل (روم ۱۵۹۳ء؛ مصر ۱۳۳۱ھ)۔ زندگی کے آخری ایّام میں اس نے افکارِ فلسفہ میں کچھ ترمیم و تعدیل کے بعد الاشارات والتنبیہات تصنیف کی، طبع J. Forget، مع فرانسیسی ترجمہ: *Le Livre des théorémes et des avertissu-ments*، لائڈن ۱۸۹۲ء؛ اس کا ایک حصّہ الانماط الثلاث الآخرۃ من الاشارات والتنبیہات کے نام سے مع فرانسیسی ترجمہ لائڈن ۱۸۹۱ء میں شائع ہوا ـ طبع میخائیل بن یحیٰی [الاشارات کی شرح متعدّد اربابِ علم نے کی ہے، مثلاً (۱) فخر الدّین الرازی: انھوں نے اس کی لباب الاشارات کے نام سے ایک تلخیص بھی لکھی تھی؛ (۲) نصیر الدّین طوسی: حل مشکلات الاشارات؛ (۳) قطب الدّین الرازی التحتانی، المحاکمات، اس میں اس نے رازی اور طوسی کی تالیفات کا محاکمہ کیا ہے؛ (۴) بدر الدّین محمد اسعد: اس نے بھی اوّل الذّکر دونوں شارحین کی کتابوں پر محاکمہ کیا ہے؛ (۵) بدر الدّین کے محاکمے پر ابن کمال پاشا نے ایک حاشیہ لکھا تھا؛ (۶) طوسی کی شرح پر میرزا جان شیرازی نے ایک حاشیہ لکھا؛ (۷) سراج الدّین محمود؛ (۸) برہان الدّین نسفی؛ (۹) ابن کمونہ؛ (۱۰) رفیع الدّین الجیلی]۔ اور پھر اس کے بعد امیر علاء الدولہ کے پاسِ خاطر سے حکمت علائی (درس نامۂ علائی) لکھی۔ اس کی ایک اَور کتاب الھدایۃ کو، جس میں منطق، طبیعیات اور الٰہیات سے بحث کی گئی ہے، اسلامی فکر کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے؛ یہ اس لیے کہ اس کی تشریح و تحشیے میں بار بار قلم اٹھایا گیا۔ الھدایۃ میں ابن سینا کے بعض فارسی اشعار بھی موجود ہیں۔

طبّ میں اس کی شہرۂ آفاق تصنیف القانون فی الطبّ یا محض قانون طبّی معلومات کی ایک ضخیم، جامع اور صوری و معنوی ہر اعتبار سے ایک نہایت بلند پایہ اور کامل و مکمّل تصنیف ہے، جس میں طبِ قدیم اَور طبِ حدیث میں جملہ اسلامی معلومات کو نہایت محنت اور سلیقے سے منضبط کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تصنیف کی اشاعت سے جالینوس، رازی اور علی ابن عباس کی تصنیفات کا استعمال متروک ہوگیا؛ صرف یہی نہیں بلکہ مشرق ہو یا مغرب دنیا میں چھے سو برس، یعنی سترھویں صدی عیسوی، تک ہر کہیں طب کی تعلیم قانون ہی کی اساس پر ہوتی رہی۔ طب قدیم کی انتہا جالینوس پر ہوئی تھی، لیکن ابن سینا جالینوس سے بھی کہیں آگے نکل گیا۔ استقصاے جزئیات میں اس کی دقّتِ نظر کا اندازہ اس امر سے کیجیے کہ وہ درد کی پندرہ کیفیتیں بیان کرتا ہے۔ اس نے التہابِ غشاے وسطی اور ذات الجنب میں امتیاز کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دق ایک مرض متعدّی ہے اور بیماریوں کے پھیلنے میں ہوا اور پانی کا بڑا دخل ہے۔ امراضِ جلد کے بتحقیق بیان کے علاوہ اس نے امراضِ جنسی، فسادات جنسی، اعصابی شکایات حتّٰی کہ مرضِ عشق سے بھی بتفصیل بحث کی ہے۔ اس نے نفسی اور امراضی حقائق کی تحلیل اور ان کا تجزیہ کیا (تحلیلِ نفسی کی ابتدا)۔ خواص الادویہ میں اس نے دواؤں کی تحقیق کی اَور صیدلی منہاجات کا ایک خاکہ مرتّب کیا۔ یورپ میں یہ کتاب *Canon medicina* کے نام سے مشہور ہے۔ مطبع کی ایجاد سے تقریباً تیس برس بعد اس کے متن کی طباعت چار جلدوں میں روم میں ۱۴۷۶ء میں ہوئی۔ اس کی دوسری طباعتیں یہ ہیں: روم ۱۵۹۳ء؛ تہران ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء (صرف جز اوّل)؛ چاپ سنگی لکھنؤ ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء (صرف ایک جز جو حمیات سے متعلق ہے)؛ لکھنؤ ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء (صرف

جزاوّل)؛ لکھنؤ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)؛ بولاق ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء، جو خاصا ادبی ایڈیشن ہے؛ قانون کا لاطینی ترجمہ سب سے پہلے Cremonese کے Gher-ardo نے کیا، وینس ۱۵۴۴ء، ۱۵۸۲ء اور ۱۵۹۵ء اور کچھ حصّوں کے تراجم پندرھویں صدی عیسوی کے اختتام سے پہلے چھپ گئے ، Milano ۱۴۷۳ء؛ Padua ۱۴۷۶ء، ۱۴۹۷ء؛ وینس ۱۴۸۳ء؛ عبرانی ترجمہ، نیپلز Naples ۱۴۹۱-۱۴۹۲ء؛ اس کتاب یا اس کے بعض اجزا کی شروح و تلخیصات بہت سے لوگوں نے کی ہیں، مثلاً ۱-ابن النفیس؛ ۲-فخر الدّین الرازی؛ ۳-قطب الدّین محمود؛ ۴-قطب الدّین ابراہیم؛ ۵-سعد اللہ؛ ۶-الایلاقی؛ ۷-المُوفق السامری؛ ۸-ابن خطیب؛ ۹-نجم الدّین ابن المنفاخ؛ ۱۰-ابن العالمہ؛ ۱۱-ابن القف؛ ۱۲-السدید کازرونی؛ ۱۳-ابن العرب مصری؛ ۱۴-الآملی؛ ۱۵-داؤد انطاکی، جس نے قانون کا اختصار بھی کیا ہے؛ ۱۶-الجندی؛ ۱۷-رفیع الدّین جبلی؛ ۱۸-شرف الدّین الرجبی؛ ۱۹-ابن اللبودی؛ ۲۰-فخر الدّین ابن الساعاتی؛ ۲۱-ابن جمیع؛ ۲۲-جعفر علی بہار: شرح قانون بو علی سینا؛ اور شرح، کپورتھلہ ۱۸۸۷ء؛ ۲۳-خواجہ رضوان احمد، شرح و ترجمہ، لاہور ۱۹۵۳ء۔ طب میں اس کی دوسری تصنیف کا نام ہے الادویات القلبیۃ، جس کا ترجمہ کلسی رفعت بلگہ (Bilge) نے تُرکی میں کیا، جو مع عربی متن کے ابن سینا کی نو سو سالہ برسی کی تقریب پر بطور ایک یادگار نسخے کے شائع ہوا۔ نشات عمر اِردِلپ (Irdelp) نے اس پر ایک مُقدّمہ بھی لکھا ہے۔

ریاضی سے ابن سینا کی دلچسپی زیادہ تر فلسفیانہ تھی؛ بایں ہمہ اس نے متعدّد مسائل پر نظر ڈالی اور اقلیدس کا ترجمہ بھی کیا۔ رسالۃ الزوایا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں اصغر لامتناہی کا تصور موجود تھا۔ ہیئت میں بھی اس کو بڑا دخل ہے۔ اس نے کئی ایک فلکی مشاہدات کے علاوہ ہمدان میں رصد گاہیں بھی تعمیر کیں۔ ابن سینا کو اس فن سے یہاں تک شغف تھا کہ آخر عمر میں اس نے متحرّک پیمانے (Vehnier) کی طرح کا ایک آلہ بھی ایجاد کیا تاکہ آلاتی اندراجات صحت سے ہوتے رہیں۔

طبیعیات میں اس نے حرکت، اتّصال، قوت، خلا، لانہایت، نُور اور حرارت کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ وہ کہتا ہے ادراکِ نور کا سبب اگر مرکزِ نور سے ذرّات کا اصدار ہے تو ظاہر ہے نور کی رفتار متناہی رہے گی۔ ابن سینا کے یہاں وزنِ مخصوص کی بحث بھی موجود ہے۔ تسع رسائل فی الحکمة والطبیعیات میں اس نے مختلف طبیعی مسائل پر الگ الگ نظر ڈالی ہے۔ اس مجموعے میں مندرجۂ ذیل رسائل شامل ہیں: (۱) فی الطبیعیات؛ (۲) فی الاجرام السماویة؛ (۳) فی القوۃ الانسانیة و ادراکاتھا؛ (۴) کتاب الحدود؛ (۵) فی اقسام العلوم العقلیة، جس کا دوسرا نام تقاسیم الحکمة والعلوم بھی ہے؛ (۶) فی اثبات النبوّات؛ (۷) الرسالة النیروزیة فی معانی الحروف الھجائیة؛ (۸) فی العھد؛ (۹) فی الاخلاق۔

الشفاء کا حصّۂ موسیقی فارابی سے بہت آگے ہے، نیز ان معلومات سے جو مغرب کو اس زمانے میں اس فن کے متعلّق حاصل تھیں۔ اس نے تضعیف (کسی سُر کے آدھے یا دگنے ارتعاش کو اتنا ہی گھٹانا یا بڑھانا) اور تقریب (کسی گانے یا اس کے اجزا کی ترتیب) سے بحث کی ہے، جس سے الحانی (توافقی) موسیقی کے ارتقا کو غیر معمولی تحریک ہوئی۔ ابن سینا نے اس سلسلے میں بعض اور اشارات بھی کیے اور ارتعاشات پر تفصیلی نظر ڈالی۔

وہ کہتا تھا کہ دھاتوں کا استحالہ ممکن نہیں اس لیے کہ ان کا اختلاف بنیادی ہے۔ گویا وہ کیمیاگری کا مخالف تھا۔ پھر یہ اسی کا رسالہ معدنیات تھا جو قرن سیزدہم تک یورپ میں ارضی معلومات کا واحد سرچشمہ تصوّر ہوتا تھا (علاوہ ارسطو کی جَوِّیّات اور ایک موضوع ارسطا طالیسی رسالہ کتاب العناصر کے، جس کا ترجمہ عربی سے لاطینی میں ہوا اور ہوسکتا ہے کوئی اسلامی تصنیف ہو؟)۔ اس نے متحجرات (Fossils) پر قلم اٹھایا اور پہاڑوں کی ساخت کو واضح طور پر بیان کیا۔ ان مضامین میں ابن سینا کے اکثر مقالات جن کا عربی ناموں کی تعریف کے بعد لاطینی میں ترجمہ کر لیا گیا تھا، یونانیوں کی طرف منسوب ہوتے رہے، حالانکہ وہ سب اس کی تصنیف ہیں۔

اس نے علم کی تقسیم (۱) نظری (مزید تقسیم محسوس سے مجرّد کی طرف بڑھتے ہوے: طبیعیات، ریاضیات، مابعد الطبیعیات) اور (۲) عملی (اخلاقیات، تدبیر منزل [معاشیات]، سیاسیات) کی اور پھر باعتبار مادّہ و صورت ایک دوسرے نقطۂ نظر سے: (۱) العلوم العالیہ، (۲) العلوم السافلہ اور (۳) العلوم الوسطٰی میں کہ حکمت اولی یا مابعد الطبیعیات میں ایک دوسرے سے الگ، طبیعیات میں باہم وابستہ اور بعض میں الگ بھی ہیں اور نہیں بھی۔ علم نظری کی ایک دوسری تقسیم یوں ہے: (۱) حکمت طبیعی، یعنی ان اشیا کا علم جو حرکت اور تغیُّر کے تابع ہیں اور (۲) حکمت ریاضی، جس میں تغیر اور حرکت کو تجریدًا اشیا سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ حکمتِ اولی کا تعلّق ان اشیا سے ہے جو تفسیر سے پاک ہیں۔

ابن سینا کے فکر میں ازمنۂ متوسّطہ کا فلسفہ اوجِ کمال کو پہنچ گیا۔ ابن سینا نے اگرچہ زیادہ تر مشائی (ارسطا طالیسی) روایت کو برقرار رکھا لیکن اس کے فلسفے میں اشراقی (افلاطونی اور نو افلاطونی) عناصر کی آمیزش بھی موجود ہے۔ وہ دراصل ایک آزاد خیال اور مجتہد الفکر فلسفی تھا، جو اس وقت کے جملہ مذاہبِ فلسفہ کے پیشِ نظر، نیز الٰہیاتِ اسلامیہ کی رعایت سے، اپنا ایک جداگانہ نظامِ فکر مرتّب کر رہا تھا؛ چنانچہ اس نے اپنے خیالات بڑی وضاحت سے بار بار اور بڑے شدّ و مدّ سے ادا کیے ہیں، لہٰذا ان کا سمجھنا مشکل ہے، نہ یہ کہ ہم ان سے تمام و کمال واقف نہ ہو سکیں۔

ابن سینا کا فلسفہ:-

منطق: ارسطو کی طرح ابن سینا نے بھی اپنی جملہ تصنیفات کی ابتدا منطق سے کی ہے، لیکن منطق میں، جیسا کہ ابراہیم مقدور کا خیال ہے، وہ ارسطو سے بہت آگے نکل گیا بلکہ ایک طرح سے جدید منطق کا پیشرو ہے (آ، تُرکی)۔ وہ کہتا ہے

یہ ایک صنعتِ نظری (الصنعۃ النظریہ) ہے، جس کا کام ہے ''حقیقتِ حد'' اور ''حقیقتِ برہان''، یعنی صحیح حد اور صحیح قیاس تک پہنچنا، اس لیے کہ کوئی بھی علم ہو وہ یا تو تصوّر ہوگا یا تصدیق اور تصدیق کا ذریعہ ہے قیاس، جو حقیقی بھی ہو سکتا ہے اور باطل اور مشابہ بہ حقیقت بھی۔ اس سلسلے میں الفاظ کی تحقیق ضروری ہے، لہٰذا خطابی، جدلی، مغالطہ انگیز اور سوفسطائی قسم کے استدلالات کی تشریح کرتے ہوے اس نے الفاظ کی تقسیم مفرد اور مرکّب میں کی ہے۔ مفرد کی دو قسمیں ہیں: کلّی اور جزئی؛ کلّی ایک کلمے پر مشتمل، بایں ہمہ متعدّد معنوں پر دلالت کرتا ہے اور جزئی صرف ایک پر۔ مرکّب اگرچہ بہت سے کلموں پر مشتمل ہوتا ہے، بایں ہمہ دلالت ایک ہی معنی پر کرتا ہے۔

ذات (Being) اور وجود (Existence) کے مسئلے سے ابن سینا کو چونکہ بالخصوص دلچسپی ہے، لہٰذا اس کے نزدیک ذات کی ماہیت خود اس کی ذات سے قائم ہے۔ اس کی تعریف میں صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ اس کے معنی اس سے الگ نہیں ہوتے اور نہ اس کے وجود سے بے تعلّق۔ یہ بے تعلّقی تو وہم میں بھی نہیں آ سکتی، مثلاً مُثلّث کا یہ وصف کہ اس کے زاویے دو زاویہ ہاے قائمہ کے برابر ہوتے ہیں وجود میں بھی ہے اور وہم میں بھی، جسے اگر مُثلّث سے الگ کر لیا جائے تو یہ حکم لگانا ناممکن ہو جائے گا کہ وہ ذاتی بھی ہے اور موجود بھی۔ الفاظِ خمسہ یا پورفری کی ایساغوجی کے موضوعِ تحقیق ''کلیاتِ خمسہ'' ابن سینا کے نزدیک عبارت ہیں: (۱) جنس، (۲) نوع، (۳) فصل، (۴) خاصّہ اور (۵) عرض سے۔ جنس کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ ان کی تعداد معیّن نہیں۔ جب کسی شے کے متعلّق سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو اس کے جواب میں ہمارا اشارہ کسی نوع ہی کی طرف ہوگا۔ یوں جنسوں کے اوپر جنس الاجناس ہے اور نوعوں کے اوپر نوع الانواع۔ فصل وہ امر کلّی اور ذاتی ہے جس سے ایک نوع کو دوسری سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ خاصّہ وہ امر کلّی ہے جو کسی ایک نوع کے عرض کو دوسرے اعراض سے الگ کر دے۔ عرض غیر ذاتی ہوتا ہے، کلّی اور مفرد بھی، لہٰذا اس کے معنوں میں بہت سی انواع شریک ہوں گی، مثلاً چونے اور دودھ میں سفیدی۔ پھر ہر شے یا ''عین'' یا تو اپنی اصل حالت میں ہوگی یا ذہن (بطور الصورۃ الذہنیہ) یا ان الفاظ یا لکھے ہوے کلمات میں جو اس پر دلالت کریں۔ قضیے کی تعریف اس نے ان الفاظ میں کی ہے کہ یہ ایک نسبت ہے دو چیزوں کے درمیان۔ قضیۂ حملیہ سے اس نسبت کے مطلق ہونے پر دلالت ہوتی ہے اور قضیۂ شرطیہ سے مشروط یا مقیّد ہونے پر۔ قضیۂ شرطیہ مُتّصلہ ہوگا یا منفصلہ؛ متّصلہ اس صورت میں جب اس سے دوسرے کا ایجاب یا سلب لازم آئے، بصورتِ دیگر منفصلہ۔ ایجاب سے مراد ہے دو چیزوں میں نسبت کا وقوع اور سلب سے اس کی نفی۔ پھر اگر کسی شے کے عدم یا وجود پر کسی دوسری شے کے ذریعے حکم لگایا جائے تو وہ اس کا محمول ہوگا اور بذاتِ خود حکم لگایا جائے تو موضوع۔ قضیۂ حملیہ میں موضوع کی حقیقت اگر جزوی ہے تو اسے مخصوصہ کہیں گے اور کلّی ہے (گویہ معلوم نہیں کہ اس کا حکم کل پر ہے یا جزو پر) تو مہملہ؛ محصورہ اس صورت میں جب یہ معلوم ہو کہ اس کا حکم کل یا جزیا ایجاب یا سلب پر ہے۔ قضایاے محصورہ منطق کی اساس ہیں؛ چنانچہ النجاۃ میں ابن سینا نے اس قسم کے قضایا کی جو تفصیل بیان کی ہے وہ آج تک اسلامی منطق کی کتابوں کا بہت بڑا موضوع بحث رہی ہے۔

باعتبار مادّہ ابن سینا نے قضایا کی تقسیم یوں کی ہے: (۱) المادّۃ الواجبہ، جیسے انسان میں حیوانیت کی حالت کہ اس کا سلب معتبر نہیں؛ المادّۃ الممتنعہ، جیسے انسان میں حجریت کی حالت کہ اس کا ایجاب معتبر نہیں اور (۳) المادّۃ الممکنہ، جیسے انسان میں کاتب ہونے کی حالت کہ بعض اوقات ہے اور بعض اوقات نہیں ہے۔

جہت کے لحاظ سے ان کی تقسیم ہوگی: (۱) واجب میں کہ وجود کے دوام، (۲) ممتنع میں کہ عدم کے دوام اور (۳) ممکن میں کہ عدم اور وجود دونوں کے دوام یا غیر دوام پر دلالت کرتے ہیں۔ جس قضیے میں اس کا موضوع، محمول، رابطہ اور جہت سب شامل ہوں اسے رباعیہ کہیں گے۔ واجب، ممتنع اور ممکن کی یہی بحث ہے جس کا سلسلہ منطق سے نکل کر مابعدالطبیعیات سے جا ملتا ہے۔

مطلقات (قضایاے مطلقہ) میں اسے ارسطو اور اس کی شارحین سے اختلاف ہے۔ وہ مختلف قضایا پر نظر ڈالتے ہوے اوّل قیاس کی دو قسمیں ٹھیراتا ہے: (۱) کامل اور (۲) غیر کامل۔ پھر قیاسِ کامل کی مزید تقسیم قیاسِ اقترانی اور قیاسِ استثنائی میں کرتا ہے۔ قیاسِ اقترانی عبارت ہے ان مُقدّمات سے جن میں نتیجہ اور اس کا نقیض دونوں شامل ہوں اور استثنائی میں یا نتیجہ یا اس کا نقیض۔ اقترانی قیاسات کی تین شکلیں ہیں: (۱) ''حملی''؛ (۲) ''شرطی'' اور (۳) ''حملی ـ شرطی''۔ متأخّرین کی توجّہ زیادہ تر حملی قیاسات پر تھی۔ استثنائی قیاسات میں ابن سینا نے متقدّمین سے اختلاف کیا ہے۔ قیاس کی اعلیٰ وارفع شکل ''برہان'' ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) لمّی اور (۲) اِنّی۔ پھر ایسے بھی قیاسات ہیں جن کا ثبوت غیر ضروری ہے اور جنھیں اس لیے بدیہیات سے تعبیر کیا جائے گا۔ استقرا اور مماثلت کے باب میں اس نے استدلال، بے قاعدہ قیاسات، مغالطوں اور سَفسَطوں اور بُرہان کے معروف مفہوم میں تجربہ، روایت، وہم اور مخیلہ وغیرہ سب سے بحث کی ہے۔ اجناسِ عشرہ یا مقولات (Categories) اور عِلّت کے سلسلے میں جوہر، کم، اضافت، کیف، اَین، متٰی، وضع، ملک، فعل اور انفعال کی تشریح کی ہے۔ عِلّتیں چار ہیں: عِلّتِ مادی (material)، عِلّتِ صوری (formal)، عِلّتِ غائی (final) اور عِلّتِ حرکی (efficient)۔

طبیعیات: ابن سینا کے نزدیک طبیعیات ایک صنعتِ نظری (الصنعۃ النظریۃ) ہے اور اس کا موضوع (۱) موجودات اور (۲) موہومات ہیں۔ علوم طبیعی میں اجسام، ان کی حرکت اور سکون کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اجسامِ طبیعی مادّے (محل) اور صورت (حال) سے مرکّب ہوتے ہیں۔ مادّہ اور صورت میں باہم وہی نسبت ہے جو تانبے اور اس سے بنی ہوئی مورت (ہیکل) میں؛ لہٰذا کوئی بھی جسم ہو مادّے اور صورت سے مرکّب ہوگا۔ صورت کا

وجود مادّے سے متقدّم ہے، جس کی بدولت اس میں جوہر کا ظہور ہوتا ہے۔ اعراض (منطق کی زبان میں اجناس یا مقولات) بے شمار ہیں اور ان کا سرچشمہ ہے مادّے اور صورت کا اتّصال۔ وہ ایک طبیعی اصطلاح ہے، جس سے منطق میں مقولے (جنس) اور طبیعیات میں علّت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ منطق ہی سے طبیعیات کو اصول اور قیاس بہم پہنچتے ہیں، جسے ازمنۂ وسطٰی میں استخراجاً خطرناک حدّ تک وسعت دے دی گئی تھی۔

اجسامِ طبیعیہ کا قیام ان کی ذات اور کمالات سے وابستہ ہے۔ کمالات عبارت ہیں ان غایات (Entelechia) سے، جن سے کسی جسم کے معنی متحقق ہوتے ہیں۔ کمالاتِ اولٰی وہ ہیں کہ ان کی نفی جسم کی نفی ہے۔ کمالاتِ ثانیہ کا البتہ باقی رہنا یا نہ رہنا ضروری نہیں۔ حرکت اور قوت سے بحث کیجیے تو حرکت سے ساکن اور قوّت سے متحرّک کا تصوّر پیدا ہوجاتا ہے۔ جرِّ اثقال اور مقاومتِ اجسام کا تعلّق میکانکی حرکت سے ہے، قوّت (توانائی) محدود ہے اور اجسام خارجی قوانینِ حرکت کے تابع۔

طبیعی اجسام کے لاحقات ہیں: (۱) حرکت، (۲) سکون، (۳) زمان، (۴) مکان، (۵) خلا، (۶) تناہی، (۷) لاتناہی، (۸) تماس، (۹) التمام اور (۱۰) اتّصال اور ابن سینا کے نزدیک مقولات عشرہ کے عین مطابق۔ عالم ایک ہے اور اس کا متعدّد ہونا محال۔ تخلیقی حرکت بھی ایک ہے اور اپنی نوعیت میں دَوری [؟]۔ مستقیم حرکات کا وجود صرف سطحِ زمین پر ہے، بایں ہمہ حرکت دَوری کے تابع۔ اجسام کی تکوین کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کائنات عبارت ہے اشیاے متکوّنہ سے، اجسام نہ ساکن ہوتے ہیں نہ متحرّک۔ حرکت اور سکون خود ان کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اندرونی قوّتیں تین ہیں (۱) طبیعی، (۲) نفسی اور (۳) فلکی، جو ماوراے موجودات ہے اور ان کی دوامی حرکت کی محافظ۔ ابن سینا نے حرکت اور زمانے کے مفہوم کو ایک دوسرے سے الگ کیا۔ زمانہ حرکت نہیں ہے، گو بغیر حرکت کے اس کا ادراک ممکن نہیں۔ وہ اجزاے لایتجزّیٰ (Atoms) کا وجود تسلیم نہیں کرتا۔

نفسیات: نفس کی بحث میں ابن سینا بتدریج نفسِ نباتی سے نفسِ حیوانی اور نفسِ حیوانی سے نفسِ انسانی (یا نفسِ ناطقہ) کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ نفسیات میں اس کی تصنیف کا عنوان ہے کتاب النفس۔

۱۔ نفسِ نباتی میں مختلف قوّتیں کام کرتی ہیں: القوّۃ الغاذیہ، القوّۃ النامیہ اور القوّۃ المولدہ، جن کا تعلّق علی الترتیب تغذیے، نمو اور توالد وتناسل سے ہے۔

۲۔ نفسِ حیوانی دو قوّتوں پر مشتمل ہے: القوّۃ المدرکہ اور القوّۃ المحرّکہ۔ قوتِ محرّکہ کی تقسیم پھر دو قوتوں میں ہوجاتی ہے: القوّۃ الباعثہ جس کا کام ہے حرکت پیدا کرنا اور جس میں خواہش شامل ہو تو اسے القوّۃ الشوقیہ یا القوّۃ النزوعیہ کہیں گے، مفید کاموں کی طرف مائل ہو تو القوّۃ الشہویہ اور مضر راستہ اختیار کرے تو القوّۃ الغضبیہ؛ دوسری القوّۃ الفاعلہ، جو اعصاب اور عضلات پر حاکم اور ان کے بسط وقبض کا سبب بنتی ہے۔

۳۔ نفسِ انسانی، جسے اپنے بسیط ادراکات کو مراتبِ عقل تک پہنچانے میں متعدّد ملکات حاصل ہیں، جو ظاہری بھی ہیں اور باطنی بھی۔ ظاہری ملکات میں پہلا ملکہ فنتاسیہ (Phantasy) ہے اور ان تمام مرئی اور غیر مرئی آثار سے متعلّق جن کا ادراک حواسِ خمسہ کے ذریعے کیا جاتا ہے؛ پھر القوۃ المصوّرہ، القوۃ المخیلہ یا مفکرہ، القوۃ الواہمہ اور القوۃ الذاکرہ یا ملکۂ حافظہ، جو ابن سینا کے نزدیک دماغ کے مختلف حصّوں سے وابستہ ہیں۔

جہاں تک نفسِ ناطقہ یا ملکۂ عقلیہ کا تعلّق ہے اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) القوّۃ العالمہ یا نظریہ اور (۲) القوّۃ العاملہ (یا قبؔ کانٹ: عقلِ محض اور عقلِ عملی)۔ قوّتِ عالمہ طبیعیات سے مابعد الطبیعیات کا رخ کرتی ہے، یعنی عالمِ اعلٰی کا اور قوتِ عاملہ عالمِ اسفل کا۔ ازمنۂ متوسطہ کے مغربی فلسفیوں نے یہ سب نظریے اپنا لیے تھے (قبؔ Albertus Magnatus)۔ جہاں تک عقول کا تعلّق ہے ابن سینا نے یحیٰی النحوی (John, the Grammarian) کے نظریوں کو، جو کِندی اور فارابی کے واسطے سے اس تک پہنچے، مزید وسعت دی۔ عقلِ انسانی جب عالمِ اسفل سے عالمِ اعلٰی کی طرف بڑھتی ہے تو چار مرتبوں میں تقسیم ہوجاتی ہے: (۱) العقل الہیولانی، جو سرتاسر ایک مادّی قوّت ہے اور جس کے امکانات واضح نہیں، (۲) العقل بالفعل، جس کے امکانات واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں، (۳) العقل بالملکہ، جو اپنے امکانات میں حدِّ کمال تک جا پہنچتی ہے اور (۴) العقل المستفاد، جس کا رخ صرف معقولات کی جانب ہے اور جو بالآخر العقل الفعّال سے جاملتی ہے۔

رُوح: رُوح کے بارے میں ابن سینا نے بڑی طویل بحث کی ہے۔ عملی نفسیات سے اصولی نفسیات کا رخ کرتے ہوئے وہ اس کا سلسلہ تصوّف سے ملا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے نفس (روح) مادّے کی نہیں بلکہ صورت کی ایک نوع ہے۔ روح کا کمال اوّل (Entellechia) جسم کا کمال (Perfection) ہے۔ اس حالت میں ہم اس کے ''کیا ہونے'' سے نہیں بلکہ ''کیا کرنے'' سے بحث کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے روح دراصل ایک ''معنوی جوہر'' ہے اور اس کے ثبوت کا ایک راستہ تو یہ ہے کہ جن قدما نے روح کا تصور بطورِ جسم کے کیا ان کی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ اس کے غیر جسمانی ہونے پر بدیہی (a prioi) دلائل قائم کیے جائیں، مثلاً یہ کہ اگر روح بدن سے الگ ہوکر اپنے آپ کو جان سکتی یا بدن کی موجودگی سے پہلے بھی اپنے وجود کی تصدیق کرسکتی ہے تو یہ ماننا لازم آئے گا کہ وہ ایک معنوی جوہر ہے۔ روح ہی سے بدن کی تکوین اور تکمیل ہوتی ہے۔ اسی سے بدن کا وجود ہے اور اسی سے اس کی فعالیت قائم۔

لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ روح ایک معنوی جوہر ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی نوعیّت کیا ہے۔ کیا وہ کوئی صورت مادّی ہے؟ مادّی عقل تو صُوَرِ معقولہ کا ادراک کرسکتی ہے، لیکن روح بلا کسی واسطے کے اپنے آپ کو پہچانتی ہے۔ ایسے

ہی روح کے ملکات ہیں کہ ماسوائے عقل انھیں ایک دوسرے کو پہچاننے کی قدرت نہیں، مثلاً احساس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اپنے آپ کا ادراک کر سکے؛ عقل البتہ خود ہی اپنے آپ کو سوچتی اور سمجھتی ہے۔ اگر کسی آلے کو دیکھیے تو وہ ایک خاص حد تک ہی کام دے گا، اس کے بعد بے کار ہو جائے گا؛ لیکن عقل کے بارے میں تو ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ جسم کے اعضا میں چالیس برس کے بعد انحطاط شروع ہو جاتا ہے، لیکن یہ وہ عمر ہے جس میں معقولات کے ادراک کی قوّت اور زیادہ پختہ ہونے لگتی ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ نفس ناطقہ مادّے سے الگ ایک جوہر ہے، مادّی صورت نہیں ہے۔

لیکن اگر وہ کوئی صورتِ مادّی نہیں، نہ کسی آلے یا وسیلے کی محتاج ہے تو روح کو جسم کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس لیے کہ جسم سے پہلے روح کا کوئی انفرادی وجود تو تھا نہیں۔ اس نے جسم پیدا کیا تو مختص ہو کر انفرادیت حاصل کر لی، لیکن اگر روح اور جسم کے درمیان یہی ایک رابطہ ہے اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ جسم سے پہلے اس کا کوئی انفرادی وجود نہیں تھا تو موت کے بعد اس کے وجود اور دوام پر کیا حجّت قائم کی جا سکتی ہے؟ یہ کہ رُوح کسی حالت میں بھی جسم کے تابع نہیں، نہ اس سے پہلے، نہ اس کے ساتھ، نہ اس کے بعد۔ مزید یہ کہ وہ ایک جوہرِ بسیط ہے، جس میں فنا اور بقا کے دو اور بہم دگر متضاد تصور جمع نہیں ہو سکتے۔

اس سلسلے میں ایک قابلِ لحاظ نکتہ یہ ہے کہ ابن سینا روح کے تصوّر کو صورت سے الگ رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک روح کا وجود ایک تو یوں ثابت ہے کہ روح ایک وحدت ہے، جس کی بدولت جملہ شعوری احوال کی تکمیل ہوتی ہے؛ ثانیًا اس کی عینیت سے کہ جملہ صُوَر کی تبدیلی کے باوجود اس کا وجود بجنسہٖ قائم رہتا ہے۔ قرونِ وسطی کے اشراقی اور مغربی فلسفے میں ان دلائل کو بڑا دخل رہا ہے۔

پھر اس خیال کے ماتحت کہ انسان اور عالمِ الٰہی کے مابین اتحاد ممکن نہیں — ممکن ہے تو صرف اتّصال — ابن سینا کہتا ہے کہ اشیا کی تجرید سے یہ مطلب نہیں کہ ہم ان میں کوئی مفہوم پیدا کرنا چاہتے ہیں یا یہ کہ انھیں مخیلہ سے عقل کی جانب منتقل کریں۔ تجرید سے مقصود ہے عقل میں ذاتی اور کلّی اور واجب الوجود کے ادراک کی صلاحیت پیدا کرنا۔ مجردات وضع نہیں کیے جاتے، سمجھے جاتے ہیں۔ اسے ارسطو اور فارابی سے اس بارے میں اتفاق نہیں کہ عقلِ انسانی جب عقلِ فعّال سے مل جاتی ہے تو عقل اور معقول ایک ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم فکر اور تصوّر کی وضاحت نہ کر سکتے۔ اگر کوئی کلّی متصوّر اور صاحبِ تصوّر ایک ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ تصوّر کا وجود بے معنی ہو جائے گا۔

مابعد الطبیعیات: ارسطو کی طرح ابن سینا کے ہاں بھی مابعد الطبیعیات کا دار و مدار منطق پر ہے، لیکن یہ ہمارے زمانے کی رسمی منطق نہیں ہے، بلکہ استدلال و استشہاد کی مدد سے عالمِ وَرائے طبیعیات تک پہنچنے کی کوشش۔ ابن سینا کہتا ہے کہ اصولِ منطق طبیعیات و مابعد الطبیعیات دونوں میں کار فرما ہیں۔ مفارقِ عقل کا علم بھی، جن کے بغیر ایک وجود کا دوسرے سے متمیّز ہونا ناممکن نہیں، ہمیں انھیں سے حاصل ہوتا ہے۔ وجود اور شے وہ ابتدائی اور بسیط مفہوم ہیں جن کی کوئی تعریف ممکن نہیں۔ وجود، جوہر اور اعراض میں منقسم ہو جاتا ہے۔ قوّہ، فعل، واحد، کثیر، قدیم، محدث، علّت، معلول، تام، ناقص سب اعراض ہیں۔ اندریں حالت یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ مادّہ اور صورت کیوں ایک دوسرے سے الگ ہیں؛ علی ہذا اجسام کی ہستی بھی، جن کی صورتیں محسوس اور ابعاد معیّن ہوتے ہیں، ادراک میں آ سکتی ہے۔ پھر اگرچہ ان میں بسببِ ابعاد کے مادّہ اور صورت دونوں پائے جاتے ہیں، لیکن جسم کی تشکیل ابعاد سے نہیں ہوتی، اس لیے کہ ابعاد بعینہٖ قائم نہیں رہتے۔ محسوس صورتوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بذاتِ خود متصل ہیں نہ منفصل، لہٰذا ہم جسم کا تصوّر مطلق حیثیت سے بھی کر سکتے ہیں؛ البتہ صورت سے باہر ایک شے ایسی بھی ہے جو متّصل ہوگی یا منفصل اور جسے ہم مادّے سے تعبیر کرتے ہیں۔ کمیت بھی صورت ہی کی ایک نوع ہے، لیکن مادّے سے متعلّق؛ لہٰذا بُعد اور حجم دونوں میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ صورت کا تعلّق مادّے کی غیر معیّن حالت سے ہے۔ مادّے اور صورت کو باہم جو نسبت ہے اسے کانسی اور اس سے بنی ہوئی صورت کی اس مثال سے سمجھیے کہ صورت ابعاد سے محدود ایک مصنوعی جسم ہے، جس نے ایک صورت قبول کر لی ہے۔ اگر صورت اس سے الگ کر لی جائے تو مادّہ غیر معین رہ جائے گا؛ لہٰذا مادّہ ایک ایسی قوت بھی ہے جس سے ہر فعل کا امکان ہے۔ گویا وہ جسم کی علّت تو ہے اور زمانًا اس سے متقدم، لیکن اس کے وجود کی علّت نہیں؛ لہٰذا باعتبارِ مدارجِ کائنات مادّہ صورت ہی نہیں بلکہ صورت اور مادّے سے مرکّب جسم سے بھی ادنیٰ درجے کی چیز ہے۔

طبیعیات کی طرح ابن سینا نے مابعد الطبیعیات میں بھی عللِ اربعہ کا وجود تسلیم کیا ہے۔ مادّی اور صوری علّتوں کا تعلّق تو خارج سے ہے — ایک کا فعل اور دوسری کا ہیئت سے۔ فاعلی البتہ معلول سے متقدم ہوگی، جس سے گویا اس کا ظہور ہوتا ہے۔ غائی منجملہ علل کے ایک علّت بھی ہے اور علّت العلل بھی، اس لیے کہ وہ ہے تو باقی علّتیں بھی فعل میں آئیں گی۔ غایت گویا ہر شے کی فاعل اور محرّک اوّل ہے۔ یوں عللِ اربعہ جب آخر الامر ایک یعنی علّت غائی میں ضم ہو جاتی ہیں تو عالمِ طبیعی اور عالمِ الٰہی کے درمیان ہم آہنگی کا ایک ذریعہ نکل آتا ہے۔ خدا بیک وقت العلّۃ الفاعلۃ بھی ہے اور العلّۃ الغائیۃ بھی۔

مادّہ اور صورت ایک دوسرے کی علّت نہیں بلکہ صرف اپنے محدثات کی علّت ہیں؛ لہٰذا حقیقی علّت صرف واجب الوجود ہے اور اس لیے جملہ اشیا کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ لیکن جب ایک علّت کا معلول صرف ایک ہے اور واحد سے واحد ہی کا صدور ہوتا ہے تو کثرت کا ظہور کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ واجب الوجود ایک ہے اور بسیط؛ لہٰذا بقولِ فارابی اس سے عقلِ اوّل ہی ظہور میں آ سکتی ہے۔ لیکن عقلِ اوّل کا وجود جس طرح واجب الوجود کی نسبت سے ضروری ہے بعینہٖ عقلِ اوّل سے عقلِ ثانی، عقلِ ثانی سے عقلِ ثالث اور یوں علی الترتیب عقولِ عشرہ کا۔ واجب الوجود (خدائے تعالیٰ) کی ذات میں تو بے شک کثرت کا

شائبہ نہیں، لیکن ہم اس کی طرف صفات کا انتساب کر سکتے ہیں۔

لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذات کیا ہے؟ منطقی تو ذات اور اس کے محمول میں امتیاز نہیں کرتے، حالانکہ ان میں وہی فرق ہے جو کل اور اس کے اجزا میں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ذات کے متعدّد محمول (صفات) ہو سکتے ہیں۔

ابن سینا اور فارابی دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ ذات اور وجود ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ بقول فارابی موجودات کے لیے جب ہم ایک علٰیحدہ ذات کی موجودگی کا اثبات کرتے ہیں تو یہ ماننا لازم ٹھیرتا ہے کہ ذات نہ تو وجود ہے نہ اس کے متضمنات میں داخل، حتیٰ کہ ممکن کی ذات بھی اس کے وجود سے الگ ہوتی ہے۔ وجود عرض ہے، جو ذات سے متّصل ہو جاتا ہے؛ لہٰذا مطلق واحد عرض نہیں ہے بلکہ عین ذات۔ وہ عقلِ مطلق ہے؛ لہٰذا اس کی ذات میں عقل، عاقل اور معقول مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ ابن سینا کے نزدیک یہ عقلِ مطلق عالم سے بے خبر نہیں ہے۔ اسے اپنی ذات کا شعور حاصل ہے اور اس شعور کی بنا پر عالم کا شعور بھی۔ وہ بالقوّہ جملہ معقولات کی حامل ہے؛ لہٰذا معقولات کا صدور خدا ہی سے ہوتا ہے۔ وہی واجب الوجود اور واہب الصُّور ہے۔ عقلِ فعّال صُورِ معقولہ کو رُوح اور رُوحِ صورِ محسوسہ کو اشیا تک پہنچاتی ہے۔

جس طرح وجود اور وحدت عرض ہیں، ایسے ہی کلّیت بھی۔ لیکن کلّیات کی حیثیت ایسے کلمات کی نہیں جن کے متقابل کوئی حقیقت نہ ہو۔ ان کا تعلّق اشیا سے بھی ہے، ذہن سے بھی، اور ان دونوں کے علاوہ عقلِ فعّال سے بھی۔

وجود واجب ہوگا یا ممکن۔ ممکن کی ذات تو اس کے وجود سے الگ ہوتی ہے لیکن واجب کی ذات اس سے الگ نہیں۔ امکان اور وجود کو محض ذہن سے متعلّق سمجھنا غلط ہے۔ وہ حقیقی مفہوم ہیں، بسیط اور مطلق؛ لہٰذا توصیف سے بالاتر، اس لیے کہ ایک کی تعریف کی گئی تو دوسرے کا حوالہ ضروری ٹھیرے گا۔ واجب اور ضروری اور امکان و امتناع سے بحث کرتے ہوئے ابن سینا ضروری کو واجب سے عام ٹھیراتا ہے۔ واجب صرف وجود کی ضرورت پر دلالت کرتا ہے اور ضروری عدم اور ضرورت دونوں پر؛ بعینہٖ امکان کے بھی دو معنی ہیں، ایک امکان العام کہ امتناع کی ضدّ اور اس لیے ایک منطقی تصوّر ہے، دوسرا امکان الخاص، جو ضرورت اور امتناع دونوں کی نفی پر دلالت کرتا ہے اور جس کا مفہوم سرتاسر مابعد الطبیعی ہے۔

ممکن تو ایک ایسا وجود ہے جس کی کوئی علّت ہو، لیکن واجب وہ جس کی کوئی علّت نہ ہو۔ ہم واجب کا اثبات کر سکتے ہیں اور اس دلیل کے ماتحت جسے ابن سینا نے دلیلِ امکان کہا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ممکن کے وجود کی دلیل خود اس کے اندر تو موجود ہے نہیں، لہٰذا ایک ایسے وجود کا اثبات لازم آئے گا جو ہر طرح کے امکانات سے پاک ہو۔ یوں بھی ہر ممکن چونکہ کسی دوسرے ممکن کی علّت ہوگا اور یہ ممکن نہیں کہ اس سلسلے کو لامتناہی طور پر پھیلایا جائے، اس لیے آخر الامر ایک ایسا وجود تسلیم کرنا پڑے گا جو ممکن نہیں بلکہ واجب ہے۔

اگر خدا علّت العلل ہے تو غایت الغایات بھی۔ پھر چونکہ علّت غائیہ بھی متناہی ہوگی، لہٰذا اس کا سلسلہ بھی کہیں نہ کہیں ختم کرنا پڑے گا۔ لہٰذا ابن سینا یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارے پاس مبدأ اوّل کا کوئی ثبوت نہیں۔ وہ خود ہی سب اثباتوں کا اثبات ہے۔ ہم اسے برہان کے راستے بھی نہیں پا سکتے۔ اس کی کوئی علّت ہے نہ دلیل نہ تعریف بلکہ خود جملہ موجودات اس کی دلیل ہیں۔ یہاں پہنچ کر ابن سینا کا فلسفہ مذہب اور تصوّف سے جا ملتا ہے؛ لہٰذا اثباتِ ذاتِ باری تعالیٰ میں ابن سینا مصادرہ علی المطلوب کا مرتکب نہیں ہوا۔

صفاتِ الٰہیہ کے سلسلے میں جب ابن سینا خدا کو علّت العلل، غایت الغایات، مبدأ اوّل اور واجب الوجود ٹھیراتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی ذات ہر قسم کے امکانات، قوّت اور مادّے سے منزّہ ہے۔ نہ اس کا کوئی جسم ہے نہ وہ کسی جسم کا مادّہ۔ نہ اس کی کوئی صورت ہے نہ وہ کسی صورت کا مادّۂ معقول، نہ کسی مادّۂ معقول کی صورتِ معقولہ، نہ علم، نہ ارادہ، نہ حیات۔ یہ اس کی بنیادی صفات نہیں ہیں، لیکن اگر ان صفات کو اس سے نسبت دی جائے تو اس سے خدائے تعالیٰ کی وحدانیت میں فرق نہیں آتا جیسا کہ معتزلہ کا خیال تھا۔

ارسطو کے نزدیک ذاتِ الٰہیہ کی کاملیّت نتیجہ ہے اس کے عدمِ حرکت کا اور عدمِ حرکت نتیجہ ہے عالم کائنات کو نہ جاننے کا۔ برعکس اس کے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ اس تضاد سے بچنے کے لیے فلاسفۂ اسلام نے طرح طرح کے دلائل سے کام لیا۔ ابن سینا کہتا ہے اس امر کا تو کوئی امکان نہیں کہ خدا دنیا سے بے خبر ہو۔ سوال صرف جزئیات کے علم کا ہے اور جزئیات کے متعلّق اس کے علم کی نوعیّت عمومی ہے۔ ذہن انسانی کو تو اشیا کا علم یکے بعد دیگرے اور استدلالاً ہوتا ہے، لیکن خدا کو دفعتاً اور زمان و مکان سے آزادانہ، گویا حدساً۔ پھر چونکہ ذاتِ الٰہیہ میں سارے عالم کے لیے ایک جذبۂ محبت موجود ہے جسے اس نے اپنے احاطے میں لے رکھا ہے لہٰذا وہ ایک اصولِ فعّالیت بھی ہے اور اس لیے عالم کے بارے میں ایک علم پر متضمّن ہے۔ اس مشکل کے مزید حل کے لیے ابن سینا نے نوفلاطونی (اشراقی) نظریۂ صدور سے رجوع کیا۔ وہ کہتا ہے علّت اولیٰ صدور (فیضان) پر راضی ہے تا کہ اس کی خوبی جملہ موجودات میں منعکس ہو۔

اخلاق: اخلاق میں ابن سینا نے ارسطو کے ساتھ ساتھ افلاطونی اور نوفلاطونی فلسفہ بھی پیشِ نظر رکھا۔ واجب الوجود چونکہ ہر شے کی پہلی علّت اور آخری غایت ہے، لہٰذا اس کی اشیا پر ایک ازلی عنایت ہے۔ شر کا سرچشمہ ہے: (۱) جہالت، ضعف اور بدخوئی وغیرہ قسم کے نقائص، (۲) رنج و غم، کدورت، ملال، دل گرفتگی وغیرہ اور (۳) روحانی اضطراب۔ تقدیر کے سلسلے میں وہ "خیرہٖ و شرہٖ من اللہ تعالیٰ" کا قائل اور اس مسئلے میں گویا معتزلہ اور جبریہ سے مختلف الرّاے ہے۔ شر کوئی حکمِ مطلق نہیں ہے؛ چنانچہ افلاطون کی طرح وہ بھی یہ کہتا ہے کہ ہر شے سے وہی کچھ ظہور میں آتا ہے جس کے لیے اس کی آفرینش ہوتی ہے۔ بایں ہمہ عنایتِ الٰہی کے اثبات سے چونکہ علّت اولیٰ میں شعور، عقل اور حکمت کا اثبات لازم آتا ہے، لہٰذا ایک طبیعی نظام اور خدائی عدالت کا اثبات ضروری ٹھیرا۔

سقراط اور افلاطون کی طرح وہ بھی سعادت (endemonia) ہی کو اخلاق کی غایت تصوّر کرتا ہے، جس کا سرچشمہ ہے عقلِ اوّل سے اتّصال؛ البتہ سقراط اور افلاطون کی طرح وہ یہ نہیں کہتا کہ اخلاق کے لیے راستیِ فکر کافی ہے۔ اس نے نظری فضیلت کو عملی فضیلت سے الگ کیا ہے۔ وہ اس معاملے میں گویا ارسطو سے متّفق الرّاے ہے کہ اخلاق سے مقصود ہے فضائل کو عادۃً اختیار کرنا۔

تصوّف اور شریعت: اشارات کی آخری فصل مقامات العارفین میں ابن سینا نے تصوّف سے بحث کی ہے۔ عارف وہ ہے جو منطق اور علم کے راستے سے ہٹ کر حقیقت سے قرب و اتّصال کی بدولت عالمِ الٰہی تک پہنچے۔ عارفوں کا گزر کئی مقامات سے ہوتا ہے۔ ان کے مختلف درجات ہیں۔ زہد، تقوٰی اور ریاضت ''قال'' کو ''حال'' سے بدل دیتے ہیں۔ مشہور صوفی بزرگ ابوسعید ابوالخیر سے ابن سینا کی مکاتبت اس کے ذوقِ تصوّف کی شاہد ہے۔ اس موضوع میں اس کے متعدّد رسالے بھی ہیں: رسالة فی العشق، رسالة فی ماهیة الصلوٰة، کتاب فی معنی الزیارة، رسالة فی دفع الغم من الموت اور رسالة القدر۔ اوّل الذّکر چار رسائل کا لائڈن سے ۱۸۹۴ و ۱۸۹۹ء میں Mehren کا فرانسیسی زبان میں کیا ہوا ترجمہ مع متن شائع ہوا اور رسالة القدر لائڈن سے ۱۸۹۹ء میں۔ ۱۹۳۷ء میں حی ابن یقظان کا ترجمہ شرف الدّین یالتقایا نے ترکی میں شائع کیا۔ اس کا متن مع شرح لائڈن ۱۸۹۹ء میں شائع ہو چکا تھا، طبع میخائیل بن یحیٰی۔ ظاہر ہے ان سب رسالوں کی زبان رمزی ہے۔

ابن سینا کی الٰہیات فارابی اور رسائل اخوان الصفا کی جامع ہے۔ فلسفی مانتا ہے کہ عقل کے پہلو بہ پہلو ایمان کا وجود ضروری ہے۔ ان کے باہمی تعلّق کے بارے میں یا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ (۱) عقل اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں، لہٰذا انھیں ایک دوسرے سے الگ رکھنا چاہیے؛ یا یہ کہ (۲) ایمان عقل کا کمال ہے، لہٰذا اسے تکمیل تک پہنچاتا ہے؛ یا یہ کہ (۳) ایمان عملاً عقل کی تکمیل کا سبب بنتا ہے۔ ابن سینا دوسری صورت کا قائل ہے۔ شریعت حکمت کی ضد نہیں۔ ان کا وجود ایک دوسرے کے لیے ضروری ہے۔

وہ کہتا ہے کہ پیغمبروں کا درجہ فلسفیوں سے افضل ہے اور وحی کی حیثیت ایک بلند و بالا ادراک، یعنی ایک قوّتِ قدسیہ کی۔ وحی، الہام اور رویا حکمتِ الٰہیہ کے اجزا ہیں۔ کتاب النفس کے آخر میں جن حواسِ باطنی کا ذکر ہے ان کا اشارہ اسی قوّتِ قدسیہ کی طرف ہے۔ یوں بھی بعض انسان، جن کی قوّتِ حس تیز ہوتی ہے، بعض حد درجے باریک مناسبتوں کا ادراک کر لیتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حوادث کو پہلے سے جان لیں۔

شریعت کا کام ہے نوعِ انسانی کی اصلاح۔ اس کے دو وظیفے ہیں — ایک سیاسی اور دوسرا روحانی، جن کے اتمام میں انبیا علیہم السلام کی رسائی جن باتوں تک ہوتی ہے وہ دوسرے انسانوں کی دسترس سے باہر رہتی ہیں۔ شریعت اور حکمت کے معاملے میں ابن سینا شریعت سے قریب تر ہے، اسی لیے اس کے سارے نظامِ فلسفہ کا سلسلہ بالآخر الٰہیات سے جا ملتا ہے۔

مغرب پر اثر: مغرب نے ابن سینا سے بڑا اثر قبول کیا۔ اوّل اس کی تصنیفات کا ترجمہ لاطینی میں ہوا اور پھر ان ترجموں کے پیشِ نظر اس سے اخذ و اکتساب اور علٰی ہٰذا اس کی تشریح و تعبیر کے اس عمل کی داغ بیل پڑی جس سے قرونِ وسطٰی میں اس فلسفی کے افکار یورپ میں ہر کہیں پھیل گئے، مثلاً علم و حکمت میں اس کے خیالات، اجتہادات اور معلومات؛ چنانچہ طب میں تو اس کی سیادت سترھویں صدی تک قائم رہی۔

سالینس (Gündis Salinus)، پہلا فلسفی ہے جو اس سے متاثّر ہوا۔ یوں ابن سینا سے جس سلسلۂ افکار کو تحریک ہوئی اس سے مسیحی فلسفے نے مثبت اور منفی دونوں قسم کے اثرات قبول کیے۔ طامس اکوائنی (St. Thomas I'Aquini) نے، جو ابن سینا کے بجاے الغزالی سے بہت زیادہ متاثّر ہے، اس کے فلسفے پر تنقید کی ہے۔ بایں ہمہ ابن رُشد کے ظہور اور نشأۃِ ثانیہ کے باوجود، جب مغربی ذہن نے پھر سے کروٹ لی، ابن سینا کے اثرات جدید فلسفے میں برابر سرایت کرتے رہے۔ اس کے اقتدار کا پہلا دور تو وہ ہے جب اس کی تصنیفات کا ترجمہ ہو رہا تھا اور لوگ بہ کمالِ اشتیاق اس کی طرف بڑھ رہے تھے (تا ۱۲۳۰ء)۔ دوسرا وہ جب پوپ نے ارسطاطالیسی فلسفے کی تحقیق و تدقیق کا حکم دیا (۱۲۶۱ء)۔ تیسرا دور طامس ولی کی اس پر تنقید و اعتراض سے شروع ہوتا ہے گو ابن سینا کی فلسفیانہ عظمت کا اسے ہمیشہ اعتراف رہا۔

ایوک ریمنڈ طلیطلی (Evak Raymond) نے سرزمینِ ہسپانیہ میں مترجمین کا ایک ادارہ اس غرض سے قائم کیا تھا کہ مسیحی دنیا کو عرب مصنّفین سے روشناس کیا جائے۔ اس کے ترجموں کا زمانہ ۱۱۳۰ء ۱۱۵۰ء کے بین بین ہے، گو ان کا سلسلہ تیرھویں صدی تک بھی جاری رہا۔ یہ ترجمے عربی سے قسطیلی (Castilian) زبان میں اور پھر قسطیلی سے یوہانس ہسپلینسس (Johannes Hispalensis) نے لاطینی میں منتقل کیے۔ آگے چل کر مائیکل اسکاٹ نے بھی، جو ۱۲۳۶ء میں فوت ہوا، ابن سینا کی متعدّد تصنیفات کا ترجمہ کیا؛ چنانچہ بارھویں صدی کے اواخر سے ابن سینا کے افکار بلا قید و شرط جس طرح قبول ہو رہے تھے تیرھویں صدی میں ان کا اثر معراجِ کمال کو پہنچ گیا۔ اس زمانے کی اکثر علمی تصنیفات ابن سینا پر مبنی ہیں، حتّٰی کہ راجر بیکن بھی اکثر مباحث میں اس کا خوشہ چین ہے۔ پھر جن مفکّرین نے اس پر اعتراض کیے ہیں وہ بھی کئی ایک باتوں میں اس کے مُتّبع، نیز اس کے کمالِ علم اور کمالِ فکر کے قدردان ہیں۔

ابن سینا کی مندرجۂ ذیل کتب بھی شائع ہو چکی ہیں: (۱) الارجوزة السینائیة، جس کا دوسرا نام الارجوزة فی الطب بھی ہے، لکھنؤ ۱۲۶۱ھ؛ (۲) اسباب حدوث الحروف، مصر ۱۹۱۴ء؛ (۳) الاشارة الی علم فساد احکام المنجمین، اسے رسالة فی ردالمنجمین بھی کہتے ہیں، طبع مہران - لوفان، ۱۸۸۵ء؛ (۴) رفع المضار الکلیة عن الابدان الانسانیة، ابن ابوبکر الرازی

کی منافع الاغذیة کے حاشیے پر طبع ہوئی، ۱۳۰۵ھ؛ (۵) شفاء الاسقام فی علوم الحروف و الارقام، مصر ۱۳۲۸ھ؛ (۶) القصیدة العینیة، تیس ابیات کا قصیدہ، جو القصیدة الغزاء کے نام سے بھی مشہور ہے، چاپ سنگی ۱۶۳۵ء، بمبئی ۱۳۰۶ھ؛ (۷) القصیدة المزدوجة فی المنطق، بون ۱۸۳۶ء؛ (۸) منطق المشرقین، مطبع المؤید ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء.

مآخذ: (۱) ابو سعید الاندلسی: طبقات الامم؛ (۲) ابن ابی اُصَیبِعہ: عیون الانباء فی طبقات الاطبّاء، قاہرہ ۱۸۸۳ء؛ (۳) ابن القفطی: طبقات الحکماء، قاہرہ ۱۳۲۶ھ؛ (۴) ابن خلّکان: وفیات الاعیان، قاہرہ ۱۲۹۹ھ؛ (۵) اسلام انسائیکلوپیدی سی، مادّہ فارابی، غزالی، ابن رشد؛ (۶) محمد لطفی جمعہ: تأریخ فلاسفة الاسلام فی المشرق والمغرب، قاہرہ ۱۹۲۷ء؛ (۷) T. J. de Boer: تأریخ فلسفة الاسلام، عربی ترجمہ از محمد عبدالہادی ابورضا، قاہرہ ۱۹۴۸ء [اردو ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین، مطبع جامعہ ملّیہ دہلی، ۱۹۲۷ء]؛ (۸) مصطفیٰ عبدالرزاق: تمہید لتأریخ الفلسفة الاسلامیة، قاہرہ ۱۹۴۴ء؛ (۹) نوفل افندی: زبدة الصحائف فی سباحة المعارف، بیروت ۱۸۷۹ء؛ (۱۰) محمد البہی: الجانب الالٰہی من التفکیر الاسلامی، قاہرہ ۱۹۴۵ء؛ (۱۱) ابن سینا: الشفاء؛ (۱۲) وہی مصنّف: النجاة؛ (۱۳) وہی مصنّف: الاشارات و التنبیہات؛ (۱۴) وہی مصنّف: کتاب القانون فی الطب (دیکھیے عثمان ارگن: ابن سینا ببلیوگرافیہ سی – ابن سینا، نشر کردۂ ترک تاریخ کرومی (Turkish Hist. Society)، ۱۹۳۷ء؛ (۱۵) مصطفیٰ بن احمد: تبخیز (کذا تخبیز؟) المطحون (ترجمۂ قانون، راغب پاشا کتب خانہ)؛ (۱۶) ابن سینا، نشر کردۂ ترک تاریخ کرومی، مختلف مؤلّفین کے مقالات و تحقیقات، ۱۹۳۷ء؛ (۱۷) مصطفیٰ کامل مرعشی: ابن سینا، استانبول ۱۳۰۷ھ؛ (۱۸) جعفر نقدی: ابن سینا، تدبیر المنازل؛ (۱۹) ابوالضیاء توفیق: ابن سینا، استانبول، مطبع ابوالضیاء؛ (۲۰) حلمی ضیاء اویلکن: اسلام دو شنجہ سی، استانبول ۱۹۴۶ء؛ (۲۱) وہی مصنّف: اسلام مدنیتدن ترجمہ لر و تاثیر لر، ۱۹۴۷ء؛ (۲۲) ابن سینا: حیّ بن یقظان (ترجمہ شرف الدّین یالتقایا) (ابن سینا کی یادگاری جلد، ۱۹۳۷ء)؛ (۲۳) جمیل سالیہ: *Etude sur de metaphysique d’ Avicenna*؛ (۲۴) A. F. Mehren: *La philosophie d’ Avicenne*، Muséon ۱۸۸۳ء؛ (۲۵) وہی مصنّف: *Vues theosophiques d’ Avicenne*، Muséon، Louvain ۱۸۸۶ء؛ (۲۶) وہی مصنّف: *L’ Allegorie mystique*، حیّ بن یقظان مع ترجمہ و حاشیہ، Muséon، Louvaire ۱۸۸۶ء؛ (۲۷) وہی مصنّف: *L’ Oseau (kitab al-tayr) traite mystique d’ Avicenne*، Muséon ۱۸۸۷ء؛ (۲۸) وہی مصنّف: *Vues d’ Avicenne Sur l’ astrologie et sur le rapport de la responsibilite humaine avec le destin*، Muséon ۱۸۸۵ء؛ (۲۹) وہی مصنّف: *Les repports de la philosophie d’ Avicenne avec l’ Islam considere comme rêligion rêvélée et sa doctrine sur le développement theorique et pratique de l' âme*، ۱۸۸۲ء؛ (۳۰) Haneberg: *Zur Erkenntiniss lehre von Ibn Sina und Albertus Magnus*، میونخ ۱۸۶۶ء؛ (۳۱) Samuel Landauer: *Beiträge zur psychologie des Ibn Sina*، میونخ ۱۸۷۳ء؛ (۳۲) Max Horten: *Das Buch der Genesung der Seele*، شفاء کا جرمن ترجمہ، ۱۹۰۷ء؛ (۳۳) وہی مصنّف: *Texte zum streite Zwischen das Glauben und Wissen im Islam* (Farabi, Avicenna Averroés)، بون ۱۹۱۳ء؛ (۳۴) T. J. de Boer: *Geschichte der philosophie im Islam*، ۱۹۰۱ء؛ (۳۵) Léon Gauthier: *La philosophie Musulmane*، ۱۹۰۰ء؛ (۳۶) کارادوو (B. Carra de Vaux): *Avicenna*، پیرس ۱۹۰۰ء؛ (۳۷) وہی مصنّف: *Les penseurs de l’ Islam*، پیرس ۱۹۳۲ء؛ (۳۸) Vattier: *La logique du fils de Sina*، پیرس ۱۸۵۴ء؛ (۳۹) Forget: *L' influence de la philosophie arabe sur la philosophie Scholastique*، (Reveu néo-Scholastique)، ص ۳۸۵–۴۱۰؛ (۴۰) C. Huit: *Les Arabes et l’ Aristotélisme (Les Annales de philosophie chrétienne)*، پیرس ۱۸۹۰ء، ج ۲۱)؛ (۴۱) Munk: *Ibn Sina*، (Dictionmaire des sciencсs de Academie Francais)، ۱۸۸۵ء؛ (۴۲) وہی مصنّف: *Melanges de philosophie Juive et arabe*، ۱۸۸۶ء؛ (۴۳) Aug. Schmölders: *Essai sur les ecoles philosophique chez les Arabes et notament sur de doctrine d’ Algazzel*، ۱۸۴۲ء؛ (۴۴) G. Quadri: *La philosophie arab dans l’Europe medievale* (*Ibn Sina*)، (ترجمہ از اطالوی، پیرس ۱۹۴۷ء)؛ (۴۵) Etienne Gilson: *Augustinisme avicennisant* (*Arch. de Hist. doct. et litt. du moyen age*)؛ (۴۶) M. Goïchen: *La distinction de l’ essence et de l’ existence d’ apres Ibn Sina*، مطبوعۂ پیرس؛ (۴۷) وہی مصنّف: *Le livre de la definition d’ Ibn Sina*؛ (۴۸) وہی مصنّف: *Lexique de la philosophie d’ Ibn Sina*، پیرس ۱۹۳۴ء؛ (۴۹) ابراہیم مقدور: *L'orgnon 'd Aristotle dans le monde Arabe*، پیرس ۱۹۳۴ء؛ (۵۰) E. Gilson: *Avicenne et le point de Duns Scot Arch. d’ Hist. de med.*، ۱۹۲۷ء؛ (۵۱) Goïchen: *Une Logique moderne à l’ époque médiéval : la logique d’ Avicenne*، (*Arch. d’ hist. doct. et litt. du moyen age*)، ۱۹۴۸ء؛ (۵۲) وہی مصنّف: *La philosophie d’ Avicenne et son influence en Europe médiévale*، ۱۹۴۴ء؛ (۵۳) Louis Gardet: *Quelques*

aspects de la pensee avicenniene (Revue thomiste، ۱۹۳۹ء)؛ (۵۴) Encylopaedie de l' Islam، رک بہ مادۂ حکمت (Huart) واشراقیون (de Boer)؛ (۵۵) M. S. Pinet: Compté rendu sur Avicenne (Revue des Etudes islamiques)؛ (۵۶) E. Gilson: Les sources greco-arabes de l' Augustinisme avicennisant، Arch. d' hist doct. et litte. du moyen age، ۱۹۳۰ء)؛ (۵۷) وہی مصنّف: Pourquoi saint Thomas a critiqué saint Augustin، (وہی مجموعہ ۱۹۳۶ء)؛ (۵۸) ابن سینا کی تصانیف کی فہرست عثمان ارگین کے علاوہ Goïchon نے بھی کاتب چلپی اور ابن قفطی کے مطابق تیار کی ہے، دیکھیے Goichen: La philosophie d' Avicenne، تمہیدی حصّے میں۔ بعض اغلاط کی اسی مؤلف نے Distinction de l' essence et l' existence میں تصحیح کردی ہے۔ ابن سینا کی مطبوعہ اور قلمی تصانیف کی ایک مکمل فہرست G. C. Anawati نے Essai de Bibliographie avicenniene (قاہرہ ۱۹۵۰ء) میں درج کی ہے؛ (۵۹) نکلسن (A. Nicholson): A Literary History of the Arabs، ص ۳۶۰ بعد؛ (۶۰) ابن العبری: تاریخ مختصر الدول، ص ۳۲۵؛ (۶۱) ابن قُطلوبغا: تاج التراجم، ص ۱۹؛ (۶۲) ابوالفداء، ۲: ۱۶۱؛ (۶۳) البغدادی: خزانۃ الادب، ۴: ۴۶۶؛ (۶۴) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۲۴۱؛ (۶۵) آداب اللغۃ، ۲: ۳۳۶؛ (۶۶) لسان المیزان، ۲: ۲۹۱؛ (۶۷) الفہرس التمہیدی، ص ۴۵۳، ۴۶۴، ۴۹۷، ۵۱۶-۵۲۶؛ (۶۸) ابن قیّم الجوزی: اغاثۃ اللہفان، مصر ۱۳۵۷ھ، ۲: ۲۶۶؛ (۶۹) الردّ علی المنطقیین، ص ۱۴۱ بعد؛ (۷۰) امین مرسی نے ابن سینا کی ان تالیفات کی ایک فہرست تیار کرکے ۱۹۵۰ء میں شائع کی تھی جو دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے؛ (۷۱) اخبار حمایت اسلام، ابن سینا نمبر، ۲۵ جون ۱۹۵۴ء؛ (۷۲) جمیل صلیبا: ابن سینا؛ (۷۳) جارج سحاتہ حفوانی: مؤلفات ابن سینا؛ (۷۴) محمود العقاد: الشیخ الرئیس ابن سینا؛ (۷۵) بولس مسعد: ابن سینا الفیلسوف؛ (۷۶) حمودہ غرابہ: ابن سینا بین الدّین و الفلسفۃ؛ (۷۷) الشہرستانی، ص ۳۴۸ بعد؛ (۷۸) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، طبع یالتقایا، عمود ۹۴، ۱۳۱۱، تحت مادّہ قانون؛ (۷۹) الراغب: الذریعۃ، ۲: ۴۸، ۹۶ و ۷: ۱۸۴؛ (۸۰) Leclerc، ۱: ۴۶۶؛ (۸۱) براکلمان، ۱: ۴۵۲ و تکملہ، ۱: ۸۱۲؛ (۸۲) A. Müller: Der Islam، ۲: ۶۷ بعد؛ (۸۳) Encyclopaedia of Religion and Ethics، ۲: ۲۷۲ بعد؛ (۸۴) Guiseppe Gabrieli: Avicenna؛ (۸۵) E. G. Browne: Literary History of Persia، ۱۹۰۶ء، ۲: ۱۰۶-۱۱۱؛ (۸۶) وہی مصنّف: Arabian Medicine، ۱۹۲۱ء؛ (۸۷) H. G. Farmer: The Arabian Influence on Musical Theory، در JRAS، ۱۹۲۵ء، ص ۶۱-۸۰ و ISIS، ۸: ۵۰۸-۵۱۱؛ (۸۸) K. Sudhoff: Planta noctis، ۱۹۰۹ء۔ ابن سینا کی قانون میں آبلوں کی ایک بیماری کا ذکر ہے جو زیادہ تر "بنات" یعنی لڑکیوں کو ہوتی ہے۔ قانون کے لاطینی مترجم نے "بنات" کو غلطی سے "نبات" پڑھا اور Planta کے لفظ سے اس کا ترجمہ کردیا (سارٹن Sarton، ۱: ۷۱۲).

(حلمی ضیاء اولکن ÜLKEN و سید نذیر نیازی)

---

* **ابن سیّد النّاس**: فتح الدین ابوالفتح محمد بن ابی بکر محمد [بن محمد بن احمد] الیَعمُری الاَنْدلسی، ایک عرب سوانح نگار، جو ۶۶۱ھ/۱۲۶۳ء (بقول دیگر ۶۷۱ھ/۱۲۷۳ء) میں قاہرہ میں پیدا ہوا۔ قاہرہ اور دمشق میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ قاہرہ کے المدرسۃ الظاہریّہ میں استادِ حدیث مقرّر ہوگیا۔ اس نے آنحضرت [صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم] کی ایک مکمّل سوانح حیات لکھی ہے جس کا نام ہے عیون الأثر فی فنون المغازی [و] الشمائل والسّیر [قاہرہ ۱۳۵۶ھ] (براکلمان Brockelmann میں یہ نام قدرے مختلف طرح دیا گیا ہے، دیکھیے سطورِ ذیل)۔ اس نے آنحضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کی مدح میں کئی ایک قصیدے بھی بعنوان بُشری اللَّبِیب فی ذکر الحبیب لکھے۔ H. G. L. Kosegarten (Stralsund ۱۸۱۵ء) اور Basset (Louvain ۱۸۸۶ء) نے ان میں سے ایک قصیدہ شائع کردیا ہے۔ ابن سیّد النّاس نے ۷۳۴ھ/۱۳۳۴ء میں انتقال کیا.

مآخذ: [(۱) ابن شاکر الکتبی: فوات الوَفیات، ۲: ۱۶۹؛ (۲) ابن حَجَر: الدُّرر الکامنۃ، ۴: ۲۰۸-۲۱۳؛ (۳) الذّہبی: طبقات القرّاء، ۲: ۲۱۱؛ (۴) ابن تغری بردی: النجوم الزاہرۃ، ۷: ۳۵۶؛ (۵) ابن کثیر: البدایۃ و النہایۃ، ۱۴: ۳۰۰؛ (۶) المقریزی: السلوک لمعرفۃ دول الملوک، ۱: ۵۴۲؛ (۷) السبکی: طبقات، ۶: ۲۹؛ (۸) الصفدی: الوافی، استانبول ۱۹۳۱ء، ۱: ۲۸۹ بعد؛ (۹) الدمشقی: ذیل طبقات الحُفّاظ، ص ۱۶؛ (۱۰) ابن العماد: شذرات الذہب، ۶: ۱۰۸؛ (۱۱) المنہل الصافی، ۳: ۲۹۱؛ (۱۲) الشوکانی: البدر الطالع، ۲: ۲۴۹ بعد؛ (۱۳) الاسدی: طبقات ص ۷۲؛ (۱۴) براکلمان، ۱: ۲ و تکملہ، ۲: ۷۷؛ (۱۴) Pons Boigues: Ensayo bio-bibliografico، ص ۳۲۰ بعد].

---

* **ابن شاکر الکتبی**: صلاح (یا فخر) الدین محمد بن شاکر الحلبی، عرب مؤرّخ اور سوانح نگار۔ اس کی زندگی کا مختصر حال جتنا بھی معلوم ہے وہ فقط ابن حَجَر العَسقلانی [رکّ بآن] کی کتاب الدّرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ میں درج ہے۔ براکلمان (Brockelmann) (۲: ۴۸) نے اسی سے استفادہ کیا ہے۔ الکتبی [دمشق کی نواحی بستی داریا میں ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء میں پیدا ہوا اور اس نے حلب اور دمشق میں تعلیم پائی اور پھر کتب فروشی کے ذریعے بہت دولت جمع کرلی۔ رمضان ۷۶۴ھ/جون-جولائی ۱۳۶۳ھ) میں [دمشق میں] اس کا انتقال ہوا، لیکن سب سے زیادہ مشہور اور تمام تصانیف میں سے ایک ہی طبع شدہ کتاب فوات الوفیات (بولاق ۱۲۸۳ھ، ۱۲۹۹ھ) میں، جو ابن خَلِّکان کی وَفیات

الاعیان کا تکملہ ہے، اس کی زندگی کے کچھ حالات دیے ہوے ہیں اور ان میں اس کی تاریخ وفات ۷۴۳ھ درج ہے اور یہی وجہ ہے کہ بولاق کی مطبوعہ کتاب کے ناشر کو اس مشتبہ موضوع پر ایک تشریحی حاشیہ لکھنا پڑا ہے۔ اس تناقض کو وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld) نے *Die Geschichtsschreiber der Araber und iher Werke* (طبع جدید، منقول از *AGW*، *Gott.* ۱۸۸۲ء، ص xxviii بعد) میں پہلے ہی اطمینان بخش طریقے سے رفع کر دیا ہے، یعنی فوات الوفیات میں جو سوانح حیات دیے ہیں ان میں تاریخ وفات غلطی سے ۷۴۳ھ لکھی گئی ہے، صحیح طور پر ۷۶۴ھ ہونا چاہیے۔ [فوات میں ۵۷۲ تراجم ہیں۔ اس میں سے سات وہ ہیں جن کا ذکر ابن خلّکان کے ہاں ہو چکا ہے]۔

الکتبی کی دیگر تصانیف یہ ہیں: ۱- روضة الاذکار [الازهار] و حدیقة الاشعار، یہ ایک مجموعۂ غزلیات ہے (حاجی خلیفہ، عدد ۶۶۲۲)؛ ۲- عیون التواریخ (قب براکلمان (Brockelmann)، موضع مذکور)، حاجی خلیفہ، عدد ۸۴۶۳ کے مطابق اس پوری کتاب کی ۶ جلدیں ہیں۔ [اس میں ابن کثیر کی البدایة والنهایة کے انداز میں ۷۶۰ھ کے اواخر تک کے حالات ہیں، بلکہ بیشتر اس کا تتبع ہی کیا گیا ہے۔ اس کے غیر مکمّل مخطوطے الظاہریّہ، گوتا، پیرس، موزۂ برطانیہ اَور واٹیکن (روم) میں موجود ہیں، دیکھیے خزائن الکتب فی دمشق و ضواحیها، ص ۷۷]۔

مآخذ: (۱) ابن شاکر: فوات؛ (۲) ابن حَجَر: الدُرَرُ الکامنة، ۳: ۴۵۱؛ (۳) حاجی خلیفه: کشف الظنون، طبع یالتقایا، عمود ۹۲۲، ۱۱۸۵، ۱۲۹۲؛ (۴) کرد علی: خطط، ۱: ۱۷؛ (۵) حبیب الزیات: خزائن الکتب فی دمشق و ضواحیها؛ (۶) براکلمان، ۲: ۴۸ و تکمله، ۲: ۴۸]۔

(M. PLESSNER پلسنر)

---

* **ابن شدّاد:** بهاء الدّین ابوالمحاسن یُوسُف بن رافع، ایک عرب سوانح نگار، جو [۱۰ رمضان] ۵۳۹ھ/ [۶ مارچ] ۱۱۴۵ء کو بمقام موصل پیدا ہوا۔ اس نے موصل اور بغداد میں تعلیم پائی اور ۵۶۹ھ/ ۱۱۷۳ء میں اپنے پیدائشی شہر ہی میں مدرّس مقرر ہو گیا۔ ۵۸۳ھ/ ۱۱۸۸ء میں اس نے فریضۂ حج ادا کیا اور واپسی پر دمشق گیا، جہاں اس نے سلطان صلاح الدین کی ملازمت اختیار کر لی۔ سلطان نے اسے بیت المقدس کا قاضی العسکر بنا دیا۔ اس کی وفات کے بعد وہ ۵۹۱ھ/ ۱۱۹۵ء میں حلب چلا گیا اور وہاں کا قاضی بنا دیا گیا۔ حلب میں وہ الملک الظّاہر اور الملک العزیز کے عہد میں ایک بااثر اور پُرمنفعت عہدے پر فائز رہا اور اس نے کئی مدرسے بنائے اَور ان کے ضروری اخراجات کے لیے وقف قائم کیے۔ اس نے ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۴-۱۲۳۵ء میں وفات پائی اور اپنی عمر کے آخری سال ایک عام شہری کی حیثیت سے گزارے۔ اس کی سب سے بڑی تصنیف صلاح الدّین کی سیرت ہے [(۱) سیرة السلطان الملک الناصر صلاح الدّین، جس کا دوسرا نام النوادر السلطانية و المحاسن اليوسفية بھی ہے]، جسے شُلتِنس (A. Schultens) نے (مع لاطینی ترجمے کے) شائع کیا، [لائڈن] ۱۷۳۲-۱۷۵۵ء؛ مشرقی ایڈیشن قاہرہ ۱۳۱۷ھ؛ انگریزی ترجمہ از Conder، بعنوان *The Life of Saladin byBeha ad-din compared with the original Arabic and annotated*، لنڈن ۱۸۹۷ء؛ نیز قب *Recueil des Historiens des Croisades. Hist. Orient*، ج ۳۔ [ابن شدّاد کی بعض دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں: (۲) سیرة الملک الظّاهر بَیبَرس، اس کا ترکی ترجمہ بھی ہو چکا ہے، طبع یالتقایا، استانبول ۱۹۴۱ء؛ (۳) تأریخ حلب؛ (۴) دلائل الاحکام؛ (۵) ملجاء الاحکام؛ (۶) کتاب العصا]۔

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وفیات، طبع وُسٹنفلٹ، عدد ۸۵۲ (بڑی جامع ہے)؛ [(۲) ابن کثیر: البداية و النهاية، ۱۳: ۱۴۳؛ (۳) الذّہبی: طبقات القراء، ۲: ۱۹۳؛ (۴) ابن العماد: شذرات الذهب، ۴: ۳۲۷]؛ (۵) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۱۶ [و تکمله، ۱: ۵۴۹]۔

---

* **ابن شدّاد:** عزّ الدّین ابو عبداللہ محمد بن علی بن ابراہیم [الانصاری، الحلبی؛ براکلمان نے اس کا نام اس طرح لکھا ہے: محمد بن ابراہیم ابن علی]، ایک عرب مؤرّخ، [جو ۶۱۳ھ/ ۱۲۱۷ء میں بمقام حلب پیدا ہوا اور] جس نے ۶۸۴ھ/ ۱۲۸۵ء میں [قاہرہ میں] وفات پائی۔ اسے اکثر اوقات مذکورۂ بالا ابن شدّاد کے ساتھ ملتبس کر دیا جاتا ہے [جیسا کہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (۱: ۱۲۵) میں کیا ہے۔ اسی طرح الزِرِکْلی اَور ابن العماد نے سیرة الملک الظاهر اور تأریخ حلب کو بھی اسی ابن شدّاد کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ براکلمان نے ان کتب کو مقدّم الذّکر ابن شدّاد کی طرف منسوب کیا ہے]۔ اس نے شام اور الجزیرہ کے متعلّق ایک بڑی اہمّ کتاب لکھی ہے، جس کا نام الاَعْلاقُ الخَطِیرَة الحَطِیرَة فی ذِکْرِ اُمَرائِ الشّام وَالْجَزِیرة ہے؛ اس کے لیے قب Sobernheim: *Ibn Shaddâds Darstellung der Geschichte Baalbeks im Mittelalter*، در *Centenario della nascita di M. Amari*، ۲: ۱۵۲ بعد۔ [الاعلاق کا وہ حصّہ جس میں دمشق کی تاریخ ہے سامی الدّہان نے ایک علیحدہ جلد میں شائع کر دیا ہے۔ الاعلاق کا مخطوطہ واٹیکن (روم) میں ہے، عدد ۷۳۰ عربی۔ اس کی ایک اور جلد القُرع الشدّادية الحميدية یا تحفة الزمن فی طُرَف اهل الیمن ہے، مخطوطہ در پٹنہ، ۱۷۲۰ء، ۱: ۱۹۰]۔

مآخذ: [(۱) ابن کثیر: البداية، ۱۳: ۳۰۵؛ (۲) مرآة الجنان، ۴: ۲۰۱؛ (۳) ابن العماد: شذرات، ۵: ۳۸۸؛ (۴) اعلام النبلاء، ۴: ۵۲۵؛ (۵) کرد علی: خِطَطُ الشام، ۱: ۱۲ بعد؛ (۶) الزرکلی: الاعلام، ۷: ۱۷۳]؛ (۷) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۸۲ [و تکمله، ۱: ۸۸۳]؛ (۸) *Cat. Leid.*، طبع ثانی، ۲: ۵ بعد۔

---

* **ابن صَدَقہ:** تین وزیروں کا نام:

۱-جلال الدّین عمید الدّولہ ابوعلی الحسن بن علی، وزیر المُستَرشِد، ۵۱۳ھ/ ۱۱۱۹-۱۱۲۰ء میں وزیر مقرّر ہوا، لیکن جُمادی الاُولٰی ۵۱۶ھ/ جولائی - اگست ۱۱۲۲ء میں خلیفہ نے اسے معزول کر دیا۔ اس کا گھر لوٹ لیا گیا اور اس کا بھتیجا ابو الرّضا بھاگ کر موصل چلا گیا۔ اب وزیر کا عہدہ علی بن طِرَاد الزَّینَبِی کو دیا گیا اَور پھر اسی سال ماہ شعبان (اکتوبر-نومبر ۱۱۲۲ء) میں احمد بن نظام الملک کو۔ جب احمد نے مطالبہ کیا کہ ابن صَدَقہ دارالحکومت سے نکل جائے تو وہ امیر سلیمان بن مُہارِش کے پاس حدیثۃ عانَہ میں چلا گیا، لیکن دوسرے ہی سال اسے وزارت کے منصب پر بحال کر دیا گیا۔ جب طُغرُل بن محمد سَلجُوقی نے دُبَیْس ابن صَدَقہ [رکّ بآن] کی ترغیب سے پورے عراق کو مُسخّر کرنے کی غرض سے بغداد پر چڑھائی کی تو خلیفہ [المُستَرشِد باللہ] صفر ۵۱۹ھ/ مارچ ۱۱۲۵ء میں اس کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔ طُغرُل اور دُبَیْس جَلُولاء کے مقام پر خیمہ زن ہوے اور خلیفہ اور اس کے وزیر نے بغداد کے شمال مشرق میں دَسْکَرَہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے۔ اس پر طُغرُل اَور دُبَیْس نے چکر کاٹ کر بغداد پہنچنے کی ٹھانی؛ چنانچہ دُبَیْس کو دو سو سواروں کے ساتھ ہراول کے طور پر روانہ کر دیا اور اس نے نَہرَوان کے قریب دَیالَہ کے معبر پر قبضہ کر لیا، لیکن کچھ تو بخار کے حملے کی وجہ سے اَور کچھ طغیانی کے باعث، جس سے پیش قدمی دشوار ہو گئی تھی، طغرل کو وہاں پہنچنے میں دیر لگ گئی۔ خلیفہ اس سے پہلے پہنچ جانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے دُبَیْس پر اچانک حملہ کر دیا۔ دُبَیْس نے المُستَرشِد سے مصالحت کرنا چاہی اور خلیفہ بھی صلح کرنے پر رضامند تھا، لیکن وزیر نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا اَور طُغرُل اَور دُبَیْس نے خراسان کی طرف اپنا سفر جاری رکھا تا کہ وہ سلطان سَنجَر سَلجُوقی سے مدد لیں۔ جلال الدّین ابن صَدَقہ یکم رجب ۵۲۲ھ/ یکم جولائی ۱۱۲۸ء کو فوت ہو گیا۔

مآخذ: (۱) ابن طِقطِقی: الفخری، طبع درانبورغ (Derenbourg)، ص ۴۰۹-۴۱۱؛ (۲) ابن الأثیر (طبع ٹورن برگ)، ج ۱۰، دیکھیے اشاریہ؛ (۳) Weil: Gesch. d. Chalifen، ۳: ۲۲۴؛ [(۴) ابن کثیر: البدایۃ، ۱۲: ۱۸۹؛ (۵) ابن العماد: شذرات، ۴: ۶۶].

۲-جلال الدّین ابوالرضا محمد [بن احمد] سابق الذّکر کا بھتیجا اور خلیفہ الرّاشد باللہ کا وزیر۔ ۵۲۹ھ/ ۱۱۳۵ء میں الرّاشد کی تخت نشینی کے بعد ابن صَدَقہ کو وزیر مقرّر کیا۔ دوسرے سال جب خلیفہ نے بہت سے اعلٰی عہدیداروں کو گرفتار کر لیا تو ابن صَدَقہ نے موصل کے والی زَنگی بن آق سُنْقُر کے پاس پناہ لے لی۔ اَور اس طرح وہ ذوالقعدہ ۵۳۰ھ/ اگست ۱۱۳۶ء میں الرّاشد کی معزولی تک اپنے عہدے پر قائم رہ سکا۔ اس کے بعد بھی وہ کئی اعلٰی عہدوں پر فائز رہا۔ اس نے ۵۵۶ھ/ ۱۱۶۰-۱۱۶۱ء میں وفات پائی۔

مآخذ: (۱) ابن طِقطِقی: الفخری، طبع درانبورغ (Derenbourg)، ص ۴۱۶، (۲) ابن الأثیر [طبع ٹورن برگ (Tornberg)، ۱۰: ۳۹۶، ۴۲۳ و ۱۱: ۲۲؛ (۳) ابن العِماد: شذرات، ۴: ۱۷۷].

۳-مؤتَمَن الدّولہ ابوالقاسم علی، خلیفہ المُقتَفی کا وزیر۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بہت پارسا لیکن غیر تعلیم یافتہ آدمی تھا اَور ایک مشہور خاندان کا فرد ہونے کے باوجود وزارت کے فرائض سے بالکل نابلد تھا۔

مآخذ: ابن طِقطِقی: الفخری (طبع درانبورغ)، ص ۴۱۹.

(K. V. ZETTERSTÉEN)

⊗ **ابن الصَّلاَح:** شیخ الاسلام تقی الدّین ابوعمرو عثمان بن صلاح الدّین بن عبدالرحمٰن الکردی الموصلی الشّہرزوری الشافعی، نامور محدّث اور فقیہ۔ علماے حدیث کے نزدیک ''شیخ'' وہی کہلاتے تھے، چنانچہ الفیۃ میں ہے:

و کلّما اَطلقتُ لفظ الشّیخ ما

اُرید الّا ابن الصّلاح مبھمًا

ابن الصَّلاح ۵۷۷ھ/ ۱۱۸۱ء میں اِربِل کے علاقے میں شہرزور کے قریب موضع شرخان میں پیدا ہوے، جہاں انھوں نے اپنے والد الصّلاح (م ۶۱۸ھ) سے فقہ پڑھی۔ پھر والد کے ساتھ موصل چلے گئے۔ وہاں انھوں نے حدیث ابوجعفر عبیداللہ بن السمین البغدادی سے سنی اور سفر کا آغاز ہونے سے پہلے ہی کتاب المہذّب ختم کر لی اور وہیں عمادالدّین ابو حامد محمد بن یونس (م ۶۰۸ھ) کے روبرو اسے دہرایا۔ تحصیلِ علم کے سلسلے میں ابن الصّلاح نے مختلف اطراف کا سفر کیا؛ چنانچہ وہ بغداد گئے اور وہاں ابواحمد عبدالوہّاب بن علی بن سکینہ اور ابن طبرزد (=عمر بن ابی بکر، م ۶۰۷ھ) سے علم حاصل کیا۔ پھر نیشاپور میں منصور بن عبدالمنعم الفُراوی (م ۶۰۸ھ) اَور المؤیّد الطوسی (م ۶۱۷ھ) سے، مرو میں ابوالمظفر السّمعانی (م ۶۱۷ھ) اور محمد بن عمر المسعودی سے اور دمشق میں قاضی عبدالصّمد بن محمد الحَرَستانی (م ۶۱۴ھ) اور ابن قدامہ الحنبلی (م ۶۰۷ھ) [رکّ بآن] سے تخرّج کیا۔ پھر وہ قدس کے المدرسۃ الصلاحیہ میں معلّم مقرّر ہوے۔ بعدازاں دمشق میں الزکی ابن رواحہ الحموی (م ۶۲۲ھ) کے المدرسۃ الرّواحیہ میں درس دیتے رہے۔ جب الملک الاشرف نے دمشق میں دارالحدیث (الاشرفیہ) قائم کیا تو ابن الصَّلاح وہاں حدیث اور فقہ کے مدرّس اعلٰی بنائے گئے۔ وہیں ستّ الشام زمرّد خاتون بنت ایّوب (م ۶۱۶ھ) نے بھی، جو شمس الدولہ توران شاہ بن ایوب کی بہن تھی، ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔ ابن الصّلاح وہاں بھی تعلیم و تدریس کرتے رہے۔

ابن الصّلاح کے شاگردوں میں تاج الدّین عبدالرحمٰن بن ابراہیم الفِرکاح (م ۶۹۰ھ)، ابن خلّکان (م ۶۸۱ھ)، الفخر عمر بن یحیٰی الکرخی اور احمد بن ہبۃ اللہ بن عساکر (م ۶۹۹ھ) کے نام لیے جاتے ہیں۔

ابن الصّلاح اپنے زمانے کے مشہور فضلا میں شمار ہوتے ہیں اور حدیث،

اسماء الرّجال، فقہ اَور تفسیر میں سند تصوّر کیے جاتے ہیں.

ابن الصَّلاح نے ۲۵ ربیع الاوّل ۶۴۳ھ/ اگست ۱۲۴۳ء کی صبح کو دمشق میں وفات پائی۔ ان کی نمازِ جنازہ جامع اموی میں اور پھر دوسری بار باب الفرج میں پڑھی گئی اور انھیں مقابر الصّوفیہ میں سر رہگزر دفن کیا گیا.

ابن الصّلاح کی کتاب المقدّمۃ (فی علوم الحدیث) اساسی حیثیت کی حامل ہے۔ وہ اس قدر مقبول عام ہوئی کہ علما اسے کئی ناموں سے یاد کرتے ہیں (مثلًا کتاب معرفۃ انواع علم الحدیث، کتاب اَقْصَی الاَمَل و الشوق فی علوم حدیث الرسول وغیرہ)۔ اس کتاب پر کئی شرحیں لکھی گئیں اور متعدّد حواشی چڑھائے گئے۔ اسے نظم بھی کیا گیا۔ اس کا ایک منظوم خاکہ، جو سب سے زیادہ مشہور ہوا، عبدالرحیم العراقی (م ۸۰۶ھ) کا التبصرۃ و التذکرۃ (یا الفیۃ فی اصول الحدیث) ہے (سالِ تالیف ۷۶۸ھ).

مقدّمۂ ابن الصّلاح کئی بار چھپ چکا ہے (چاپ سنگی، لکھنؤ ۱۳۰۴ھ؛ قاہرہ ۱۳۲۶ھ، جس کا متن عبدالحیٔ نے دو نسخوں کے تقابل سے تیار کیا؛ بمبئی ۱۸۳۸ء)۔ ۱۳۴۷ھ میں محمد راغب الطبّاخ الحلبی نے حلب میں دیگر نسخوں کے علاوہ عبدالرحیم العراقی کی شرح التقیید و الایضاح کا ایک نایاب مخطوطہ دریافت کیا، جو ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے ثغر عدن میں ۸۰۶ھ میں خود لکھا تھا۔ محمد راغب نے مقدّمۃ کی اس شرح کو حلب سے ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء میں شائع کیا۔ مکتبۂ دانش گاہِ پنجاب میں بھی المقدّمۃ کا ایک عمدہ مخطوطہ محفوظ ہے۔ اسے عبدالحق بن حسین نے ۹۷۶ھ میں ہرات کے نسخے (مکتوبہ ۸۶۸ھ) سے نقل کیا تھا، جو ابن الصّلاح کے اپنے مخطوطے (۶۳۸ھ) پر مبنی بتایا جاتا ہے.

مقدّمۂ ابن الصّلاح کے کئی خلاصے بھی موجود ہیں۔ ان میں معروف ترین یہ ہیں: النَّوَوی (م ۶۷۶ھ): ارشاد الحدیث؛ ابن حَجَر العسقلانی: نخبۃ الفکر (اَور یہ بہترین تلخیص ہے) اَور السّیوطی (م ۹۱۱ھ): تدریب۔ المقدّمۃ کا ترکی ترجمہ احمد بن عبداللہ الاغروشی نے ۱۲۷۰ھ میں کیا، جو استانبول میں ۱۳۲۷ھ میں طبع ہوا.

المقدّمۃ کے علاوہ ابن الصّلاح کی کتاب ادب المفتی و المستفتی، فتاوٰی، صلۃ الناسک، طبقات الشافعیّۃ، احادیث فی فضل الاسکندریۃ و عسقلان، اشکالات علی کتاب الوسیط (یا مشکل الوسیط فی الفقہ) معروف ہیں؛ نیز دیکھیے براکلمان، ۱: ۳۵۹ و تکملہ، ۱: ۶۱۰ - ۶۱۲.

مآخذ: (۱) ابن خلِّکان (۱۳۱۰ھ)، ۱: ۳۱۲ - ۳۱۳؛ (۲) الذہبی: تذکرۃ الحُفّاظ، ۴: ۲۱۴ - ۲۱۸؛ (۳) وہی مصنّف: طبقات الحفاظ، طبع وُسْتِنْفِلْٹ، ۱۸۳۳ھ، ط ۱۸: عدد ۲۱؛ (۴) السبکی: طبقات الشافعیۃ، ۵: ۱۳۷ - ۱۴۲؛ (۵) ابوالفداء، ۴: ۴۶۶، ۴۸۲؛ (۶) حاجی خلیفہ، ۱: ۲۰۴؛ (۷) ابن العماد: شذرات، ۵: ۲۲۱ - ۲۲۲؛ (۸) سامی: قاموس الاعلام، ۱: ۶۴۱؛ (۹) وُسْتِنْفِلْٹ: *Geschichtschreiber*، عدد ۳۴۵؛ (۱۰) ہامر پرگشتال: *Literaturgeschichte der Araber*، ۷: ۱۰۸ (عدد ۷۲۶۱)، ص ۲۵۶ - ۲۵۷ (عدد ۷۵۸۰)؛ (۱۱) براکلمان: ۱: ۳۵۹ و تکملہ، ۱: ۶۱۰ - ۶۱۲.

(احسان الٰہی رانا)

⊗ * **ابن طُفیل:** ابوبکر (و ابوجعفر) محمد بن عبدالملک بن محمد بن محمد بن طفیل القَیْسی، اسلامی اندلس کا نامور فلسفی، جو ابوجعفر الاندلسی القرطبی الاشبیلی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ مسیحی متکلّمین نے اسے Ababacer لکھا ہے، جو ابوبکر کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ وہ قبیلۂ قیس میں سے تھا اور ۴۹۴ھ/ ۱۱۰۰ - ۱۱۰۱ء کے لگ بھگ وادی آش میں پیدا ہوا، جو غرناطہ سے چالیس میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ ابن طفیل کے خاندان اور تعلیم و تربیت کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں۔ پھر یہ خیال بھی کہ وہ ابن باجہ [رَكّ بآن] کا شاگرد تھا غلط ہے، اس لیے کہ اپنی تصنیف حیّ ابن یقظان [مطبع الوطن، ۱۲۹۹ھ؛ مطبع وادی النیل، ۱۲۹۹ھ؛ مصر ۱۳۲۲ھ؛ مطبع السعادہ، ۱۳۲۷ھ؛ الجزائر ۱۹۰۰ء؛ اردو ترجمہ ظفر احمد صدیقی، علی گڑھ ۱۹۵۵ء] میں اس نے ابن باجہ سے عدم واقفیت کا اظہار کیا ہے (ترجمہ حیّ ابن یقظان از S. Ockley، لنڈن ۱۷۰۸ء، ص ۱۵)۔ وہ طبیب بھی تھا اور غرناطہ میں طبابت کرتا رہا۔ پھر وہ والیِ صوبہ کا کاتب بنا اور ۵۴۹ھ/ ۱۱۵۴ء میں اس نے یہی خدمت والی طنجہ اور سبتہ کے یہاں سرانجام دی؛ آخر الامر الموحّد تاجدار ابویعقوب یوسف اوّل (۵۵۸ - ۵۸۰ھ/ ۱۱۶۳ - ۱۱۸۴ء) کا طبیب مقرّر ہوا۔ یہی منصب ہے جو اس کے بعد اس کے دوست ابن رُشد کو ملا۔ رہا یہ کہ وہ تاجدار مذکور کا وزیر بھی تھا تو یہ مشکوک ہے کیونکہ اس کا ذکر، جیسا کہ لیون گوتیے (L. Gauthier) نے بتایا ہے، صرف ایک کتاب میں آیا ہے؛ چنانچہ اس کے شاگرد البطْرُوجی [رَكّ بآن] نے بھی اسے محض قاضی ہی لکھا ہے: (*Ibn Thofail*: L. Gauthier)۔ بہر حال ابن طفیل کو ابویعقوب کے یہاں بڑا اثر اَور رسوخ حاصل تھا۔ اس نے متعدّد علما کو دربار میں بلایا۔ نوجوان ابن رُشد بھی اسی کی وساطت سے ابو یعقوب کی خدمت میں پہنچا۔ عبدالواحد المرّاکشی نے اس ملاقات کا حال بھی بیان کیا ہے (المعجب، طبع ڈوزی (Dozy)، ص ۱۷۴ ببعد؛ ترجمہ از فانیان (Fagnan) ص ۲۰۱ - ۲۱۰)، جس میں امیر المؤمنین نے مسائلِ فلسفہ سے اپنی گہری واقفیت کا اظہار کیا۔ ابن طفیل ہی نے ابو یعقوب کی تحریک پر ابن رُشد کو مشورہ دیا کہ ارسطو کی تصنیفات پر حواشی لکھے، جس کا ابن طفیل کے ایک شاگرد ابوبکر بُنْدُود نے ذکر بھی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "امیر المؤمنین کو ابن طفیل سے بے حد لگاؤ تھا۔ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ محلِّ شاہی میں امیر المؤمنین کے حضور کئی کئی دن اور راتیں گزارتا اور اس اثنا میں کبھی باہر نہ آتا".

۵۷۸ھ/ ۱۱۸۲ء میں، جب ابن طفیل پیرانہ سالی میں قدم رکھ چکا تھا، ابن رُشد کو اس کی جگہ طبیب مقرّر کیا گیا؛ بایں ہمہ ابن طفیل کو ابو یعقوب کی سرپرستی حاصل رہی۔ ابو یعقوب کا انتقال ۵۸۰ھ/ ۱۱۸۴ء میں ہوا، مگر اس کے بیٹے اور

جانشین ابو یوسف یعقوب نے بھی ابن طفیل سے دوستانہ مراسم قائم رکھے۔ ابن طفیل نے مَرّاکش میں وفات پائی اور تاجدار مذکور اس کے جنازے میں شریک تھا۔

ابن طفیل کی ایک ہی تصنیف دستیاب ہوئی ہے اور وہ اس کا مشہور و معروف رسالہ حیّ بن یقْظان ہے، جس میں گویا اس نے اپنے فلسفیانہ خیالات کی وضاحت ایک داستان کی شکل میں کر دی ہے۔ علاوہ ازیں دو رسالے طب میں بھی اس سے منسوب ہیں (ناپید؟)۔ ابن رشد نے ارسطو کی شروح اور الکلیات کی تصنیف میں اس سے مشورہ لیا۔ کہا جاتا ہے اس نے ارسطو کی جوّیات (*Meteorologica*) کا ترجمہ بھی کیا۔ بہر حال یہ ابن طفیل ہی تھا جس کے اشارے پر اس کے شاگرد البطرُوجی نے ہم مرکز دائروں کے بطلیموسی نظریے کی ترمیم کی۔

حیّ بن یقظان کا، جسے لاطینی میں ایک ترجمے کے ساتھ سب سے پہلے Edward Pococke Jr. (۱۶۰۴-۱۶۹۱ء) نے شائع کیا، ایک ذیلی عنوان ''اسرار الحکمة المشرقیة بھی ہے۔ الزرکلی نے سہوًا انھیں دو الگ الگ تصنیفات قرار دیا ہے (الاعلام، ۳: ۱۲۳۷)۔ اس فلسفیانہ رومان کا خیال، جس میں اسلامی ۔ اشراقی فلسفہ گویا اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے، اگرچہ سب سے پہلے ابن طفیل کے دل میں پیدا نہیں ہوا، لیکن یہ ابن طفیل ہی کی ذہانت و فطانت ہے جس کی بدولت اس کا چرچا دنیا میں پھیلا۔ اس سے ابن طفیل کا مقصد ایک طرح سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ فلسفے کا فہم و ادراک چونکہ عام لوگوں کے ذہن سے بالاتر ہے، لہٰذا اسے قصّے کی شکل میں بیان کیا جائے۔ بالفاظ دیگر اس میں اس نظریے کی حمایت کی گئی ہے کہ حق دو گونہ ہے: ایک وہ جس کا تعلّق حکمت سے ہے، دوسرا وہ جس کا تعلّق شریعت سے ہے۔ حکمائے اسلام کا بالعموم یہی خیال تھا اور آگے چل کر ابن رشد نے اس پر بالخصوص زور دیا۔ ابن سینا اسی عنوان سے ایک فلسفیانہ رسالہ تصنیف کر چکا تھا، جس کی شہرت ازمنۂ متوسّطہ میں عام تھی اور جس کی ابن عذرا (Ebn Ezra) نے ایک نقل بھی تیار کی تھی؛ چنانچہ ابن طفیل نے یہ عنوان ابن سینا ہی سے مستعار لیا۔ اسی طرح آگے چل کر جامی نے انھیں ناموں کو استعمال کرتے ہوئے ایک مثنوی اور نصیر الدّین طُوسی نے ایک افسانہ تصنیف کیا۔ کہا جاتا ہے کہ حنین ابن اسحٰق اسی قسم کے ایک رسالے کا ترجمہ یونانی سے عربی میں کر چکا تھا؛ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اس کا سراغ کہیں ہیلے نیسکی ۔ نو فلاطونی روایات میں مل جائے۔ اس کے افسانوی قالب کی شکل بہر حال اسکندری ہے۔ بایں ہمہ ابن طفیل پہلا فلسفی ہے جس نے اس افسانے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اس کے فلسفیانہ پہلو کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ بقول سارٹن (Sarton) اس سلسلے میں کوئی مسئلہ ہے تو یہ کہ بالآخر اس افسانے نے کیا شکل اختیار کی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو درحقیقت ابن طفیل ہی اس افسانے کا خالق ہے اور اسی نے دنیا کی توجّہ اس طرف مبذول کی (*Introduction to the History of Science*، ج ۲، باب ۱۸: ۳۵۴)۔

حیّ بن یقظان کی زبان سرتاسر رمزی ہے اور اس سے مقصود ہے اس امر کی تشریح کہ فلسفے کی غرض و غایت ذاتِ الٰہی سے اتّحاد و اتّصال ہے۔ انسان کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ صفائے خاطر اور نورِ بصیرت سے اس مقام پر جا پہنچے جہاں ادراکِ حق کے لیے قیاس و استدلال غیر ضروری ہو جاتا ہے؛ چنانچہ ابن طفیل نے اس سلسلے میں اپنے پیشرووں ابن سینا، ابن باجہ اور غزالی کی بڑی تعریف کی ہے۔

قصّہ یہ ہے کہ ایک بن باپ کا بچہ کسی سنسان جزیرے میں پیدا ہوتا ہے، یا قریب کے جزیرے کی کوئی شہزادی اسے سمندر میں ڈال دیتی ہے اور پانی کی ایک رو اسے اس جزیرے میں پہنچا دیتی ہے۔ یہاں اس موضوع پر کہ معتدل حرارت کے اثر سے زمین میں جو خمیر اٹھتا ہے اس سے خود بخود تولید ممکن ہے یا نہیں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ ایک ہرنی اس بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی پہلی معلّمہ بنتی ہے۔ جب بچہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ جن حیوانوں سے اسے سابقہ پڑتا ہے ان کے برخلاف وہ برہنہ بھی ہے اور غیر مسلّح بھی۔ وہ پتوں سے اپنا تن ڈھانکتا ہے اور ایک چھڑی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے اور اس طرح اسے اپنے ہاتھوں کی اہمیت کا علم ہوتا ہے۔ اب وہ شکاری بن جاتا ہے اور ہنرمندی میں مزید ترقّی کر لیتا ہے، مثلاً پتوں کے ادھورے لباس کی جگہ اب وہ عقاب کی کھال سے یہ کام لیتا ہے۔ اس دوران میں وہ ہرنی جس نے اسے پالا تھا بوڑھی اور بیمار ہو جاتی ہے، جس سے اسے بڑی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس خرابی کی علّت معلوم کرے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر وہ خود اپنی ذات کا مطالعہ شروع کر دیتا ہے اور یوں اسے اپنے حواس کا شعور ہوتا ہے۔ اس خیال سے کہ خرابی کی جڑ سینے میں ہے، وہ سوچتا ہے کہ کسی نوکدار پتھر سے اس ہرنی کے پہلو کو چیر دیا جائے۔ اس تجربے کی بدولت اسے دل اور پھیپھڑوں سے واقفیت ہو جاتی ہے، مگر ساتھ ہی پہلی مرتبہ اس غیر مرئی شے [روح] کا تصوّر بھی اس کے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے جو نکل چکی ہے اور جس پر بہ نسبت جسم کے شخصیت کا زیادہ دار و مدار ہے۔ جب ہرنی کی لاش سڑنے لگتی ہے تو وہ پہاڑی کووں سے اسے دفن کرنے کا طریقہ سیکھتا ہے۔

اتفاقاً اسے آگ کا پتا چل جاتا ہے اور وہ یوں کہ اس نے ٹہنیوں کی رگڑ سے سوکھے ہوئے درختوں میں آگ لگتے دیکھی تھی۔ وہ اسے اپنے مسکن میں لے آتا ہے اور برابر جلائے رکھتا ہے۔ اس دریافت کی بدولت اسے مرئی آتش اور اس حیوانی حرارت پر غور کرنے کی تحریک ہوتی ہے جس کا مشاہدہ وہ زندہ جانوروں میں کرتا رہا ہے؛ لہٰذا وہ دوسرے حیوانوں کی چیر پھاڑ شروع کر دیتا ہے۔ اس کی ہنرمندی اب اور ترقی کرتی ہے۔ وہ کھالوں کا لباس پہننے لگتا ہے، اون اور سن کا تنا اور سوئیاں بنانا سیکھ لیتا ہے۔ ابابیلیں اسے سکھاتی ہیں کہ مکان کیسے بنایا جاتا ہے۔ وہ شکاری پرندوں کو سدھاتا ہے کہ اس کے لیے شکار کریں۔ اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ پرندوں کے انڈوں اور مواشی کے سینگوں وغیرہ کو کیسے کام میں لایا

جا سکتا ہے۔ داستان کا یہ حصّہ ایک ایسی پُرلطف دائرۃ المعارف ہے جسے بڑے سلیقے سے ترتیب دیا گیا ہے۔

حیّ بن یقظان کا علم روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے اور بالآخر فلسفے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جب وہ تمام نباتات و معدنیات اور ان کے خواصّ کا اور حیوانات کے اعضاے جسمانی کے استعمال کا مطالعہ کر چکتا ہے تو انھیں اصناف و انواع میں مرتّب کرتا ہے؛ چنانچہ اجسام کو وہ ثقیل اور خفیف میں تقسیم کرتا ہے، پھر روح حیات کی طرف لوٹ آتا ہے جس کا مقام اس نے قلب میں معیّن کر لیا تھا۔ وہ نفسِ حیوانی اور نفسِ نباتی کا تصوّر قائم کرتا ہے اور اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اجسام ہی وہ صورتیں ہیں جن سے صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ اب وہ ابتدائی جواہر کی جستجو کرتا ہے اور عناصرِ اربعہ کو شناخت کر لیتا ہے۔ زمین کا معائنہ کرتے ہوے مادّے کا تصوّر اس کے ذہن میں ابھرتا ہے اور جملہ اجسام کا تصوّر یوں کرنے لگتا ہے کہ وہ مادّے ہی کی مختلف مقداریں ہیں۔ یہ دیکھ کر کہ پانی بھاپ بن جاتا ہے، اس پر تحوّلِ صورت کا انکشاف ہو جاتا ہے اور وہ تسلیم کر لیتا ہے کہ ہر نئی تخلیق کے لیے کوئی ایسی علّت ضروری ہے جو اسے پیدا کرے۔ اسی طرح اس کے ذہن میں صُور کے خالقِ مطلق کا خیال آ جاتا ہے؛ اس کی جستجو وہ پہلے مخلوقات میں کرتا ہے، لیکن چونکہ سب عناصر متغیّر اور فانی ہیں، اس لیے وہ اپنی توجّہ اجرامِ سماوی کی طرف منعطف کر دیتا ہے۔

حیّ کی عمر اب اٹھائیس برس کی ہو گئی ہے، یعنی وہ ہفت سالگی کے چوتھے دور کی تکمیل کر چکا ہے۔ اس کے بعد سے وہ آسمان کے بارے میں غور و فکر کرنے لگتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کیا یہ لامتناہی ہے، جو اس کے نزدیک ایک امر محال ہے۔ وہ اسے کُرَوی تصوّر کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ چاند اور سیاروں کے لیے مخصوص افلاک کی ضرورت ہے اور عالمِ سماوی کا تصوّر کچھ اس طرح کرتا ہے جیسے وہ ایک طویل اَور عریض حیوان ہو۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ خالقِ کلّ کے لیے ضروری ہے کہ وہ جسم نہ ہو، کیونکہ اگر وہ ابدی ہے تو عالم کی قوّتِ محرّکہ اس کے اندر نہیں آ سکتی۔ تصوّرِ باری تعالٰی کے ارتقا کو جاری رکھتے ہوے وہ صفاتِ خداوندی کو موجوداتِ عالم کے مطالعے سے اخذ کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارادے میں مختار ہے، دانا ہے، عالم ہے، رحیم ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب اس کی توجّہ خود اپنے نفس کی طرف منعطف ہو جاتی ہے اور وہ فیصلہ کرتا ہے کہ نفس غیر فانی ہے اور اس سے نتیجہ نکالتا ہے کہ حصولِ سعادت کے لیے اسے چاہیے کہ اس ہستی کے بارے میں غور و فکر کرے جو کامل و مکمّل ہے۔ یہ سعادت صفاتِ سماویہ کے اقتدا سے حاصل ہو گئی، یعنی زاہدانہ اخلاق پر عامل ہونے سے۔ اس کے بعد حیّ اپنے آپ کو غور و فکر کے لیے وقف کر دیتا ہے، حتّٰی کہ وہ اپنی عمر کے ساتویں دورۂ ہفت سالگی کو پورا کر لیتا ہے۔

پھر اَسال، جو الہامی مذہب کا سچّا پیرو ہے، قریب کے ایک جزیرے سے یہاں آ پہنچتا ہے۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے کی بات سمجھنے لگتے ہیں تو ثابت ہو جاتا ہے کہ درحقیقت الہامی مذہب بھی وہی فلسفیانہ عقیدہ ہے جس تک حیّ پہنچ چکا ہے۔ اَسال کو اس عقیدے میں، جس کی تعلیم یہ تارکِ دنیا اسے دیتا ہے، نہ صرف اپنے مذہب کی بلکہ تمام الہامی مذاہب کی ایک وجدانی تعبیر نظر آتی ہے۔

وہ حیّ کو ترغیب دیتا ہے کہ اس کے ساتھ قریب ہی کے ایک جزیرے میں چلے، جہاں سلامان نامی ایک بادشاہ حکمران ہے اَور جس کا اَسال دوست اور وزیر ہے تا کہ حیّ اس کے سامنے اپنا فلسفہ پیش کرے۔ مگر یہ فلسفہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا اَور کئی ناکام کوششوں کے بعد حیّ اور اَسال اسی غیر آباد جزیرے میں واپس چلے آتے ہیں، تا کہ اپنی باقی زندگی خالص غور و فکر کے لیے وقف کر دیں۔ رہے اور لوگ سو بدستور خیالی صورتوں اور رموز و علامات کے سہارے زندگی بسر کرتے رہتے ہیں۔

یوں گویا جہاں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حق کی حیثیت ''دوگونہ'' ہے وہاں یہ بھی کہ شریعت سے مقصود ہے عوام کو سہارا دینا؛ وہ گویا ایک اجتماعی ضرورت ہے۔ لیکن یوں شریعت، سیاست اور فرد کی ذاتی سیرت و کردار کے بارے میں بڑے اہم سوالات پیدا ہو جاتے ہیں ان کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی گئی، نہ ان نتائج سے اعتنا کیا گیا ہے جو اس موقف کو صحیح مان کر مترتب ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ حیّ اور اَسال تو پھر اس غیر آباد جزیرے کا رخ کرتے ہیں جہاں سے آئے تھے، مگر لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ بدستور رموز و علائم کے سہارے زندگی بسر کرتے رہیں۔ اندریں صورت حکمت اور شریعت میں عملاً جو خلا باقی رہ جاتا ہے اس کو پُر کرنے کی کیا صورت ہے؟ اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ بہرحال حیّ بن یقظان سے ابن طفیل اَور اس کے ہم خیال فلاسفۂ متصوّفہ کا موقف تمام و کمال ہمارے سامنے آ جاتا ہے (قبّ مادّۂ ابن رُشد)۔

حیّ بن یقظان کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے اَور اس سے ہر زمانے اور ہر ملک میں ہر خیال کے لوگ لطف اندوز ہوتے رہے ہیں۔ ۱۳۴۹ء میں ناربون (Norbonne) کے ایک یہودی موسٰی نامی نے اس کا ترجمہ عبرانی میں کیا اور ایک شرح بھی لکھی۔ لائب نس (Leibniz) نے بھی، جو اس سے Pococke کے نسخے کی بدولت واقف ہوا۔ اس کی تعریف کی ہے (فرانسیسی ترجمہ مع متن، الجزائر ۱۹۰۰ء)۔

مآخذ: (۱) *Philosophus autodidactus sive Epistola Abi Jaafar ebn Tophaïl, de Hai Eben Yokdhan*، طبع Pococke، Oxonii ۱۶۷۱ء، طبع ثانی ۱۷۰۰ء، قاہرہ اور قسطنطینیہ کے مطبوعہ نسخے ۱۲۹۹ھ؛ (۲) Léon Gauthier: *Hayy ben Yaqdhân roman philosophique d' Ibn Thofaïl*، الجزائر ۱۹۰۰ء؛ (۳) وہی مصنّف: *Ibn Thoifaïl, sa vie, ses oeuvres*، پیرس ۱۹۰۹ء؛ (۴) Pons y Boigues: *Le Filósofo autodidacto*، سرقسطہ ۱۹۰۰ء؛ (۵) Duncan Macdonald: *Development of Muslim Theology*، ۱۹۰۳ء، ص ۲۵۲-۲۵۶؛ (۶)

The History of Philosophy in Islam :T. J. de Boer، لنڈن ۱۹۰۳ء؛ (۷) S. Munk: مقالۂ Tofaïl، در Franck: *Dictionnaire des sciences philosophiques*؛ (۸) Friedrich Überweg: *Grundriss der Geschichte der Philosophie*، طبع Max Heinze، ج ۲؛ (۹) سَلامان اور اَبسال کے قصص کے لیے دیکھیے جامی: *Salāmān et Absāl*، ترجمہ Aug. Brieteux، پیرس ۱۹۱۱ء، ص ۷۴ ببعد؛ (۱۰) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۶۰، ۴۶۰؛ قب ۲: ۷۰۴؛ تکملہ، ۱: ۸۳۱؛ (۱۱) عبدالواحد المراکشی: المعجب، ص ۱۷۲-۱۷۵؛ (۱۲) ابن العذاری: المغرب، ۲: ۸۵؛ (۱۳) ابن ابی اصیبعہ، ۲: ۷۸؛ (۱۴) فرح انطون: فلسفۃ ابی جعفر بن طفیل.

(B. CARRA DE VAUX و سیّد نذیر نیازی)

---

* **ابن الطِّقْطَقی**: جلال الدّین (و صفی الدّین) ابو جعفر محمد بن تاج الدّین ابی الحسن علی [بن رمضان]، حضرت حسنؓ اور ابراہیم طَباطَبا کے واسطے سے حضرت علیؓ کی بیسویں پشت میں سے ہیں۔ یہ خانوادۂ رمضان میں سے تھے جس نے الحلّہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ عطا ملک الجُوینی وزیر اَباقا کے اشارے پر ان کے والد کو، جو کوفے اور بغداد میں خاندانِ علی کے نمائندہ تھے [اور نقیب النقباء کہلاتے تھے]، ۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء میں قتل کر دیا گیا۔ ابن الطقطقی کی ولادت [نواح] ۶۶۰ھ/۱۲۶۲ء میں ہوئی۔ باپ کے قتل پر الحِلّہ اور شیعوں کے مقدّس مقامات (نجف اور کربلا) میں خاندانِ علی کی نمائندگی (نقابت) ان کے سپرد ہوئی۔ انھوں نے خراسان کی ایک ایرانی خاتون سے شادی کی۔ ۶۹۶ھ/۱۲۹۷ء میں مراغہ گئے اور ۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء میں موصل کا سفر بھی کیا، لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے انھیں راستے میں رُکنا پڑا اور اس طرح کتاب الفخری لکھنے کا موقع مل گیا۔ ان کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔ [شیخو نے مجانی الادب میں ۷۰۹ھ دی ہے اور الزرکلی نے ۷۰۲ھ، لیکن دونوں نے اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ کتاب فخر الدّین عیسٰی کے نام سے منتسب ہوئی تھی، جو مغل سلطان غازان خان کی طرف سے موصل کا والی تھا اور اسی لیے اس کا نام کتاب الفخری رکھا گیا۔ کتاب دو حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں امورِ سلطانیہ اور سیاسیات ملکیّہ سے بحث کی گئی ہے اور دوسرے میں دُوَلِ اسلامیہ کی تاریخ کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر بادشاہ کے حالات بیان کرنے کے بعد اس کے وزرا کا حال بھی لکھا ہے۔ دوسرا حصّہ عام طور پر لفظ بہ لفظ ابن الاثیر کی کامل التواریخ سے لیا گیا ہے، لیکن اس میں بعض گم گشتہ تصانیف، مثلاً المسعودی کی اوسط تأریخ اور تأریخ کبیر (*Annals*)، کی عبارتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ وزرا کی تاریخ الصُولی اور ہلال الصّابئ سے لی گئی ہے۔ اگرچہ اس کتاب کا شیعیت کی طرف رجحان واضح ہے، تاہم وہ تعصّب سے خالی ہے (E. Amar)۔ اس کتاب کے متن کا سب سے پہلا ایڈیشن کتاب خانۂ اہلیہ پیرس کے مخطوطہ، عدد ۲۴۴۱، کی بنا پر، جو اس وقت تک واحد نسخہ مانا جاتا تھا، [مع جرمن زبان میں ملاحظات کے] آلوارٹ (W. Ahlwardt) نے شائع کیا (گوٹا ۱۸۶۰ء)۔ اس کتاب کے کچھ اقتباسات Jourdain نے *Fundgruben des Orients*، ۵: ۲۸-۴۰ میں، دساسی (De Sacy) نے *Chrestomathie* (طبع دوم)، متن ۱: ۱-۴۶ و ترجمہ، ص ۱-۹۲ میں، Henzius نے *Fragmenta arabica*، Petropoli ۱۸۲۸ء، ص ۱-۱۰۴ میں اور فرایتاغ (Freytag) نے *Chrestomathia arabica*، بون (Bonn) ۱۸۳۴ء، ص ۸۴-۹۶ میں (وہ تاریخیں جو صفحہ iv پر دی گئی ہیں، پورے طور پر درست نہیں ہیں) شائع کیے اور فرانسیسی ترجمے کے ساتھ شیر بونو (Cherbonneau) نے *J. A.*، ۱۸۴۶ء، ۱: ۲۹۷-۳۵۹ و ۲: ۳۱۶-۳۳۸ اور ۱۸۴۷ء، ۱: ۱۳۴-۱۴۷ میں۔ اس کتاب کی ایک دوسری طباعت، جس میں ایک اور نسخے کو بھی استعمال کیا گیا ہے جو اسی کتب خانے میں ملا تھا (عدد ۲۴۴۲)، درانبورغ (Hartwig Derenbourg) کی رہین منت ہے (*Bibliothèque de l' Ecole des Hautes-Études, sciences Philologiques et historiques*، ۱۸۹۵ء)، [طبع دوم، پیرس ۱۹۱۰ء، جس کے ساتھ] M. Emile Amar کا کیا ہوا اس کتاب کا فرانسیسی میں ترجمہ (*Archives Marocaines*، ج ۱۶، ۱۹۱۰ء) [بھی ہے۔ اصل کتاب ۱۳۱۷ھ میں مصر میں بھی چھپی؛ نیز ایک طباعت محمود توفیق کی ہے، ۱۹۲۱ء]۔ طِقْطَقی کا لفظ بظاہر محاکاتِ صوتی (ٹِک ٹَک) سے بنا ہے اور اس کا اطلاق ایسی تقریر پر ہوتا ہے جس میں روانی اور کثرتِ الفاظ [الخفّۃ فی الکلام] ہو (تاج العروس، ۶: ۴۲۴، جس کا حوالہ درانبورغ (Derenbourg) نے ص ۴ پر دیا ہے)۔

مآخذ: (۱) شیخو: مجانی الادب، ۷: ۱۲؛ (۲) سرکیس: معجم، عمود ۱۴۶؛ (۳) الزرکلی: الاعلام، ۲: ۹۴۹؛ (۴) براکلمان، ۲: ۱۶۱ و تکملہ، ۲: ۲۰۱].

(CL. HUART)

---

* **ابن ظَفَر**: [ایک روایت میں ابن ظُفُر ہے، دیکھیے الصفدی]؛ حجۃ الدّین [و شمس الدّین] ابو عبداللہ [و ابو ہاشم و ابو جعفر] محمد بن [عبداللہ بن محمد] بن ابی محمد الصِّقلّی ایک عالم۔ وہ صقلیہ (Sicily) میں پیدا ہوا، لیکن اس کی پرورش مکّے میں ہوئی (السیوطی کے قول کے مطابق وہ پیدا بھی مکّے ہی میں ہوا تھا)۔ بعد میں وہ صقلیہ واپس چلا آیا اور ۵۶۵ھ/۱۱۶۹ء میں حماۃ میں وفات پائی۔ اس نے کَلِیلَۃ و دِمْنَۃ کی طرز پر حکایات کا ایک مجموعہ ۵۵۴ھ میں لکھا، جس کا نام سُلْوان المُطَاع فِی عُدْوَان الاَتْباع ہے اور اُسے صقلیہ کے حاکم ابو عبداللہ محمد بن ابی القاسم کے نام سے منتسب کیا (طبع [چاپ سنگی] قاہرہ ۱۲۷۸ھ، تونس ۱۲۷۹ھ، بیروت ۱۳۰۰ھ)؛ ترکی ترجمہ از قرہ خلیل زادہ، برلن (Pertsch، عدد ۴۴۵) اور وی انا Vienna (Flügel عدد ۳۸۲) میں؛ طبع قسطنطنیہ ۱۲۸۵ھ؛ اطالوی زبان میں ترجمہ، از اماری (Amari)، فلورینس (Florence) ۱۸۵۱ء؛ پھر اطالوی زبان

سے انگریزی میں، لنڈن ۱۸۵۲ء۔ مصنّف نے اس کتاب کے دو نسخے تیار کیے تھے۔ اکثر مخطوطات، مطبوعہ نسخوں اور ترجموں میں دوسرا نسخہ ہی پایا جاتا ہے، جو ۵۵۴ھ/ ۱۱۵۹ء کا ہے۔ ایک اور تصنیف اِنْباء نُجَباء الاَبْنَاء ہے، جو کم مشہور ہے؛ اس میں بعض خاندانوں کی مشہور و معروف اولاد کا ذکر ہے (قاہرہ ۱۳۲۲ھ)۔ اس کتاب کی طبع ثانی بشکلِ تلخیص موجود ہے۔ [ابن ظفر کی تیسری کتاب خیر البشر بخیر البشر ہے، چاپ سنگی، مصر ۱۸۶۷ء۔ اس میں بعثت نبوی سے پہلے کے ارہاصات بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی دیگر تالیفات کا ذکر یاقوت اور الصفدی نے کیا ہے۔ وہ شاعر بھی تھا]۔

ابن ظفر کی مزید ادبی سرگرمیوں کے لیے دیکھیے وہ اسناد جو نیچے مذکور ہیں۔

مآخذ: (۱) ابن خِلِّکان: وَفَیات، بولاق ۱۲۹۹ھ، ۱: ۶۶۰؛ (۲) دیسلان (de Slane)، ۳: ۱۰۴ بعد؛ (۳) السیوطی: بُغیۃ الوُعاۃ، ص ۵۹؛ (۴) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۵۱ بعد [و تکملہ، ۱: ۵۹۵ بعد]؛ (۵) Chauvin: *Bibliographie des Ouvrages arabes*، ۲: ۱۷۵ بعد، جس میں بہت سے حوالہ جات ہیں اور سلوان المطاع کے مضامین کا بیان بھی دیا گیا ہے؛ (۶) Amari: *Biblioteca arabo-sicula*، ص ۶۸۱ بعد؛ (۷) Schreiner، در *Zeitschrift der Deutsch. Morgenl Gesells.* ۴۲: ۶۲۵ بعد؛ [(۸) یاقوت: معجم الادباء، ۱۹: ۴۸؛ (۹) الصَّفدی: الوافی بالوفیات، استانبول ۱۹۳۱ء، ۱: ۱۴۱؛ (۱۰) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۷۱۷؛ (۱۱) ابن قاضی شہبہ: طبقات، ۱: ۱۲۹]۔

✱ **ابن عاصِم:** ابوبکر محمد بن محمد بن محمد ابن محمد بن عاصم، مالکی فقیہ، مصنّف اور نحوی، جو ۱۲ جمادی الاُولیٰ ۷۶۰ھ/ ۱۱ اپریل ۱۳۵۹ء کو غرناطہ میں پیدا ہوے اور وہیں ۱۱ شوّال ۸۲۹ھ/ ۱۵ اگست ۱۴۲۶ء کو انتقال کر گئے۔ اپنی طالب علمی کے زمانے میں وہ جلد سازی کا کام کرتے رہے اور آخر میں غرناطہ کے قاضی القضاۃ کا دقّت طلب منصب ان کے سپرد ہوا۔ ان کے اساتذہ میں غرناطہ کے مفتی اعظم ابو سعید فَرَج بن قاسم بن احمد بن لُبّ الثَّعْلَبی، مصنّف ابوعبداللہ محمد بن محمد علی الفَخّار، مشہور و معروف حامیِ سُنّت ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبی اور ابوعبداللہ بن الامام الشریف التلمسانی وغیرہم شامل تھے۔ ان کے سوانح نگاروں نے ان کی جو دس تصنیفات بتائی ہیں ان میں سے ہمیں صرف دو کا علم ہے، یعنی (۱) تُحْفَۃُ الحُکّام فی نُکَت العُقُود و الاَحْکام، جس کا مختصر نام العاصمیۃ [و تحفۃ ابن عاصم] ہے اور بحر رجز کے ۱۶۹۸ اشعار میں مالکی فقہ کا خلاصہ ہے، [مصنّف نے یہ کتاب غرناطہ میں لکھی،] طبع الجزائر ۱۳۲۲ھ - ۱۳۲۷ھ؛ فاس [چاپ سنگی ۱۲۸۹ھ]۔

قاہرہ میں "مَجْمُوعِ المُتُون" میں شائع ہوئی؛ مع فرانسیسی ترجمہ از Houdas و Martel: *Traité de droit Musulman, La Tuḥfat d' Ebn Acem, Texte arabe avec trad. fr., comment., iurid., et notes philolog.*، الجزائر ۱۸۸۲ - ۱۸۸۳ء؛ [کشف الظنون میں لکھا ہے کہ مصنّف نے اس کتاب کی تکمیل ۸۳۵ھ میں کی لیکن یہ سن غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ مصنّف اس سے پہلے ۸۲۹ھ میں فوت ہو چکا تھا۔ ممکن ہے کشف الظنون کا سن ۸۲۵ھ ہو]؛ (۲) حدائق الاَزَاہِر فی مُسْتَحْسَن الاَجْوِبَۃ و المُضْحکات و الحِکَم و الامثال و الحکایات و النّوادر، کم و بیش دلچسپ حکایات، مقبول عام امثال اور مُسکت جوابات وغیرہ کا مجموعہ ہے، جو چھے حدیقوں (باغوں) میں منقسم ہے اور ہر ایک حدیقے میں ایک یا دو یا تین ابواب ہیں (مطبوعہ فاس، بدونِ تاریخ)۔ اس مطبوعہ نسخے کا پیرس کے مخطوطے (Bibl. Nat.، فہرست، شمارہ ۳۵۲۸) اور برٹش میوزیم کے مخطوطے (Rieu: *Suppl.*، شمارہ ۱۱۴۵ الف) سے موازنہ کرنا چاہیے۔

مآخذ: احمد بابا: نَیْلُ الاِبْتِہاج (فاس ۱۳۱۷ھ)، ص ۲۹۹؛ (۲) وہی مصنّف: کفایۃ المحتاج، مدرسۂ الجزائر کا مخطوطہ، ورق ۱۵۳ ب؛ (۳) براکلمان، ۲: ۲۶۴ [و تکملہ، ۲: ۳۷۵]۔

(محمد بن شنب)

✱ **ابن عَبّاد:** ابوعبداللہ محمد بن ابی اسحٰق ابراہیم بن ابی بکر عبداللہ بن مالک بن ابراہیم بن محمد بن مالک بن ابراہیم بن یحیٰی بن عبّاد النَّفْزی الحِمْیَری الرُّندی، معروف بہ ابن عبّاد، فقیہ، صوفی، شاعر اور خطیب، جو ۷۳۳ھ/ ۱۳۳۲ - ۱۳۳۳ء میں اندلس کے شہر رُنْدَہ (Ronda) میں پیدا ہوا اور وہیں پروان چڑھا۔ سات برس کی عمر میں قرآن [مجید] حفظ کر لینے کے بعد اس نے لغت اور فقہ کی تحصیل شروع کی اور بعد ازاں تکمیلِ تعلیم کے لیے فاس اور تلمسان (Tlemcen) پہنچا۔ پھر مرّاکش واپس آ کر سلا (Salā) میں سکونت اختیار کی اور وہاں احمد بن عاشر کا شاگرد رہا۔ مؤخّر الذّکر کی وفات کے بعد اس نے کچھ عرصہ طنجہ (Tangier) میں صوفی ابو مروان عبدالملک کی خدمت میں بسر کیا۔ پھر اسے فاس میں واپس بلا کر مسجد القَرَوِیّین کا خطیب مقرّر کیا گیا اور وہ اس عہدے پر پندرہ برس تک مامور رہا، یہاں تک کہ بروز جمعہ ۳ رجب ۷۹۲ھ/ ۱۷ جون ۱۳۹۰ء کو اس نے وفات پائی۔ اسے باب الفتوح کے اندر دفن کیا گیا۔

اس کے شیوخ میں الشریف التلمسانی، المَجّاصی اور نفح الطیب کے مصنّف کے دادا ابوعبداللہ المقری کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے تلامذہ میں یحیٰی السّراج، الخطیب بن قُنْفُذ اور ابوعبداللہ بن السّکّاک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ابن عبّاد صوفی طریقۂ شاذلیّہ کا پیرو تھا اور اس کی سب سے زیادہ شہرت اس شرح کی وجہ سے ہے جو اس نے ابن عطاء اللہ اسکندری کی کتاب الحکم پر لکھی تھی (غَیث المَواہب العَلِیَّۃ [فی] شَرح الحِکَم العطائیۃ [اس کا دوسرا نام النفزی علی متن الاسکندری ہے])، بولاق ۱۲۸۵ھ، قاہرہ [۱۲۹۹ھ]،

۱۳۰۳ھ و ۱۳۰۶ھ [الرسائل الکبرٰی کے نام سے اس کے مکاتبات چھپ چکے ہیں، فاس ۱۳۲۰ھ].

مآخذ: (۱) ابن القاضی: جَذْوۃ الاِقْتِباس، فاس ۱۳۰۹ھ، ص ۲۰۰؛ (۲) الکتّانی: سَلْوۃ الاَنْفاس، فاس ۱۳۱۶ھ ۲: ۱۳۳؛ (۳) احمد بابا: نیل الابتھاج، فاس ۱۳۱۷ھ ص ۲۸۷؛ مصر ۱۳۲۹ھ، الدیباج المذھب کے حاشیے پر، ص ۲۷۹ ببعد]؛ (۴) وہی مصنّف: کفایۃ المحتاج (مخطوطہ در مدرسۃ الجزائر)، ورق ۱۴۵ ب؛ (۵) المقرّی: نفح الطیب، قاہرہ ۱۳۰۲ھ، ۳: ۱۷۵؛ (۶) Seybold، در *Isl.*، ۸: ۹۹؛ (۷) براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۱۱۸ [وتکملہ، ۲: ۱۴۶].

(محمد بن شنب)

⊗ **ابن عبّاد:** ابوالقاسم، کافی الکُفاۃ اسمٰعیل بن عبّاد بن العباس بن عبّاد بن احمد ادریس الطّالقانی ([ذوالقعدہ] ۳۲۶ - [۲۴ صفر] ۳۸۵ھ/ [ستمبر] ۹۳۸ - [۲۰ مارچ] ۹۹۵ء)۔ بُوَیہی خاندان کا وزیر اور اپنے عہد کے اربابِ علم و ادب میں سے ایک نامور ہستی۔ ذوالقعدہ ۳۲۶ھ/ستمبر ۹۳۸ء میں حوالیِ اصفہان کی ایک بستی طالقان میں پیدا ہوا۔ اس کا والد بھی مشاہیرِ علم و ادب میں سے تھا اور رکن الدولہ بویہی کا وزیر تھا۔

ابن عبّاد نے اپنے والد اور شہر کے بڑے بڑے نحویوں سے درس لینے کے بعد بغداد کا رخ کیا اور وہیں تحصیلِ علم کی تکمیل کر کے ایک ادنیٰ درجے کے کاتب کی حیثیت سے سرکاری ملازمت میں داخل ہوگیا۔ ۳۴۷ھ میں وہ وزیر ابو علی القاشانی کی ملازمت میں بغداد گیا؛ اس کے بعد ہم اسے ابوالفضل ابن العمید کی ملازمت میں دیکھتے ہیں، جو دولت بُوَیہی کا مشہور وزیر اور ادیب تھا۔ ۳۶۰ھ میں ابن عبّاد کا تقرّر مؤیّد الدولہ بن رکن الدولہ کے وزیر کی حیثیت سے ہوا، جو اس وقت تک عالمِ شہزادگی ہی میں تھا اور مؤرّخوں کا کہنا ہے کہ اسی نے شہزادے کے تمام امور کی اصلاح کی۔ بوجہ ذہانتِ طبع و بلندیِ اخلاق شہزادہ اسے بہت عزیز رکھتا تھا اور اس نے اسے دو لقب دیے تھے۔ ''الصّاحِب'' اور ''کافی الکفاۃ''.

جب رکن الدولہ کا انتقال ہوا (۳۶۶ھ/۹۷۶ء) اور اس کی جگہ مؤیّد الدولہ کی حکومت قائم ہوئی تو اس نے اپنے والد کے وزیر ابن العمید ابوالفتح علی بن محمد کو معزول کر کے قید کر دیا اور اس کی جگہ ابن عبّاد کو اپنا وزیر بنا لیا۔ ابن عبّاد نے وزارت کے فرائض بھی بڑی توجہ اور قابلیت کے ساتھ انجام دیے۔ ۳۷۰ھ میں اسے اپنے آقا کی طرف سے عضد الدّولہ کے دربار میں سفیر بنا کر ہمدان بھیجا گیا۔ عضد الدولہ کو معلوم تھا کہ اس کے بھائی کے ہاں ابن عبّاد کی کیسی قدر و منزلت اور اثر و نفوذ ہے، اس لیے اس نے بڑے احترام کے ساتھ اس کی پذیرائی کی، بذاتِ خود اس کے استقبال کے لیے نکلا اور سب کاتب اس کے حکم سے ابن عبّاد کی خدمت میں مراسمِ احترام بجا لائے۔ غرض ابن عبّاد کل امور بحسن و خوبی انجام دے کر واپس آ گیا۔ اسی عرصے میں مؤیّد الدولہ کے بھائی فخر الدولہ نے عضد الدولہ کی بادشاہت کا انکار کر کے اس کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کر دیا تھا، مگر شکست کھا کر جرجان و طبرستان کے والی قابوس بن وَشْمگیر زیاری [کذا، زیری؟] کے ہاں پناہ گزین ہوگیا تھا۔ عضد الدولہ نے اپنے بھائی مؤید الدولہ کو اس کے مقابلے پر روانہ کیا۔ مؤید الدولہ نے ابن عبّاد کو اپنے ساتھ لیا اور جرجان و طبرستان جا کر اس علاقے پر قابض ہوگیا۔ ان کے خوف سے فخر الدولہ اور قابوس بھاگ کر حسام الدین تاش کے پاس نیشاپور میں پناہ گیر ہوگئے، جو اس زمانے میں نُوح بن منصور سامانی کی طرف سے خراسان کا والی تھا۔ تاش نے نوح بن منصور سامانی کے حکم سے ان کی مدد کی۔ انھوں نے چاہا کہ جرجان پر قبضہ کر لیں لیکن کامیابی نہ ہوئی، چنانچہ نیشاپور کو واپس ہوگئے۔ ۳۷۳ھ/۹۸۳ء میں مؤیّد الدولہ نے اپنی جانشینی کے متعلّق وصیت کیے بغیر وفات پائی۔ لہٰذا ابن عبّاد کی سفارش اور اشارے پر فخر الدولہ کو دعوت دی گئی کہ وہ بادشاہت قبول کرے۔

جب فخر الدولہ آ گیا اور تمام امور کا انتظام خاطر خواہ ہوگیا تو ابن عبّاد نے بظاہر یہ سوچ کر کہ بادشاہ نیا نیا ہے اور خود اس کے ہاتھوں اس نے گونا گوں مصائب اٹھائے ہیں اس لیے معلوم نہیں اس کا رویہ کیا ہوگا، یہ چاہا کہ وزارت سے مستعفی ہوجائے، لیکن نئے بادشاہ نے یہ استعفا منظور نہ کیا اور ابن عبّاد کو اپنے ساتھ لے کر شہر رَےّ میں واپس آ گیا۔ اس وقت الصّاحب ابن عبّاد کی مقبولیت اور اس کا اثر و رسوخ عوام و خواص میں درجۂ کمال پر تھا، حتّٰی کہ خود بادشاہ بھی اس کے سامنے بے تکلّفی اور بے باکی سے اجتناب کرتا تھا۔

امورِ سلطنت میں چھوٹی بڑی ہر بات ابن عبّاد کے حکم کے مطابق طے ہوتی تھی؛ اگر کسی معاملے میں اس کی اور بادشاہ کی رائے میں اختلاف ہوتا تب بھی اسی کی رائے چلتی تھی۔ ۳۷۷ھ میں ابن عبّاد نے دوسری بار طبرستان کا رخ کیا، وہاں کے حالات کی اصلاح کی اور چند قلعوں کا محاصرہ کر کے انھیں فتح کیا اور پھر شہر رےّ کو واپس ہوگیا۔

اس زمانے میں ابن عبّاد کو وہ تمام باتیں میسّر تھیں جن کی خواہش ایک وزیر کر سکتا ہے البتہ ایک خواہش باقی تھی، یعنی یہ کہ اس کا بادشاہ دارالخلافۂ بغداد کو اپنے تصرّف میں لے لے اور وہ خود عراق کا وزیر بن جائے۔ یہ آرزو بر لانے کے لیے ابن عبّاد موقع کا منتظر تھا، چنانچہ جب ابن الفوارس شیرزیل بویہی نے انتقال کیا (۳۷۹ھ/۹۸۹ء) اور امورِ سلطنت میں اختلال نمودار ہوا تو وہ سمجھا کہ اب موقع آ گیا، لیکن چونکہ اس کے نتائج سے ڈرتا تھا اس لیے اس نے خود کوئی قدم نہیں اٹھایا، بلکہ فخر الدولہ کو شوق دلایا اور لاؤ لشکر لے کر عراق عرب پہنچنے کے لیے رےّ سے چل کر ہمدان پہنچ گیا۔ ابن عبّاد نے فخر الدولہ کے پہنچنے سے بیس روز پہلے ہی اہواز پہنچ کر اس شہر پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن اگر ابن عبّاد کی اور ان مؤرّخوں کی بات مان لی جائے جو ابن عبّاد ہی کا قول نقل کرتے ہیں تو بغداد پر قبضہ کرنے کے یہ اقدامات فخر الدولہ کی غلطیوں کی وجہ سے ناکام ہوگئے اور بنا بنایا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

۳۸۵ھ/ ۹۹۵ء میں ابن عبّاد بیمار پڑا اور ماہ صفر/ مارچ میں بمقام رےّ انتقال کر گیا۔ اپنی عمر کے آخری دنوں میں اس نے فخر الدولہ کو چند نصیحتیں کیں، جو ایک جہاندیدہ وزیر ہی کر سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے:-

''عالیجاہا! میں نے آپ کی خدمت میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور میں نے آپ کی مملکت میں وہ روش اختیار کی جس سے آپ کی نیک نامی ہوئی۔ اگر تمام امور اسی طرح انجام پاتے رہے جیسے اب تک پاتے رہے ہیں تو یہ خیر و برکت آپ ہی کی طرف منسوب رہے گی اور میرا کوئی نام بھی نہیں لے گا، لیکن اس راہ سے اگر آپ ہٹے تو لوگ شکر گزار میرے ہوں گے اور دوسرا طریقہ آپ سے منسوب کیا جائے گا جس سے آپ کی حکومت پر حرف آئے گا''۔

اس کی تجہیز و تکفین میں خود فخر الدولہ اور تمام بڑے بڑے دیلمی امرا شریک تھے جو اس کے جنازے کے سامنے زمین بوس ہوئے اور عام لوگوں نے اپنے کپڑے تک پھاڑ ڈالے۔ ابن عبّاد کی موت کا یہ نقشہ ظاہر کرتا ہے کہ جو احترام اس کا کیا گیا اس کی مثال پہلے کہیں نہیں ملتی۔ شاید ہی کوئی وزیر اس درجے تک پہنچا ہو، لیکن اس کے باوجود فخر الدولہ نے اسی دن اس کے گھر اور خزانوں پر پہرے لگوا دیے اور سب مال و متاع محل شاہی میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا جنازہ اصفہان لے جایا گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

مختصر یہ کہ الصَّاحِب کافی الکُفاۃ ابن عبّاد ایک صاحبِ اقتدار وزیر تھا اور امورِ مملکت میں بڑی دور اندیشی سے کام لیتا تھا۔ فخر الدولہ میں صلاحیّتِ جہانبانی کی کمی اس کی ان ناکامیوں سے ثابت ہے جو بادشاہ ہونے سے پہلے اسے پیش آ چکی تھیں، لیکن اس جیسے شخص کی حکومت کا نظم و نسق بھی ابن عبّاد نے اس طرح چلایا کہ دیلمی امرا کی سرتابی، ترک اور دیلمی لشکریوں کی باہمی چپقلش اور تشتّت و افتراق کی وہ تمام صورتیں جو شہروں کی بربادی اور رعایا کی بدحالی کا سبب بنتی ہیں اور جو دوسرے دیلمی بادشاہوں کے ہاں روزمرّہ کی باتیں تھیں وہ ابن عبّاد کے زیر تصرّف شہروں سے مفقود ہو گئیں۔ ابن عبّاد نے پچاس سے زیادہ قلعے فخر الدولہ کے محروسات میں شامل کر دیے۔ اگر یہ بادشاہ اس کی نصیحتوں پر عمل پیرا ہوتا تو ممکن تھا کہ عراقِ عرب کو بھی اپنے زیرنگیں کر کے اپنا مقرِّ حکومت بغداد کو بنا لیتا، مگر فخر الدولہ خود اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے کی بھی صلاحیّت نہیں رکھتا تھا اور اس کی سیاست کا نتیجہ یہ ہوا کہ مملکت کی جو بنیادیں ابن عبّاد نے استوار کی تھیں وہ بہت جلد منہدم ہو گئیں اور بے اندازہ ساز و سامان جو مملکت میں جمع ہوا تھا وہ بہت تھوڑی مدت میں پراگندہ ہو گیا۔ وزیر باتدبیر ہونے کی حیثیت سے ابن عبّاد کی شہرت تمام عالمِ اسلامی میں پھیل گئی تھی؛ اسی وجہ سے امیر نوح بن منصور سامانی نے چاہا تھا کہ اسے اپنے ملک کا وزیر بنا دے، مگر ابن عبّاد نے اسے منظور نہ کیا۔

ابن عبّاد کی ایک حیثیت تو مدبّر (homme d' etat) ہونے کی ہے، لیکن اس کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی جو اس کی پہلی حیثیت سے درخشاں تر ہے اور وہ ہے اس کی ادبی حیثیت۔ چونکہ ابن عبّاد نے عربی زبان اور اس کے ادب میں بڑی محنت کے ساتھ کمال حاصل کیا تھا، اس لیے ان ادبیات کی سمجھ بھی اس میں خوب تھی اور وہ ان کی قدر بھی خوب کرتا تھا۔ اپنے منصب اور ثروت کی بنا پر وہ عالمِ اسلام کے تمام اربابِ ہنر کی امیدوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ کہہ سکتے ہیں کہ اسی لیے بڑے بڑے ادیب اور شاعر اس کے دربار میں جمع ہو گئے۔

الثّعالبی، مؤلف یتیمۃ الدھر نے سچ کہا ہے کہ صرف خلیفہ ہارون الرشید ہی کا ایک ایسا اور دربار تھا جہاں اتنے بہت سے بڑے شاعر جمع ہو گئے تھے۔ ابن عبّاد کی مدح کرنے والوں میں، جن میں سے ہر ایک کا اپنے وقت کے بڑے شاعروں میں شمار ہوتا تھا، ابوسعید الرُّستمی، ابوالحسن السّلامی اور ابوالقاسم الزعفرانی کا نام یہاں لیا جا سکتا ہے اور ادیبوں میں صرف ابوبکر الخوارزمی اور بدیع الزّمان الہمدانی کا جو موجد ''مقامات'' ہے۔ فارسی گو شاعروں میں ابومحمد الخُسْرَوی ابن عبّاد کی مدح کیا کرتا تھا اور وزیر سے اسے سالانہ وظیفہ ملتا تھا (دیکھیے عوفی: لُباب، ۲: ۱۳؛ الرّادویانی: ترجمان البلاغۃ، شائع کردۂ احمد آتش، استانبول ۱۹۴۹ء، ص ۱۷۴)۔ خود ابن عبّاد کا قول ہے کہ اس کی مدح میں عربی و فارسی کے ایک لاکھ سے زیادہ قصیدے لکھے گئے اور یہ کہ اس نے اپنی ساری دولت ادیبوں، شاعروں، زائرین اور قاصدین پر خرچ کی۔

ان قاصدین میں سے ایک ابوحیّان توحیدی مشہور ہے (دیکھیے براکلمان ۱: ۲۴۴ و تکملہ، ۱: ۴۳۵ ببعد)۔ توحیدی نے ۳۶۷ھ اور ۳۷۰ھ کے درمیان تین سال شہر رےّ میں ابن عبّاد کے دربار میں گزارے اور کچھ انعام و اکرام حاصل کیے بغیر بغداد واپس ہو گیا (یاقوت: معجم الادباء، قاہرہ، ۱۵: ۲۶ ببعد، خصوصاً ص ۳۳)۔ اگرچہ اس ملاقات سے خود توحیدی کو تو مالی فائدہ نہیں پہنچا، لیکن عربی ادب میں اس نے ایک شاہکار پیش کر دیا اور وہ ہے کتاب اَخْلاق الوَزِیْرَین یا کتاب ذَمّ الْوَزِیْرَین عربی ادب میں یہ کتاب یگانۂ روزگار تھی اور اس کے چند ادبی جواہر پارے یاقوت کی معجم (۱۵، مطبوعۂ قاہرہ، بذیل ابن عبّاد، توحیدی) میں اب بھی موجود ہیں۔

توحیدی نے اس کتاب میں ابن عبّاد اور ابن العَمِید کے مزاج و کردار اور ان کی خصوصیات کو گہری نظر کے ساتھ اور دقیق نفسیاتی تجزیے سے کام لے کر بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کے نزدیک ابن عبّاد بھی ابن العَمِید کی طرح ایک بے مثل وزیر تھا اور اس جیسا اس وقت تک کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا تھا، لیکن اس کے باوجود اس کے اخلاق میں چھچھورپن (petitesse) اور بعض ایسی کمزوریاں تھیں جو ایک ایسے شخص میں جسے بزرگی اور کمال کا دعوٰی ہو اور دوسرے سب لوگ بھی اس کے ان اوصاف کے معترف ہوں، بہت بڑا نقص معلوم ہوتی اور ناگوار گزرتی تھیں۔ اس کی کمزوریوں میں سے ایک تو گفتگو میں سجع کا التزام تھا، پھر اپنی مدح بہت پسند کرتا تھا خواہ اس میں بے حد مبالغہ کیا گیا ہو اور طبیعت اسے قبول نہ کر سکے، اس کے علاوہ دوسروں کے فضائل کو اپنی طرف منسوب کرنا اور انعام دینے میں بخل برتنا وغیرہ وغیرہ؛ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ توحیدی

نے بعض ایسی باتوں کو نقائص میں شمار کیا ہے، جنھیں اس کی خوبیوں میں بھی گنا جا سکتا ہے.

ابن عبّاد کا کتب خانہ بڑا تھا۔ اس کی فہرست دس جلدوں میں تھی، لیکن یہ کتب خانہ بھی زیادہ دن باقی نہ رہا۔ ۴۲۰ھ/ ۱۰۲۹ء میں جب سلطان محمود غزنوی نے شہرِ رے فتح کیا تو اسے بتایا گیا کہ ابن عبّاد کی سب کتابیں رافضیوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ چونکہ اس سلطان کو اہلِ سُنّت سے بہت زیادہ لگاؤ تھا، اس لیے کتب خانے میں علم کلام کی جتنی کتابیں تھیں وہ تو اس نے ادھر ادھر بانٹ دیں اور جو باقی بچیں انھیں غزنہ بھیج دیا (قبّ ایم ناظم: *Life and Times of Sultan Mahmūd of Ghazna*، کیمبرج ۱۹۳۱ء، ص ۸۳).

ابن عبّاد کو اپنے فرائضِ منصبی اور گونا گوں مشاغل کے باوجود تصنیف و تالیف کا بھی خاصا وقت ملا؛ چنانچہ یاقوت نے اس کی تالیفات میں حسبِ ذیل کتابوں کے نام گنائے ہیں:.

(۱) المُحیط باللُّغة (۱۰ جلد)؛ (۲) دیوان الرّسائل (۱۰ جلد)؛ (۳) کتاب الکافی (یہ رسائل ہیں)؛ (۴) کتاب الزّیْدیّة؛ (۵) کتاب الأعْیاد و فضائل النَّوْرُوز؛ (۶) کتاب فی تفضیل علیؓ بن ابی طالب وَتَصْحِیح امامةِ من تَقَدَّمَهُ؛ (۷) کتاب الوُزراء؛ (۸) عُنْوان المعارِف؛ (۹) الکَشْف عن مساوی المُتَنَبّیٔ؛ (۱۰) کتاب مختصر اسماء اللّٰہ تعالٰی و صفاته؛ (۱۱) کتاب العَرُوض الکافی؛ (۱۲) کتاب جَوْهَرة الجَمْهَرة؛ (۱۳) نَهْجُ السَّبِیْل؛ (۱۴) کتاب اخبار ابی العَیْناء؛ (۱۵) کتاب نقض العروض؛ (۱۶) تاریخ الملک و اختلاف الدّوَل؛ (۱۷) کتاب الزَّیْدَیْن؛ (۱۸) دیوان.

اب اس کی کتابوں میں سے حسبِ ذیل موجود ہیں: (۱) المُحیط فی اللُّغة: یہ لغت کی ایک کتاب ہے، عربی سے عربی میں؛ اس میں الفاظ تو بہت ہیں، لیکن شواہد زیادہ نہیں دیے گئے۔ ایک جلد، جو حرف فا سے شروع ہوئی ہے اور زا پر ختم ہوئی ہے، قاہرہ میں موجود ہے (دیکھیے فہرس الکتب العربیة الموجودة بالدار، قاہرہ ۱۳۴۵ھ، ۲: ۳۵)۔ ایک دوسری جلد، جو مادّۂ ''خق'' سے مادّۂ ''قفرنب'' تک ہے، استانبول میں سلطان احمد ثالث کے کتب خانے میں موجود ہے (دیکھیے H. Ritter: *Philologika XIII, arabische Handschriften in Anatolien und Istanbul*، *Oriens*، ۷: ۲۳).

(۲) رسائل: ابن عبّاد کے بلند پایہ رسائل (مراسلات) کو، جنھیں ایک نامعلوم مؤلّف نے جمع کیا ہے، عبدالوہاب عزّام اور شوقی ضیف نے رسائل الصّاحب ابن عباد کے نام سے شائع کیا، طبع قاہرہ ۱۳۶۶ھ۔ ان رسائل کے جمع کرنے والے نے موضوع کے اعتبار سے مجموعے کو بیس ابواب پر تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں دس مراسلے ہیں۔ باب اوّل کے مکاتیب بشارات و فتوحات کے موضوع پر ہیں۔ مختلف ابواب کے چند اور خطوط، جن میں اس زمانے کے تاریخی وقائع قلم بند کیے گئے ہیں، تاریخی حیثیت سے خاصے اہم ہیں۔ ابن عبّاد کے ان خطوں سے اس دَور کی اجتماعی زندگی اور ملکی نظم و نسق پر روشنی پڑتی ہے۔ ادبی حیثیت سے بھی یہ رسائل اپنی نوع کے بہترین نمونے سمجھے جاتے ہیں؛ (۳) دیوان: اس کے دو نسخے استانبول کے کتب خانۂ آیا صوفیا میں موجود ہیں (عدد ۳۹۵۲-۳۹۵۳)۔ اس کے متفرّق اشعار اس مقالے کے مآخذ میں بھی مل سکتے ہیں۔ ابن عبّاد کے اشعار صورتِ شعری اور انتخابِ الفاظ کے اعتبار سے بے عیب ہیں اور ان میں کوئی اور خامی بھی نہیں، بلکہ بعض اوقات معنوی اعتبار سے بھی ان میں خوب خوب باتیں ملتی ہیں، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابن عبّاد کی فطرت اور اس کے مزاج میں شعریت نہیں تھی، مثلاً اپنے ایک رفیق کثیر بن احمد کا اس نے مرثیہ کہا ہے، جس میں نظم کی بنیاد اس عبارت پر کھڑی کی ہے: ''لیس فی الناس مثلِ کثیر کثیر: لوگوں میں مثلِ کثیر کثیر (یعنی بہت سے) نہیں ہیں''۔ اس عبارت سے اس کی ذہانت تو معلوم ہوتی ہے لیکن کسی اندرونی احساس کا پتا نہیں چلتا۔ گویا مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آج کے زمانے میں ابن عبّاد کا کلام بارد، بے روح اور بے کیف نظر آئے گا؛ (۴) الکشف عن مساوی المُتنبّی: یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جو ۱۳۴۲ھ میں قاہرہ سے شائع ہوا۔ اس میں عربی کے بڑے شاعر المُتنبّی کے چند اشعار پر تنقید کی گئی ہے؛ (۵) الإقْناع فی العروض و القوافی: اس کا ایک نسخہ پیرس کے کتب خانۂ اہلیہ (Bibliotheque Nationale) میں موجود ہے. (عدد ۲۰۴۲)، دیکھیے G. Vajda: *Index général des manuscrits Arabes, Musulmans de la Bibl. Nat.*، پیرس ۱۹۵۲ء، ص ۴۰۵۔ ممکن ہے یہ وہی کتاب ہو جس کا ذکر ارشاد الاریب میں کتاب العروض الکافی کے نام سے کیا گیا ہے؛ (۶) کتاب المَقْصُورِ والمَمْدُوْد: یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے، جس میں ''الف'' مقصورہ اور ممدودہ سے بحث کی گئی ہے۔ P. Brönnle نے اسے شائع کیا ہے: *Contribution towards Philology*، طبع اوّل لنڈن ـ لائڈن ۱۹۰۰ء۔ ابن عبّاد کے بعض رسائل اور متفرّق اشعار کے لیے دیکھیے براکلمان، ۱: ۱۳۱ و تکملہ، ۱: ۱۹۹.

مآخذ: علاوہ ان کے جو متن مادّہ میں مذکور ہوے: (۱) یاقوت: ارشاد الاریب، طبع مرجلیوث (Margoliouth)، ۲: ۲۷۳-۳۴۳، طبع قاہرہ، ۶: ۱۶۸-۳۱۷؛ (۲) ابن خَلِّکان: وَفَیات الاعیان، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، شمارہ ۹۵، ترجمۂ دیسلان، ۱: ۲۱۲، نیز طبع قاہرہ ۱۲۹۹ھ، ۱: ۷۵ ببعد؛ (۳) ابوشجاع محمد بن حسین: ذیل کتاب تجارب الأُمَم (متن طبع ایمڈروز (H. F. Amedroz) و مرجلیوث (D. S. Margoliouth)، اوکسفرڈ ۱۹۱۴-۱۹۱۶ء؛ (۴) *The Eclipse of the Abbasid Caliphate*، ج ۳، بہ امداد اشاریۂ کتاب: (۵) الثّعالبی: یتیمةُ الدّهر، طبع قاہرہ ۱۹۳۴ء، ۳: ۱۶۹-۲۶۰؛ (۶) ابن الأنباری: نزهة الالبّاء، ص ۳۹۷ ببعد؛ (۷) ابن الجوزی: کتاب المنتظم، حیدر آباد ۱۳۵۸ھ، [۷] ۱۷۹ ببعد؛ (۸) السُّیوطی: بُغْیة الوُعاة فی طبقات اللُّغَوِیِّین والنُّحاة، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۱۹۶ ببعد؛ (۹)

ابن العماد: شَذَرات الذَّھب، قاہرہ ۱۳۵۰ھ، ۳: ۱۱۳ ببعد؛ (۱۰) ابن الاَثیر: الکامل: طبع Tornberg، ۸: ۲۶۴، ۴۵۴ و ۹: ۴ ببعد، ۱۸، ۳۹، ۴۴، ۷۲، ۷۷ ببعد؛ (۱۱) Wilken: *Geschichte der Sultane aus dem Geschlechte Bujeh nach Mirchond*، باب ۸؛ (۱۲) زکی مبارک: *La prose ʻarabe au VIe Siécle de l' Hégire*، پیرس ۱۹۳۲ء، ص ۱۳۶ - ۱۴۵؛ (۱۳) وہی مصنّف: النّثر الفنّی، ۲: ۲۴۳ - ۲۵۸؛ (۱۴) ابوالقاسم القُوبائی: رسالۃ الاِرْشاد فی اَحوالِ الصاحِبِ الکافی اسمٰعیل بن عبّاد، در ذیل مُفَضَّل بن سعد المافرخی: کتاب محاسن اصفہان، طبع تہران ۱۹۳۲ء؛ نیز دیکھیے: (۱۵) Seybold، در *Isl.*، ۸: ۹۹؛ (۱۶) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۳۰ ببعد.

(احمد آتش)

✱ ابن عبد الحَکَم: عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عبد الحکم بن اَعْیَن ابوالقاسم، مصر کا سب سے قدیم عرب مؤرّخ، جس کی تصنیف محفوظ رہ گئی ہے۔ وہ مصر کے ایک مشہور خاندان کا فرد تھا۔ اس کا باپ عبد اللہ (م رمضان ۲۱۴ھ/نومبر ۸۲۹ء) فقہ اَور حدیث میں بڑی دسترس رکھتا تھا اور ان موضوعات پر کئی کتابوں کا مصنّف بھی تھا۔ وہ مصر میں مالکی مذہب کا امام تھا اَور اس کے علاوہ گواہوں کے محتسب کی حیثیت سے وہ قاضیِ شہر کا شریکِ کار بھی تھا۔ اس کے چاروں بیٹے بھی صاحبِ جاہ ومنزلت تھے: (۱) محمد، جو فقیہ اور مصنّف کی حیثیت سے دور دور تک مشہور تھا اور اپنے باپ کے بعد مالکی مذہب کا امام بنا؛ (۲) عبد الحکم اور (۳) سعد: جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے بہت مشہور تھے خصوصًا عبد الحکم اور (۴) عبد الرحمٰن - خلیفہ الواثق کے عہد کے جبر وتشدّد سے اس خاندان کو بھی گزند پہنچا، کیونکہ ان لوگوں نے خلقِ قرآن کے عقیدے کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد ۲۳۷ھ میں وہ مستقل طور پر اپنی قوم میں ذلیل ہو گئے، کیونکہ ان کے خلاف ایک غبن ثابت ہو گیا تھا (الکندی، طبع Guest، ص ۴۶۲ ببعد و ۴۷۲، سطر ۱ ببعد)۔ عبد الرحمٰن (جو عام طور پر ابن عبد الحکم کے نام سے مشہور تھا) ۲۵۷ھ/۸۷۱ء میں فُسطاط میں فوت ہو گیا، اسے زیادہ تر علمِ حدیث سے دلچسپی تھی اور اس نے مستند مصری رُواۃ کی مدد سے، جن میں اس کا اپنا والد بھی شامل تھا، بہت سی احادیث جمع کیں۔ اس کی سب سے بڑی تصنیف فتوح مصر تھی، جو سات حصّوں میں اس طرح منقسم تھی: (۱) مصر اور اس کی قدیم تاریخ؛ (۲) اسلامی فتح؛ (۳) فُسطاط اور الجیزہ اور اسکندریہ کے اخاذے [جاگیریں]؛ (۴) عمرو بن العاص کے زمانے میں مصر کا نظامِ حکومت اور فتوحات ماورائے مصر بجانب جنوب ومغرب؛ (۵) شمالی افریقہ کی فتح بعد از وفات عمرو اور فتح اندلس؛ (۶) ۲۴۶ھ تک کے قاضیانِ مصر؛ (۷) مصری احادیث جو ان صحابۂ رسول اللہؐ سے حاصل ہوئیں جو مصر میں وارد ہوے۔ پوری کتاب کے طریقِ تالیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنّف ایک ماہر جامع احادیث تھا، لیکن اس نے اپنے جمع کردہ مواد پر زیادہ تنقید نہیں کی۔ اسے سب سے زیادہ دلچسپی صحابہ اور تابعین کے عہد سے تھی، چنانچہ قاضیوں کے تذکرے میں وہ پہلے زمانے کے لوگوں کا ذکر بہت شرح و بسط سے کرتا ہے اور اس کے بعد اپنے وقت تک کے قاضیوں کے حالات بتدریج اختصار سے لکھتا چلا آتا ہے؛ نیز اسی لیے کتاب کے سب سے اہم حصّے، یعنی خِطط کے باب میں رسمی روایت کو ایک ضمنی جگہ دی گئی ہے اور اس نے ان سب معلومات کو جمع کر دیا ہے جو اسے دستیاب ہوئیں.

مصر کے قدیم مؤرّخین نے ابن عبد الحکم کی تصنیف سے بڑے پیمانے پر استفادہ کیا ہے۔ متاخّرین کی تصانیف میں سے السیُوطی کی کتاب حسن المحاضرۃ زیادہ تر اسی تصنیف کی نقل ہے اور مقریزی کی تصنیف کے کئی ابواب اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ دونوں کتابوں میں منقولہ متن اصلی کتاب کے متن کی بہ نسبت ناقص ہے۔ یاقوت بھی مصری مقامات کے ذکر میں بہت حد تک اسی کتاب سے پورے پورے حوالے نقل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دیکھیے فتوح مصر کا وہ اڈیشن جو طبع وقفیۂ گب (لنڈن) کے سلسلے میں شائع ہو چکا ہے.

اس تصنیف کے قلمی نسخے موزۂ بریطانیہ، پیرس (دو عدد) اور لائڈن (بصورتِ تلخیص) میں موجود ہیں اور متفرّق اجزا کے تراجم ایوالڈ (Ewald: *Zeitschr. f. Kunde. d. Morgenl.*، ۳: ۳، ۱۸۴۰ء، ص ۳۳۶ - ۳۵۲)، دیسلان (de slane)، Karle، Jones، La Fuente اور Torrery (در *Bibl. and Semit. Studies*، نیویارک ۱۹۰۱ء، ص ۲۷۹ - ۳۳۰) نے کیے ہیں، دیکھیے براکلمان (Brockelman) مع ضمیمہ جات واستدراکات۔

[ابن عبد الحکم کی اس تالیف کے چھٹے حصّے کا نام فتح الاندلس ہے، جسے جونز نے ۱۸۵۸ء میں لنڈن سے شائع کیا۔ یہ کتاب اسی تاریخِ فتحِ افریقہ کا سلسلہ ہے جسے دیسلان نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے دو مخطوطے کتاب خانۂ اہلیہ، پیرس میں محفوظ ہیں، اردو ترجمہ از محمد جمیل الرحمٰن، در مخزن، دسمبر ۱۹۱۵ء ببعد].

مآخذ: (۱) ابن ندیم: الفہرست، ص ۲۱۱ (جہاں اس کے بھائی محمد کا تذکرہ ہے)؛ (۲) ابن خَلّکان طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، شمارہ ۳۲۲، ۵۸۲ (ترجمۂ دیسلان (de slane)، ۲: ۱۴، ۵۹۸)؛ (۳) السیوطی: حسن المحاضرۃ (طبع سنگی)، ۱: ۱۳۴، ۱۳۶، ۲۰۶؛ (۴) ابوالمحاسن ابن تغری بردی: النُّجوم الزّاھرۃ، ۱: ۶۲۹؛ (۵) السبکی: طبقات، ۱: ۲۲۳؛ (۶) ابن حجر: تہذیب، ۹: ۲۶۰؛ (۷) الذہبی: المیزان، ۳: ۸۶؛ (۸) ابن فرحون: الدیباج، ص ۲۲۰؛ (۹) وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Geschichtschreiber...*، شمارہ ۶۳؛ (۱۰) ڈوزی (Dozy): *Recherches*، طبع سوم، ص ۳۶ ببعد؛ (۱۱) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۴۸، ۲: ۶۹۲ (تکملہ، ۱: ۲۲۷)؛ (۱۲) الکندی: [الولاۃ والقضاۃ]، طبع Rhuvon Guest، مقدمہ، ص ۲۲ ببعد.

(C. C. TORREY)

⊗ ابن عَبدِ رَبّہ: ابو عمر (عمرو، دیکھیے مطمح الانفس) احمد بن ابی عمر محمد بن عبد ربّہ ابن حبیب بن حُدَیر (دیکھیے یاقوت؛ ابن کثیر نے غلطی سے جَریر لکھا ہے)

بن سالم القُرطُبی الاندُلسی المالکی، قرطبہ میں ۱۰ رمضان ۲۴۶ھ/ ۲۹ نومبر ۸۶۰ء کو پیدا ہوا (صاحب جذْوَۃ المقتبس نے اس کا مولد مالقہ لکھا ہے اور تکملۃ براکلمان میں عیسوی سنِ پیدائش غلطی سے ۸۶۹ء درج ہے) اور قرطبہ ہی میں چند سال فالج میں مبتلا رہنے کے بعد ۱۸ جمادی الاُولی ۳۲۸ھ/ ۳ مارچ ۹۴۰ء کو اس کی وفات ہوگئی اور اسے قرطبہ کے مقبرۂ بنی العبّاس میں دفن کیا گیا۔

سالم (اور ایک روایت کے مطابق حُدَیر) ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل اموی کا مولی تھا، لیکن اس کے باوجود ابن عبدربّہ پر تشیّع کا غلبہ تھا۔ اس کی شہرت اس کی زندگی ہی میں پھیل گئی تھی اور اسلامی مملکت کے دونوں حصّوں میں اسے قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اسے موسیقی اور طب میں بھی دسترس حاصل تھی، لیکن اس کی عظمت و شہرت کی اصل نقیب اس کی شاعری اور ادب تھا۔ المُتنبّی اسے ''ملیح الاندلس'' کے نام سے یاد کیا کرتا تھا۔ ابن عبدربّہ کے پہلے دیوان میں اس کے ایّامِ جوانی کا کلام ہے۔ آخر عمر میں اس نے تشبیب و نسیب سے ہٹ کر انھیں قوافی و بحور میں جن میں غزلیات کہہ چکا تھا زہد و مواعظ کے اشعار قلم بند کیے اور اس مجموعے کا نام المُمَحِّصات رکھا۔

ابن عبدربّہ کی سب سے اہمّ تالیف العِقْدُ الفَرِید ہے۔ مصنّف نے اپنی اس کتاب کا نام صرف العِقْد ہی رکھا تھا، چنانچہ فتح ابن خاقان، یاقوت اور ابن خَلِّکان وغیرہ نے اس کا یہی نام دیا ہے، لیکن بعد کے ادیب اس کی یکتائی اور عظمت کے پیشِ نظر ''الفرید'' کا لفظ بڑھا کر اسے العقد الفرید کہنے لگے اور اب یہ کتاب اسی نام سے مشہور ہے۔ یہ تالیف عربی ادب کی چوٹی کی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں مصنّف نے خطب، اشعار، حکما و ادبا کے اقوال، علم عروض، علم اَلحان، طب، تاریخ وغیرہ کے بہت سے دلچسپ شاہکار جمع کر دیے ہیں اور اپنی اس علمی و ادبی کتاب کو پچیس ابواب اور ہر باب کو دو فصلوں میں تقسیم کر کے ہر باب کا نام یاقوت، زبرجد، زمرد وغیرہ جواہرات کے نام پر رکھا ہے۔ اس کتاب کے مآخذ میں ابن قُتَیْبَہ کی عیون الاخبار اَور الاصمعی اَور الشیبانی وغیرہ کی مرویات کا نام لیا جاتا ہے۔

ابن عبدربّہ پیدا المغرب میں ہوا اور وہیں پروان چڑھا، لیکن حیرت ہے کہ اس کی اس کتاب کا تمام تر مواد مشرقی لوگوں کے افکار پر مشتمل ہے۔ یہی بنیاد تھی جس پر صاحب ابن عبّاد [رکّ بآں] نے العقد الفرید کو دیکھ کر کہا تھا: هذه بضاعتنا ردّت الینا: یہ تو ہمارا ہی مال ہے جو ہمیں لوٹایا گیا ہے'' العقد الفرید کی ترتیب کچھ اس نوعیت کی ہے کہ اس سے استفادہ آسان نہیں، چنانچہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس کے فہارس مرتب کر کے یہ مشکل دور کر دی ہے۔

طباعتیں: العِقْدُ الفَرِید سب سے پہلے ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں بولاق میں چھپی۔ اس کے بعد کی طباعتیں یہ ہیں: قاہرہ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء، ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء، ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء، ۱۳۲۱ھ، ۱۳۳۱ھ اور بیروت ۱۹۵۱-۱۹۵۵ء۔ مختار العقدالفرید کے نام سے اس کی ایک تلخیص بھی شائع ہو چکی ہے، طبع دوم، قاہرہ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء اس کے آخر میں مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی شامل ہے۔

فرانسیسی مستشرق ٹورنل (Tournel) نے اصل کتاب کے بعض حصّوں کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے انھیں متن کے بغیر شائع کیا، پیرس ۱۸۳۶-۱۸۳۸ء۔

ابن عبدربّہ اسی صف کا ادیب ہے جس میں پہلے الجاحظ اور بعد میں صاحب الاغانی ابوالفرج الاصفہانی تھے۔ اگر وہ دونوں اس سے ''ادب و تفنّن'' میں بڑھے ہوئے تھے تو ''علم و تعقّل'' میں اس کا پایہ ان سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے فؤاد بُستانی اسے ''کثیر العلم ادیب'' لکھتا ہے۔

مآخذ: (۱) ابن الفرضی: تراجم علماء الاندلس؛ (۲) الثعالبی: یتیمۃ الدھر، قاہرہ ۱۹۳۴ء، ۲: ۵ بعد، ۶۴ بعد؛ (۳) فتح بن خاقان: مطمح الانفس، قسطنطینیہ ۱۳۰۲ھ، ص ۵۱؛ (۴) الضَّبّی: بُغیۃ المُلْتَمِس، طبع کودیرا (Codera) و ریبیرا (Ribera)، ۱۸۸۴ء، ص ۱۳۷ بعد؛ (۵) یاقوت: معجم الادباء، طبع احمد فرید، ۴: ۲۱۱؛ (۶) ابن خَلِّکان: وفیات الاعیان، بولاق ۱۲۹۹ھ، ۱: ۳۹؛ (۷) الصفدی: الوافی بالوفیات، ۲/۳: ۲۴۶؛ (۸) الیافعی: مرآۃ الجنان، ۲: ۲۹۵؛ (۹) ابن کثیر: البدایۃ و النھایۃ، ۱۱: ۱۹۳ بعد؛ (۱۰) ابن تَغْرِی بِرْدی: النجُوم الزاھرۃ، طبع جوئنبول، ۲: ۲۸۸؛ (۱۱) السیوطی: بُغیۃ الوعاۃ، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۱۶۱؛ (۱۲) ابن العماد: شَذَرات الذَّھَب، ۲: ۳۱۲؛ (۱۳) فؤاد بستانی: ابن عبدربّہ، بیروت ۱۹۲۷ء؛ (۱۴) جبرئیل لبنانی، ابن عبدربہ و عقدۃ؛ (۱۵) البُستانی: دائرۃ المعارف، تحت مادّۂ ابن عبد ربہّ؛ (۱۶) براکلمان: ۱: ۱۵۴ و تکملہ، ۱: ۲۵۰؛ (۱۷) آ آ، لائڈن، طبع اوّل، ۲: ۳۵۳؛ (۱۸) نکلسن (R. A. Nicholson): *A Literary History of the Arabs*، لنڈن ۱۹۲۳ء، ص ۳۴۷، ۴۲۰؛ (۱۹) محمد شفیع: *Analytical Indices of the Kitab al-Iḳd al-Farīd*، کلکتہ ۱۹۳۵-۱۹۳۷ء، یکے از مطبوعاتِ دانش گاہ پنجاب۔

(عبدالمنّان عمر)

---

* **ابن عبدالظّاہر**: محی الدّین ابوالفضل عبداللہ بن رشید الدّین ابومحمد عبدالظاہر بن نشوان السَّعْدی الرَّوحی، ۹ محرّم ۶۲۰ھ/ ۱۲ فروری ۱۲۲۳ء کو قاہرہ میں پیدا ہوا اور [۴ رجب] ۶۹۲ھ/ [جون] ۱۲۹۳ء میں وہیں انتقال کر گیا (دُرّۃ الاسلاک فی دولۃ الاتراک، *Orientalia*، ۱۸۴۶ء، ۲: ۲۸۵؛ وسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Geschichtschreiber*، عدد ۳۶۶)۔ ہمیں اس کی زندگی کے کچھ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں، لیکن اس نے بحری مملوک بادشاہوں میں سے تین یعنی الملک الظاہر بیبرس، المنصور قلاوون اَور الاشرف خلیل کے عہد میں بحیثیت صاحب دیوانِ انشا (پرائیویٹ سکرٹری) بعض اہمّ کام سرانجام دیے۔ (اس عہدے کے متعلّق دیکھیے مقریزی: خِطَط، ۱: ۴۰۲ و ۲: ۲۲۵ بعد؛ کاتر

میئر (Quatremère): Histoire des Sultans Mamlouks par Makrizi، ۲/۲، ۲۲۲:۲، حاشیہ ۴۰ و ص ۳۱۷ ببعد)۔ بعض لوگوں کے نزدیک وہ سب سے پہلا شخص تھا جو اس عہدے پر مقرّر رہوا۔ اگرچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا بیٹا سب سے پہلے اس پر مامور ہوا۔ دوسرے مآخذ کی رُو سے یہ عہدہ قدیم تر زمانے سے چلا آتا تھا (دیکھیے Moberg کی کتاب مذکورۂ ذیل ص xiii ببعد)۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس پر وہ ۶۷۸ھ میں قلاوون کے عہد میں ابن لقمان کے بعد مقرّر ہوا تھا (کاترمیئر، ۲/۲: ۷، ۲۷)۔ اس عہدے میں اسے یہ کام سپرد تھا کہ وہ تمام آنے والے خطوط پڑھے اور اہم خطوط و دستاویزات کے مسودے تیار کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدمات وہ بیبرس کے عہد میں بھی انجام دیتا رہا تھا، کیونکہ ۶۶۱ھ میں جب بیبرس نے خلیفہ سے وفاداری کا حلف اٹھایا تو ابن عبدالظاہر موجود تھا اور اس نے خلیفہ کا خطبہ لکھا تھا (کاترمیئر، ۱۵۰، ۱۸۳؛ Casanova، ص ۴۹۵)؛ ۶۶۲ھ میں اس نے اُس تقلید (فرمان) کا مسودہ تیار کیا، جس کی رو سے الملک السعید ولی عہد قرار پایا (کاترمیئر، ۱/۱: ۲۴۱) اور کچھ عرصے بعد اس نے الملک السعید سے قلاوون کی بیٹی کی شادی کا نکاح نامہ بھی مرتّب کیا (کتاب مذکور، ۱/۱: ۱۳۲)۔ اس نے وہ تقلید بھی لکھی جس کی بنا پر قلاوون کا بیٹا ولی عہد مقرّر ہوا (کتاب مذکور، ۲/۱: ۲۶)۔ ۶۶۶ھ میں وہ ایک امیر کے ساتھ عکّہ کے حاکم قلعہ سے حلف وفاداری لینے کے لیے گیا، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی (کتاب مذکور، ۱/۱: ۵۷)۔ جب قلاوون کا بیٹا اپنے والد کے سفر کے دوران میں والی مقرّر ہوا تو ابن عبدالظّاہر امور سلطنت کا نگران رہا (Casanova، ص ۴۹۵)۔ اس نے کچھ وقت دمشق میں بھی گزارا (المَقریزی: خِطَط، ۲: ۳۲۴).

مذکورۂ بالا تین سلطانوں کے عہد کے جو وقائع اس نے مرتّب کیے ہیں وہ بہت اہم ہیں۔ بیبرس کی سوانح عمری (حصّۂ اوّل، تا ۶۶۳ھ، برٹش میوزیم، شمارہ ۱۲۲۹) سے المَقریزی نے [الخِطَط میں] اور العَسقلانی نے اپنی تصنیف کتاب حسن المناقب میں استفادہ کیا ہے (Moberg، ص xvii ببعد) اور النُّصَیری الشافعی نے اس سے اقتباس کیا ہے (Casanova، ص ۴۹۹ ببعد)۔ اس نے قلاوون کے عہد کی تاریخ ۶۸۱ھ سے لے کر اس کی وفات تک لکھی ہے اور سرکاری دستاویزات کا بھی حوالہ دیا ہے (Casanova، ص ۵۰۲)۔ ہمارے پاس الاشرف کے سوانح حیات کا صرف ایک تہائی حصّہ (۶۹۰-۶۹۱ھ) محفوظ ہے جسے موبرگ (Moberg) نے چند وقف ناموں کے علاوہ شائع کیا ہے (دیکھیے مآخذ)۔ اس کی تصنیف کتاب الرَّوضۃ البھیّۃ الزاھرۃ فی خِطَط المعزّیۃ القاھرۃ (حاجی خلیفہ، ۲: ۱۴۷؛ ۳: ۱۶۱ و ۴۹۹) بھی خاصی اہم ہے۔ اس کتاب سے المقریزی نے اپنی خطط، بالخصوص عمارتی آثار کے بیان میں، بہت استفادہ کیا ہے (Becker: *Beiträge zur Gesch. Ägyptens unter dem Islam*، ص ۲۳، ۳۰؛ Guest در *JRAS*، ۱۹۰۲ء، ص ۱۲۰؛ ۱۲۵)۔ اس کی تصنیف تَمائِم الحَمائِم نامہ برکبوتروں کے متعلّق ہے (المقریزی: خِطَط، ۲: ۲۳۱؛ کاترمیئر، ۲/۲: ۱۱۸، حاشیہ ۴۹؛ Casanova، ص ۵۰۵)۔ اس کی دوسری تصانیف کے لیے دیکھیے براکلمان (Brockelmann)۔ اس کے بیٹے فتح الدّین بن عبدالظاہر کا ذکر بھی صاحبِ دیوانِ انشا کی حیثیت سے آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس حیثیت سے اپنے باپ سے بھی بڑھ کر مرتبہ حاصل کیا (المَقریزی: خِطط، ۱: ۲۲۶؛ Casanova، ص ۴۹۷)۔ وہ ۶۹۱ھ میں اپنے والد کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا۔

مآخذ: (۱) Axel Moberg: *Ur 'Abd Allah....b. 'Abdaẓ-Ẓâhir's Biografi över Sultanen el-Melik al Ašraf Halîl*، Lund، ۱۹۰۲ء (مقالہ بشمول متن عربی، سویڈش ترجمہ و مقدمہ)؛ (۲) P. Casanova، در *Memoires publiés par les membres de la mission archéologique au Caire*، ۶: ۴۹۳-۵۰۵؛ [(۳) ابن اثیر: النهاية، ۱۳: ۳۳۴]؛ (۴) ابوالمحاسن [ابن] تغری بردی: النجوم الزاھرۃ، طبع جوئنبول (Juynboll)، ۲: ۴۱۱، ۴۱۵، ۴۸۲؛ [(۵) ابن العماد: شذرات، ۵: ۴۲۱]؛ (۶) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۱۸ ببعد [وتکملہ، ۱: ۵۵۱].

(J. PEDERSEN)

---

* **ابن عَبدُون:** ابو محمد عبدالمجید بن عَبدُون الفِہری، اندلس کا ایک عرب شاعر، جو یابُرہ (Evora) میں پیدا ہوا۔ اس کی شاعرانہ استعداد و ذہانت کی وجہ سے عمر المُتوکّل بن الافطس، جو ان دنوں یابُرہ کا والی تھا، پہلے ہی اس کی جانب متوجّہ ہو گیا تھا اور جب یہی والی بطَلیُوس (Badajoz) کا امیر بن گیا [رکّ بہ مادّۂ افطس] تو ۴۷۳ھ/ ۱۰۸۰ء میں ابن عَبدُون اس کا کاتب (سیکرٹری) مقرّر ہو گیا۔ ۴۸۵ھ/ ۱۰۹۲ء میں بنو افطس کی حکومت کے زوال پر ابن عَبدُون کو مجبوراً عرب فوج کے سالار سیر بن ابی بکر کی ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ اس کے بعد ہم اسے پھر ۵۰۰ھ/ ۱۱۰۶ء میں مرابطی سلطان علی بن یوسف کے دربار میں کاتب کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ ۵۲۹ھ/ ۱۱۳۴ء میں اس نے اپنے وطن مالوف یابُرہ میں وفات پائی۔ ابن عَبدُون کی شہرت کا انحصار زیادہ تر اس قصیدے پر ہے جو اس نے البَشّامہ کے عنوان سے بنو الافطس کے زوال پر کہا اور جسے عرب بہت پسند کرتے ہیں۔ عبدالملک بن عبداللہ الحَضرَمی نے اس قصیدے کی تاریخی تلمیحات کی شرح قلم بند کی ہے۔ مؤخّر الذکر ابن بدرون کے نام سے مشہور ہے اور شِلب (Silves) میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ۶۰۸ھ/ ۱۲۱۱ء تک زندہ تھا، لیکن اس کے علاوہ اس کے بارے میں اور کچھ معلوم نہیں۔ یہ شرح ابن عَبدُون کے قصیدے سمیت ڈوزی (Dozy) نے ۱۸۴۶ء میں، بعنوان *Commentaire historique sur la Poème d' Ibn Abdoun par Ibn Badroun*، شائع کی۔ اس سے پہلے Hoogvliet اپنی تصنیف موسومہ *Procelebratissimi Aben Abduni legomena ad editionem Poematis*

in luctuosum Aphtasidarum interitum، لائڈن سے ۱۸۳۹ء میں شائع کر چکا تھا۔ قصیدے کا متن المرّاکشی کی تاریخ، طبع ڈوزی، ص ۵۳ بعد میں بھی درج ہے۔ اس کا ایک فرانسیسی ترجمہ از فاینان (Fagnan) اور ہسپانوی ترجمہ از Pons Boigues بھی موجود ہے۔ (دیکھیے مآخذ) عماد الدّین ابن الاثیر [رکّ بآن] نے بھی اس کی شرح لکھی تھی۔

مآخذ: عربی مصادر کی تفصیل ڈوزی (Dozy) نے اپنی مذکورۂ بالا طبع کے دیباچے میں، براکلمان نے ۱: ۲۷۱ [و تکملہ ۱: ۴۸۰] میں اور Pons Boigues نے *Ensayo Biobibliogr*، (ص ۱۹۰ بعد و ۲۶۰ بعد بذیل ابن بدرون) میں دے دی ہے۔

(ادارۂ [آ])

⊗ **ابن عبدالوہّاب:** رکّ بہ محمد بن عبدالوہّاب۔

⊗ **ابن العِبری:** گریگوریوس یوحنا ابوالفرج بن اہرون [ہارون] بن توما، مشہور مؤرّخ اور طبیب، جو مغرب میں Barhebraeus کے نام سے مشہور ہے، دیار بکر کی ولایت میں بمقام ملطیہ ۶۲۳ھ/ ۱۲۲۶ء میں پیدا اور بمقام مراغہ ۶۸۵ھ/ ۱۲۸۶ء میں فوت ہوا۔ اس کی لاش موصل لا کر متی کے دیر میں دفن کی گئی۔ وہ عیسائیوں کے فرقۂ یعقوبیہ (Jacobians) سے تعلّق رکھتا تھا اور حلب کے الملک الناصر کے لطف و کرم کا مورد رہا۔ بعض مسیحی علما نے اسے بدعقیدہ قرار دیا ہے۔ اس کی کنیت ابوالفرج ہے، لیکن دراصل اس کی کوئی اولاد نہ تھی کیونکہ اس نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ اس کا باپ ایک حاذق طبیب اور اپنی قوم کے مقتدر لوگوں میں سے تھا۔ ابن العِبری نے یونانی، سُریانی اور عربی زبانیں سیکھنے کے بعد فلسفۂ مابعدالطبیعیات اور طب کی تعلیم حاصل کی۔ اسے فارسی زبان بھی آتی تھی۔ ۶۴۰ھ/ ۱۲۴۳ء میں جب تاتاری حملے کی وجہ سے ملکی امن و امان برباد ہو گیا تو اس کا باپ بھاگ کر بیٹے کے ہمراہ انطاکیہ چلا گیا، جہاں ابن العِبری نے زہد و تقشّف کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ انطاکیہ سے وہ طرابلس الشام گیا۔ وہاں ۶۵۷ھ/ ۱۲۶۴ء میں اسے یعقوبی فرقے کا مفریان (= جاثلیق) مقرّر کر دیا گیا (مفریان ایک سریانی لفظ ہے اور اس کے معنے ہیں مثمر؛ یعقوبیوں کے ہاں بطریق کے بعد یہ سب سے بڑا منصب ہے اور متعدّد اسقف اس کے ماتحت ہوتے ہیں)۔ جب بطریق اغناطیوس کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کا جھگڑا ہوا تو ابن العبری نے یوحنا ابن المعدنی کے مقابل دیونیسیوس عنجور کا ساتھ دیا۔ ۶۵۱ھ/ ۱۲۵۳ء میں دیونیسیوس نے اسے اسقفیۂ حلب میں بجھوا دیا، لیکن وہاں اس کے قدم نہ جم سکے، کیونکہ اس کا ایک ہم سبق صلیبا دوسرے گروہ سے تعلّق رکھتا تھا، جس کے سربراہ یوحنا ابن المعدنی نے صلیبا کو مشرق کا مفریان مقرّر کر دیا تھا۔ تب ابن العبری پھر اپنے باپ کے گھر میں، جو حلب آ چکا تھا، خلوت گزین ہو گیا، پھر وہاں سے مَلَطیہ چلا گیا، لیکن گوشۂ گمنامی کا یہ عرصہ مختصر تھا اور جلد ہی اسے الملک النّاصر کا تقرّب حاصل ہو گیا، جب ہلاگو نے حلب پر حملہ کیا تو ابن العبری اس سے ملنے گیا تھا تاکہ علاقے کے لوگ تاتاریوں کی بربادیوں سے محفوظ رہ سکیں، لیکن تاتاریوں کی درندگی نے اس کا یہ مقصد پورا نہ ہونے دیا۔

۶۶۲ھ/ ۱۲۶۴ء میں اغناطیوس ثالث نے اسے عراق عجم و مشرق کا مفریان مقرّر کر دیا۔ اس موقع پر اس نے ایک دفعہ پھر ہلاگو سے ملاقات کی۔

کہتے ہیں اس نے عربی اور سریانی میں تیس سے اوپر کتابیں تالیف کی تھیں۔ السمعانی نے ان کے نام لکھے ہیں (نیز دیکھیے المکتبة الشرقیة، ۲: ۲۶۸ - ۳۲۱)۔ اس کی مشہور ترین کتاب تأریخ مختصر الدول ہے (متن مع لاطینی ترجمہ از پوکوک (E. Pococke)، اوکسفرڈ ۱۶۶۳ء؛ طبع ثانی، از انطون صالحانی، بیروت ۱۸۹۰ء طبع ثالث، بیروت ۱۸۵۸ء، از Bruns و Kirsch، لائپزگ ۱۷۸۸ء)۔ ۱۷۸۳ء میں اس کا جرمن زبان میں ترجمہ ہوا۔ اصل کتاب ۶۸۳ھ/ ۱۲۸۴ء تک کے حالات پر ختم ہو جاتی ہے۔

تاریخ مختصر الدول کی ایک تلخیص لمع من اخبار العرب ہے۔ پوکوک نے اس کا لاطینی میں ترجمہ کیا ہے (متن مع لاطینی ترجمہ، اوکسفرڈ ۱۶۵۰ء)۔ ابن العبری کی ایک کتاب منتخب الغافقی فی الادویة المفردة ہے، جو چھپ چکی ہے۔ اس کا ۶۸۴ھ/ ۱۲۸۵ء کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ خزانۂ تیموریہ میں محفوظ ہے۔ اس کی دیگر دو مطبوعہ کتب النفس البشریة اور دیوان (سریانی میں) ہیں۔

مآخذ: (۱) مقدمة تأریخ مختصر الدول، طبع ثالث، ص ج - و؛ (۲) لویس شیخو: نبذة فی ترجمة و تألیف ابی الفرج، ۱۸۹۸ء؛ (۳) مجلہ المقتطف، ۵۸: ۳۲۰؛ (۴) سرکیس: المعجم المطبوعات، عمود ۳۳۹؛ (۵) الزِرِکلی: الاَعلام، طبع دوم، ۵: ۳۰۸؛ (۶) مجلة المشرق، ۱: ۶۱۱؛ (۷) اللؤلؤ المنثور، ۴۱۱ - ۴۳۰؛ (۸) دائرة المعارف الاسلامیة، ۱: ۲۲۶؛ (۹) براکلمان، ۱: ۳۴۹ - ۳۵۰؛ تکملہ، ۱: ۵۹۱۔

(عبدالمنّان عمر)

---

* **ابن العَجَرَّد:** عبدالکریم، خوارج کا ایک سرگروہ، جس کے نام پر اس کے پیرو عَجارِدَہ کہلاتے ہیں۔ اس کی زندگی کے متعلّق ہمارے پاس کچھ معلومات نہیں ہیں۔ الشہرستانی کے بیان سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ عطیہ بن الاسود الحنفی کا پیرو تھا۔ یہ عطیہ پہلے تو نجدہ بن عامر [رکّ بآن] کا پیرو تھا، لیکن بعد میں اس سے الگ ہو کر سجستان، خراسان، کرمان اور کوہستان کے خوارج کا سرگروہ بن گیا۔ اس طرح اس کا زمانہ آٹھویں صدی عیسوی کے نصف اوّل کا ہے۔ گو وہ بھی عطیّہ کی مانند سیاسی طور پر نجدہ سے علیحدہ ہو چکا تھا، تاہم یہ دونوں تاریخ مذاہب کے نقطۂ نظر سے خارجیوں کے اس گروہ سے تعلّق رکھتے ہیں جنھیں نَجدہ کی نسبت سے نَجدات یا اس علاقے کی نسبت سے، جہاں اس کا ظہور ہوا، نَجدِیّہ کہتے ہیں، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا موقف کٹّر ازارقہ اور ان سے نرم تر اباضیہ کے بین بین ہے۔ [عَجارِدَہ دراصل صفریہ کا ایک فرقہ ہے (دیکھیے ابن حزم)۔ یہ لوگ خراث کے

خوارج پر غالب آ گئے تھے۔] بقول البغدادی عجاردہ دس چھوٹے چھوٹے فرقوں میں منقسم تھے: ۱۔خازمیّہ، ۲۔شُعَیبیّہ، ۳۔میمونیّہ، ۴۔خَلَفیّہ، ۵۔مَعلومیّہ، ۶۔مجہُولیّہ، ۷۔صَلتیّہ، ۸۔حَمزیہ اور ۹۔ثعالبہ، جن کی پھر چھ شاخیں ہیں۔ دسویں قسم جس کا نام اس نے نہیں دیا غالباً اَطرافیہ ہے، جس کا ذکر الشہرستانی نے کیا ہے۔ ان میں سے حمزیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، کیونکہ ان کا سردار حَمزیہ بن اَترُک کئی برس تک سیاسیات میں بڑا حصّہ لیتا رہا تھا، یہاں تک کہ وہ زخمی ہو کر المأمون کے عہد میں فوت ہو گیا۔ طبری اس کا ذکر صرف مختصر طور پر کرتا ہے، لیکن البغدادی کے ہاں اس کے متعلّق کئی تفاصیل ملتی ہیں۔

مآخذ: (۱) الشہرستانی، طبع Cureton، ۹۲، ۹۵ بعد؛ (۲) البغدادی: الفرق، ص ۷۲ بعد؛ [(۳) ابن حزم: الفصل، باب شناعة الخوارج، اردو ترجمہ از عبداللہ العمادی، ۳: ۲۰۴].

(ادارہ [آ])

✱⊗ **ابن العدیم:** کمال الدّین [ابو حفص و] ابو القاسم عمر بن احمد .... بن ابی جرادہ بن العدیم العُقَیلی [الحَنفی ۔آداب اللغة میں غالباً ابن الشحنہ (روضة المناظر) کے تتبع میں اس کا نام عمر بن عبدالعزیز بن احمد درج ہے (۳: ۱۷۰) اور صاحبِ کشف الظنون نے عمر بن ابی جرادہ عبدالعزیز لکھا ہے (شمارہ ۲۹۱)]، محدّث اور مؤرّخ حلب، رؤسا کے ایک جلیل القدر خاندان بنو جرادہ کا ایک بلند پایہ لیکن منکسر المزاج فرد، جس کا جدِّ امجد موسٰی وبائے طاعون کے باعث ۲۰۰ھ/ ۸۱۵ء کے لگ بھگ بنو عُقَیل کے دوسرے افراد کے ساتھ بصرے سے ہجرت کر کے شام چلا آیا اور ایک سوداگر کی حیثیت سے حلب میں آباد ہو گیا تھا۔ [یہ خاندان بنو عدیم کیوں کہلاتا تھا؟ اس کی کوئی یقینی توجیہ نہیں کی گئی۔] ابن العدیم ذوالحجّہ ۵۸۸ھ/ دسمبر ۱۱۹۲ء میں پیدا ہوا۔ [یہ تاریخ خود ابن العدیم نے بیان کی ہے، دیکھیے یاقوت اور ابن کثیر؛] (فوات میں ۵۸۶ھ غلط ہے)۔ وہ ایک حنفی قاضی کا بیٹا تھا اور یہ عہدہ ان کے خاندان میں موروثی طور پر چار پشتوں سے چلا آ رہا تھا، اس نے پہلے اپنے آبائی شہر حلب میں تعلیم پائی، پھر یروشلم میں، جہاں اسے اس کا باپ ۶۰۳ھ/ ۱۲۰۶-۱۲۰۷ء میں اور پھر ۶۰۸ھ/ ۱۲۱۱-۱۲۱۲ء میں لے گیا تھا؛ پھر دمشق، عراق اور حجاز میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ حلب کے مدرسۂ شاد بخت میں معلّم ہو گیا۔ اس کے بعد وہ قاضی کے عہدے پر فائز ہوا۔ بعد ازاں وہ آخری دو ایوبی بادشاہوں الملک العزیز (۶۱۳-۶۳۴ھ/ ۱۲۱۶-۱۲۳۶ء) اور الملک النّاصر (۶۳۴-۶۵۸ھ/ ۱۲۳۶-۱۲۶۰ء) کا وزیر بنا اور کئی بار ان کے حکم سے بغداد اور قاہرہ میں سفیر کے فرائض سر انجام دیے۔ جب ۹ صفر ۶۵۸ھ/ ۲۵ جنوری ۱۲۶۰ء کو تاتاریوں نے اس کے شہر کو فتح کر کے تباہ و برباد کر دیا تو وہ الملک النّاصر کے ساتھ مصر بھاگ گیا۔ ہلاکو نے اسے قاضی القضاة کے عہدے پر شام واپس طلب کیا، لیکن حکم کی تعمیل سے قبل ہی وہ ۲۹ جُمادی الاُولی ۶۶۰ھ/ ۲۱ اپریل ۱۲۶۲ء کو قاہرہ میں فوت ہو گیا [اور المقطم میں دفن ہوا۔ فوات میں اس کا سنِ وفات ۶۶۶ھ/ ۱۲۶۷-۱۲۶۸ء دیا گیا ہے، جو دوسرے مآخذ کے خلاف ہے].

اس کی اہمّ ترین تصنیف بغیة الطلب فی تأریخ حلب ہے۔ یہ اس کے وطن کے مشہور لوگوں کی تاریخ ہے جو خطیب البغدادی [رکّ بآن] اور ابن عساکر [رکّ بآن] کے نمونے پر بہ ترتیب حروفِ تہجّی دس اور بعض مآخذ کی رو سے چالیس جلدوں میں مرتّب ہوئی تھی۔ چونکہ اس کی ضخامت بہت زیادہ تھی اس لیے اس کا مبیّضہ کبھی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تیمور کے زیرِ قیادت مغلوں کے حملوں سے قبل ہی اس کے اجزا ہر طرف منتشر ہو چکے تھے؛ چنانچہ ابن الشحنہ (دیکھیے سطور ذیل) کو بھی اس کی صرف ایک ہی جلد کا علم ہو سکا (دیکھیے *Cat. Codd. Arab. Bibl. Acad. Lugd. Bat*، ۲: ۸۲)۔ اس کے اجزاے پریشان پیرس (کتاب خانۂ اہلیہ، de Slane: *Cat.*، شمارہ ۲۱۳۸)، لنڈن (*Cat. Codd. Mss. Or.*، در موزۂ بریطانیہ، حصّہ ۲، شمارہ ۱۲۹۰) اور غالباً قسطنطینیہ (آیا صوفیا، شمارہ ۳۰۳۶؛ دیکھیے Horovitz: *Mitt. Sem. Or. Spr.*، برلن، ۱۰: ۶۰، عدد ۵۱) میں محفوظ ہیں۔ اس کتاب کا خود ابن العدیم نے ۶۴۱ھ/ ۱۲۴۳ء تک کا ایک خلاصہ زبدة الحلب فی تأریخ حلب کے نام سے تاریخی ترتیب کے ساتھ تیار کیا تھا، لیکن اس کتاب کا بھی مبیّضہ مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ وفات پا گیا۔ پیرس کے قلمی نسخے (de Slane، شمارہ ۱۰۶۶؛ ایک اور قلمی نسخہ سینٹ پیٹرزبرگ میں ہے، جو غالباً پیرس والے نسخے کی نقل ہی ہے، دیکھیے V. Rosen: *Not. Sommaires des manuscr. arabes du Musée Asiat.*، سینٹ پیٹرزبرگ ۱۸۸۱ء، ص ۹۸، عدد ۱۶۰) سے حسبِ ذیل مصنّفین نے استفادہ کیا: فرایتاغ (G. W. Freytag): *Selecta ex historia Halebi*، Lutetiae Par. ۱۸۱۹ء؛ *Regnum Saahd-aldaulae in oppido Halebi*، بون ۱۸۲۰ء؛ *Historiens orientaux des Croisades*، ۳: ۶۹۱-۷۳۲؛ درانبورغ (H. Derenbourg): *Vie d' Ousâma*، (*Publ. de l' Ec. des Langues or. viv.*، سلسلۂ دوم، ۱۲/۱)، ۵۶۹-۵۸۵؛ بلوشہ (E. Blochet): *L'histoire d' Alep de Kamâladdîn* [عربی متن لاطینی ترجمے اور حواشی کے ساتھ، طبع فرایتاغ، پیرس ـ بون ۱۸۱۹-۱۸۲۰ء؛ بون ۱۸۲۰ء] عربی متن کے بعد فرانسیسی ترجمہ در *Rev. de l' Orient Latin*، ۱۸۹۶ء، ص ۵۰۹-۵۶۵؛ ۱۸۹۷ء، ص ۱-۱۴۶؛ ۲۳۵؛ ۱۸۹۸ء، ص ۳۷-۱۰۷، ۱۸۹۹ء، ص ۱-۴۹۔ اس کے آگے ۶ ربیع الثانی ۹۵۱ھ/ ۲۷ جون ۱۵۴۴ء تک کا خلاصہ محمد ابن الحنبلی (م ۹۷۱ھ/ ۱۵۶۳ء) نے درّ الحَبَب فی تأریخ اعیان حلب کے نام سے تیار کیا (دیکھیے *Cat. Codd. Mss. Or.*، در موزۂ بریطانیہ، عدد ۳۳۴؛ *Bibl. Bodl. Codd. Mss. Orient*، ج ۱، عدد ۸۱۰، ۸۳۶؛ قب ۲: ۵۹۷؛ V. Rosen: *Not. Sommaires*، عدد ۲۰۳.

انیسویں صدی عیسوی میں اصل بنیادی تصنیف بغیة کو آگے جاری رکھنے کی دوبارہ سعی کی گئی (۱) علاء الدّین ابوالحسن علی بن محمد بن [سعد المروف بہ] ابن خطیب الناصریہ (م ۸۴۳ھ/۱۴۳۹ء) نے الدر المنتخب فی (تکملة) تأریخ حلب لکھی۔ یہ تصنیف شہر حلب کے بیان اور ۶۵۹ھ سے (تحریر کتاب تک کے) ممتاز باشندگانِ حلب کی سیرتوں پر مشتمل ہے۔ براکلمان اور ہورووِٹز (Horovitz) نے اس کے مخطوطات کی تفصیل *Mitt. Sem. Or. Spr.*، ۱۰: ۶۰ بعد، میں دی ہے۔ [پھر موفّق الدین ابو ذر احمد بن ابراہیم (م ۸۸۴ھ/ ۱۴۷۹ء) نے کنوز الذهب کے نام سے اس کا ذیل لکھا]؛ (۲) محب الدّین ابوالفضل محمد بن الشحنة الحلبی (م ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵ء) نے نزهة النواظر فی روض المناظر کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ اس کے مخطوطات برلن میں (آلوارٹ (Ahlwardt): *Verz*، عدد ۹۷۹۱)؛ جلد اوّل لنڈن میں (*Cat. Codd. Or.*، در موزۂ بریطانیہ، شمارہ ۴۳۶، ص ۲)؛ جلد دوم گوٹا (Gotha) میں (Pertsch: *Verz.*، عدد ۱۷۷۲)؛ جلد سوم پیرس میں (de Slane: *Cat.*، شمارہ ۱۲۳۹) ہیں۔ اس کتاب سے ابن الشحنہ کی اولاد میں سے ایک شخص نے ۱۰۱۴ھ اور ۱۰۲۴ھ کے درمیان ایک ملخّص مرتّب کیا، جس میں جگہ جگہ اپنے زمانے کے کوائف سے متعلّق حواشی تحریر کیے۔ اس ملخّص کے مخطوطات کی فہرست Pertsch: *Verz. d. arab. Hdss. zu Gotha*، شمارہ ۱۷۲۴؛ مزید براں *Cat. Codd. Arab. Bibli. Lugd. Bat.*، ۲: ۸۵ شمارہ ۹۵۲، میں دی گئی ہے۔ اس ملخّص کو الدر المنتخب فی تأریخ مملكة حلب کے زیر عنوان سرکیس (Joseph Elias Sarkis) نے بیروت سے ۱۹۰۹ء میں شائع کیا۔ A. v. Kremer نے *Sitzungsber. d. Wien Akad.* فلسفہ و تاریخ، شعبہ ۴ (۱۸۵۰ء)، ۱: ۱۲۵ بعد، میں اس کے اقتباسات پیش کیے۔

اس نے اپنے خاندان کی جو تاریخ الاخبار المستفادة فی ذکر بنی ابی جرادة کے نام سے یاقوت کے لیے تحریر کی تھی اس کے اقتباسات مؤخّر الذّکر نے اپنی تصنیف الارشاد (۶: ۱۸-۳۵، [طبع احمد فرید، ۱۵: ۵ بعد]) میں دیے ہیں۔ اس کے منظوم کلام میں اس کا ایک مرثیہ، جو اس نے حلب کی تباہی پر لکھا تھا، سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کے بعض اشعار بطورِ نمونہ ابوالفداء (کتاب مذکور) نے پیش کیے ہیں۔ اس نے ۶۱۰ھ/ ۱۲۱۳ء میں الملک الظاهر کی خدمت میں اس کے بیٹے کی ولادت کے موقع پر ایک مکتوبِ تہنیت پیش کیا تھا، جس کا نام الدراری فی ذکر الذّراری رکھا تھا۔ یہ مکتوب مخطوطۂ نوری عثمانیہ، شمارہ ۴۷۹۰، ۳، سے نقل کر کے مجموعة، استانبول ۱۲۹۸ھ/ شمارہ ۲ میں شائع کر دیا گیا ہے۔ آخری کتاب جو اس نے لکھی وہ الوصیلة (یا الوصلة) الی الحبیب فی وصف الطّیبات والطّیب ہے۔ اس میں ہر قسم کی خوشبوئیں اور عطر تیار کرنے کی ہدایات مندرج ہیں۔ قلمی نسخے برلن (Ahlwardt: *Verz.*، شمارہ ۴۶۳)، موزۂ بریطانیہ (Ellis و Edwards: *A descr. List of the Arab. Mssacquired since 1894*......، لنڈن ۱۹۱۲ء، ص ۵۶، ۶۲، شمارہ ۶۳۸۸ .Or) اور بانکی پور (*Cat. of the Arab. and pers. Mss. in the Orient. Publ. Libr.*، ۴:۱۴۶، شمارہ ۹۶) میں موجود ہیں۔ اس کی خوشنویسی کے نمونے۔ بقول یاقوت اس کا شمار مشہور ترین خوشنویسوں میں ہوتا تھا۔ سینٹ پیٹرز برگ میں موجود ہیں (دیکھیے *Cat. des Mss. et Xylographes orient. de la Bibl. Imp.*، شمارہ ۱۴۷)۔ [نثر کے علاوہ اسے نظم میں بھی درک تھا۔ اس کا بیٹا مجد الدّین عبدالرحمٰن (م ۶۷۷ھ/ ۱۲۷۸ء) بھی اپنے عہد کے اکابر میں سے تھا۔ اس کی نسل کے دوسرے افراد میں سے ابن حجر نے ابراہیم (م ۷۸۷ھ/ ۱۳۸۵ء) اور احمد بن ابراہیم (موجود ۸۳۵ھ/ ۱۴۳۱-۱۴۳۲ء) اور السّخاوی نے الضوء اللامع میں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن (م ۸۸۲ھ/ ۱۴۷۷ء) کا ذکر کیا ہے]۔

مآخذ: (۱) یاقوت: ارشاد الاریب الی معرفة الادیب (وقفیۂ گب ۶)، ۶: ۱۸-۴۶، [طبع احمد فرید، ۱۵-۵۷]؛ (۲) الیونینی: ذیل مرآة الزمان، طبع اوّل، ۱: ۵۱۰ بعد]؛ (۳) ابوالفداء: تأریخ، ۴: ۶۳۴؛ [(۴) ابن الوردی، ۲: ۲۱۵]؛ (۵) ابن شاکر: فوات الوفیات (بولاق ۱۲۹۹ھ)، ۲: ۱۰۱]؛ [(۶) یافعی: مرآة الجنان، ۴: ۱۵۸؛ (۷) ابن کثیر: البدایة، ۱۳: ۲۳۶؛ (۸) ابن ابی الوفاء: الجواهر المضیئة، ۱: ۳۸۶؛ (۹) ابن الزّیات: الکواکب السیّارة، ص ۲۷۲]؛ (۱۰) ابن قُطلوبُغا: طبقات الحنفیة (*Abh. f. d. Kunde des Morg.*، ج ۲، لائپزگ ۱۸۶۲ء)، شمارہ ۱۴۳؛ [(۱۱) ابن تغری بردی: النّجوم الزّاهرة، ۷: ۲۰۸؛ (۱۲) السُّیوطی: حسن المحاضرة، ۱: ۲۲۰؛ (۱۳) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، طبع یالتقایا، عمود ۲۴۹؛ (۱۴) ابن العماد: شَذرات الذّهَب، ۵: ۳۰۳؛ (۱۵) عبدالحیّ لکھنوی: الفوائد البهیّة، ص ۱۴۷؛ (۱۶) الطبّاخ: اعلام النبلاء، ۲: ۳۱۳ و ۴: ۴۶۴؛ (۱۷) مجلة المجمع العلمی، ۲۳: ۲۵۱؛ (۱۸) الفهرس التمهیدی، ص ۵۶۴؛ (۱۹) زبدة الحلب، مطبوعہ نسخے کا مقدمہ]؛ (۲۰) Weijers: *Orientalia*، ۲: ۲۴۸؛ (۲۱) وسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Geschichtschreiber der Araber*، شمارہ ۳۴۵؛ (۲۲) براکلمان، ۱: ۳۳۲ [و تکملہ، ۱: ۵۶۸].

(براکلمان BROCKELMANN [و عبدالمنّان عمر])

✱ **ابن العِذاری**: (ابن عَذاری)، ابوعبداللہ محمد [یا احمد بن محمد] المَرّاکُشی، المُغرب اور اندلس کا عرب مؤرخ، جس کے متعلّق ہمیں اس کے سوا کچھ معلوم نہیں کہ وہ ساتویں صدی ہجری/ تیرھویں صدی عیسوی کے آخر [نواح ۶۹۵ھ/ ۱۲۹۵ء] میں، جہاں پر اس کی تاریخ ختم ہوتی ہے، گزرا ہے۔ اس کی یہ تاریخ خاص طور پر اس لیے دلچسپ ہے کہ اس میں بعض ضائع شدہ کتابوں کے اقتباسات پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب کا نام البیان المُغرب فی اخبار المَغرب ہے اور مکمل صورت میں محفوظ نہیں ہے۔ [اصل کتاب ۶۶۷ھ تک کے واقعات پر مشتمل تھی، لیکن مطبوعۂ مصر ۶۰۴ھ پر ختم ہو جاتی ہے]۔ ابن عذاری نے مشرق

کی بھی ایک تاریخ لکھی تھی، جس کا ہمیں صرف نام معلوم ہے۔ ڈوزی (Dozy) نے البیان المُغرِب کا متن بعنوان: *Histoire de l'Afrique et de l' Espagne*، شائع کیا (لائڈن ۱۸۴۸-۱۸۵۱ء، ۲ جلدوں میں [فرانسیسی زبان میں مقدمہ وتعلیقات کے ساتھ؛ اس کی پہلی جلد میں ابن القطان کی نظم الجمان اور دوسری جلد میں عریب بن احمد کی تاریخ کا کچھ حصّہ مختلط ہوگیا ہے۔ یہی متن ۱۹۵۰ء میں بیروت میں دوبارہ طبع ہوا]۔ اس کا کچھ حصّہ سمونے (Simonet) اور لرکُنڈی (Ler Chundi) نے *Crestomatía ara-bigoespañola*، غرناطہ ۱۸۸۱ء، عدد ۶۱، میں دیا ہے۔ فانیاں (Fagnan) نے اس کتاب کا [فرانسیسی زبان میں] ترجمہ کیا ہے [*Al Bayano 'l Mor-grib Histoire de l' Afrique et de l' Espagne traduit et annote*، طبع الجزائر ۱۹۰۱-۱۹۰۷ء] اور ڈوزی نے ایک حصّے کا جو نارمنوں کے حملے کے متعلّق ہے (*Recherches*، طبع ثانی، ۲: ۲۸۸-۲۸۹؛ نیز قبّ ڈوزی (Dozy): *Correction sur le texte du Bayano 'l-Mogrib*، لائڈن ۱۸۸۳ء، ص ۱-۹۱۔ [اس میں ڈوزی نے اصل کتاب کے ایک مخطوطے سے، جو اسے اسکوریال میں دستیاب ہوا، تصحیح کی ہے اور کچھ حواشی لکھے ہیں: نیز دیکھیے لیوی پراونسال (Lévi Provençal)، پیرس ۱۹۳۰ء]۔

مآخذ: (۱) ڈوزی: اس کی شائع کردہ کتاب کا دیباچہ، ۱: ۷۷-۱۰۷؛ (۲) وُسٹینفِلٹ (Wüstenfeld): *Die Geschichtschreiber der Araber*، عدد ۳۷۳، ص ۱۵۱؛ (۳) پونس بوئیز (Pons Boigues): *Ensayo bio- bib-liogr afico*، ص ۴۱۴ بعد؛ [(۴) براکلمان: تکملہ، ۱: ۵۷۷]۔

(RENÉ BASSET)

----

* **ابن عرب شاہ:** احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابراہیم شہاب الدّین ابو العبّاس [ابومحمد] الدمشقی الحنفی العجمی، [۲۵ ذوالقعدہ] ۷۹۱ھ ([نومبر] ۱۳۸۹ء) کو دمشق میں پیدا ہوا اور جب تیمور نے ۸۰۳ھ میں دمشق فتح کیا اور وہاں کے بہت سے باشندوں کو زبردستی اپنے ساتھ لے گیا تو اسے بھی اپنے خاندان سمیت سمرقند جانا پڑا (قبّ *Vita Timuri*، طبع Manger، لیووارڈیہ [ہالینڈ] ۱۷۶۷-۱۷۷۲ء، ۲: ۱۴۳ بعد)۔ وہاں اس نے الجُرجانی، الجَزری اور دیگر علما سے تحصیلِ علم کی اور ترکی، فارسی اور مغولی زبانیں سیکھیں۔ ۸۱۱ھ میں وہ مغولستان میں ختا چلا گیا، جہاں اس نے الشیرَامی سے حدیث کا درس لیا۔ پھر وہ خوارزم اور دَشت (سرائے اور حاجی ترخان میں) پہنچا، جہاں وہ ۸۱۴ھ میں بھی موجود تھا (*Vita Timuri*، ۱: ۶۷۳)۔ وہ کریمیا (قرم) کے راستے ادرنہ پہنچا، جہاں وہ سلطان محمد اوّل بن بایزید کا معتمدِ خاص بن گیا۔ اس نے سلطان کے لیے [عربی اور فارسی سے] ترکی زبان میں کئی کتابوں کا ترجمہ کیا (مثلاً (۱) العوفی کی جامع الحکایات ولامع الروایات، دیکھیے حاجی خلیفہ، ۲: ۵۱۰ [مگر حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ یہ ترکی ترجمہ سلطان مراد خان ثانی کے حکم سے کیا گیا]؛ (۲) ابواللیث السمرقندی کی تفسیر، حاجی خلیفہ، ۲: ۳۵۲؛ (۳) الدّینوری کی تعبیر، حاجی خلیفہ، ۲: ۳۱۲) اور عربی، ترکی، فارسی اور مغولی زبانوں میں سلطان کی طرف سے خط وکتابت بھی کرتا رہا۔ ۸۲۴ھ میں وہ حلب گیا اور ۸۲۵ھ میں دمشق، جہاں اس نے اپنے دوست ابوعبداللہ محمد البخاری سے حدیث پڑھی (قبّ *Vita Timuri*، ۱: ۳۲)۔ ۸۳۲ھ میں اس نے فریضۂ حج ادا کیا اور ۸۴۰ھ میں وہ نقل وطن کرکے قاہرہ چلا گیا، جہاں اُس نے ابوالمحاسن [ابن] تغری بردی اور دوسرے فضلا کے ساتھ دوستانہ مراسم پیدا کیے۔ اس نے [۵ رجب] ۸۵۴ھ [۱۴/ اگست ۱۴۵۰ء] کو وفات پائی۔ اس کی سب سے بڑی تصنیف عجائب المقدور فی نوائب تیمور ہے (حاجی خلیفہ، ۲: ۱۲۲ بعد۔ کتاب کی مختلف طباعتوں کا ذکر براکلمان (Brockelmann) نے کیا ہے۔ ان کے علاوہ کلکتے کا ایڈیشن ([۱۸۱۲ء و ۱۸۱۸ء) بھی ہے [نیز لائڈن ۱۶۳۶ء، مع لاطینی ترجمہ از منجر S. H. Manger]؛ ترکی ترجمہ از مرتضٰی نظمی زادہ البغدادی، ۱۱۱۰ھ/ ۱۶۹۸ء [بتصحیح یعقوب غولیوس Jacob Golius]، حاجی خلیفہ، ۴: ۱۹۰ و ۶: ۵۴۴)۔ اس کتاب میں تیمور کی فتوحات اور اس کے جانشین کے عہد کے حالات بیان کیے گئے ہیں اور تیمور کو ظالم، بدکار اور جابر ظاہر کیا گیا ہے، لیکن کتاب کے آخر میں (دیکھیے طبع Manger، ۳: ۷۸۱ بعد) اس کی خوبیوں کو سراہا بھی گیا ہے۔ اس کتاب میں سمرقند اور وہاں کے علما کے بارے میں بیش قیمت معلومات درج ہیں (۳: ۸۵۵ بعد)۔ اس کی تصنیف فاکھۃ الخلفاء ومفاکھۃ الظرفاء [بون ۱۸۳۲ء، ۱۸۵۲ء، مع لاطینی ترجمہ، طبع فرایتاغ؛ بولاق ۱۲۷۶ھ، ۱۲۹۰ء؛ موصل ۱۸۶۹ء، ۱۸۷۶ء؛] دس ابواب پر مشتمل ہے اور صفر ۸۵۲ھ میں لکھی گئی (حاجی خلیفہ، ۴: ۳۴۵)۔ یہ، بقول حاجی خلیفہ، کلیلۃ و دمنۃ اُور سُلوان المطاع کی طرح ایک مرآۃ الملوک ہے اور اس میں حیوانات کی کہانیاں بیان کی گئی ہیں (دیکھیے Chauvin: *Bibliogra-phie*، ج ۲، شمارہ ۱۴۰-۱۴۴)، لیکن جیسا کہ Chauvin نے ثابت کیا ہے (کتاب مذکور، ۲: ۱۴۵-۱۴۹) یہ کتاب درحقیقت [چوتھی صدی ہجری کی] فارسی کتاب مرزبان نامہ، [چاپ سنگی مصر ۱۲۷۸ھ اور لائڈن ۱۹۱۰ء،] بروایت سعد وَراوِینی، کا نقش ثانی ہے (قبّ Houtsma در *Zeitschr. d. Deutsch. Morgenl. Ges.*، ۵۲: ۳۵۰ بعد؛ انتخاب در Freytag: *Locmani Fabulae*، ص ۲۷ بعد؛ مکمّل طبع کا ذکر ذیل میں دیکھیے)۔ اس کی التألیف الطاہر فی شِیَم.... ابی سعید جَقْمَق کی ایک طبع کا ابتدائی حصّہ S. A. Strong کے نام سے اس کی موت کے بعد رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے بابت ۱۹۰۷ء، ص ۳۹۵ بعد، میں طبع ہوا تھا۔ ابن عرب شاہ کی دس تصنیفات کا ذکر ملتا ہے، جن میں سے ایک ترجمان المُترجِم عربی، فارسی اور ترکی زبانوں سے متعلّق ہے (حاجی خلیفہ، ۲: ۲۷۸)۔ نیز دیکھیے حاجی خلیفہ، ۳: ۱۵۸ و ۴: ۱۹۰، ۲۳۲، ۲۷۰، ۳۱۱ و ۵: ۷۹ و ۱۴۷ اور فرایتاغ (Freytag) کی مذکورۂ ذیل کتاب۔

اس کے بیٹوں میں سے مندرجۂ ذیل صاحبِ تصنیف گزرے ہیں: (۱) الحسن، جس نے اِیضاح الظُّلم و بیان العُدوان فی تأریخ النابُلُسِی الخارِج الخوَان لکھی۔ یہ کتاب نثر مسجّع میں ہے اور اس میں النابلسی اور دمشق کے خلاف اس کی ظالمانہ کارروائیوں کا تذکرہ ہے، دیکھیے براکلمان، ۲: ۳۰؛ (۲) تاج الدّین عبدالوہاب، جو ۸۱۳ھ/ ۱۴۱۱ء میں حاجی ترُخان میں پیدا ہوا اور ۹۰۱ھ/ ۱۴۹۵ء میں انتقال کرگیا۔ اس نے ابواللیث کے مقدّمے کی شرح اور متعدد غیر اہم کتابیں لکھیں؛ دیکھیے براکلمان، ۲: ۱۹ بعد.

مآخذ: (۱) فرایتاغ (Freytag): *Fructus Imperatorum et Jocatio Ingeniosorum*، جلد ۱-۲، Bonnae ۱۸۳۲ء (فاکہۃ کا تصحیح شدہ متن، ص xxv - xxxiii، اس کی زندگی کا مختصر خاکہ، جو السخاوی [الضوء اللامع، ۲: ۱۲۶؛ التبر المسبوک، ص ۳۲۵] اور ابن تغری بردی کے بیانات پر مبنی ہے)؛ [(۳) ابن العماد: شذرات الذہب، ۷: ۲۸۰ بعد؛ (۴) الشوکانی: البدر الطالع، ۱: ۱۰۹؛ (۵) السیوطی: نظم العقیان، طبع حتّی (Hitti)، نیویارک ۱۹۲۷ء، ص ۶۳]؛ (۶) Pertsch: *Verzeichnis der arab Hdschr. zu Gotha*، عدد ۹۴، سطر ۱۳، ۱۸۴۰ء، ۱۸۴۱ء، ۲۶۹۶؛ (۷) وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Geschichtschreiber der Araber*، عدد ۴۴۸؛ (۸) براکلمان، ۱: ۱۹۶؛ ۲: ۲۸-۳۰؛ [تکملہ، ۲: ۲۴].

(J. PEDERSEN)

---

* **ابن العَرَبی:** ابوبکر محمد بن عبد اللہ، ایک اندلُسی مُحدّث جو اِشْبیلیہ (Seville) میں ۴۶۸ھ/ ۱۰۷۵ء میں پیدا ہوا۔ اپنے لڑکپن میں اس نے اپنے باپ کے ہمراہ مشرق کا سفر کیا اور شام، بغداد، مکّے اور مصر کے مشہور فقہا مثلاً الطُرطُوشی، [ابوبکر الشاشی] اور الغزالی [رک بآن] سے تحصیلِ علم کی۔ [۴۸۹ھ/ ۱۰۹۶ء میں اس نے حج کیا]۔ جب ۴۹۳ھ/ ۱۰۹۹ء میں اس کا باپ اسکندریہ میں فوت ہوگیا تو وہ اشبیلیہ واپس چلا گیا اور وہاں قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور ہوا۔ بعد ازاں اسے مجبوراً فاس جانا پڑا اور وہاں بھی اُس نے تحصیلِ علم جاری رکھی۔ یہاں تک کہ ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۸ء میں اس نے انتقال کیا [اور فاس میں دفن ہوا]۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے چالیس سے زیادہ مختلف کتابیں تالیف کیں، جن میں سے اکثر اب ناپید ہیں۔ ان میں سے کئی ایک کے نام مذکورۂ ذیل کتب میں دیے گئے ہیں۔ [اس کی مطبوعہ کتب میں سے تین یہ ہیں: (۱) احکام القرآن، مطبع السعادہ، ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء؛ (۲) عارضة الاحوذی فی شرح الترمذی؛ (۳) العواصم من القواصم].

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وَفَیات، طبع قاہرہ ۱۲۹۹ھ، ۲: ۲۹۲ بعد؛ [(۲) الذہبی: تذکرة الحُفّاظ، ۴: ۹۰ بعد]؛ (۳) ابن بَشْکُوال: الصِّلة، ج ۱، عدد ۱۱۸۱؛ (۴) المَقّری طبع ڈوزی (Dozy) وغیرہ، ۱: ۴۷۷-۴۸۹ و مواضع کثیرہ؛ [(۵) الدیباج المذہب، ۲۸۱؛ (۶) المغرب فی حلی المغرب، ۱: ۲۴۹؛ (۷) قضاة الاندلس، ص ۱۰۵؛ (۸) جَذْوَة المقتبس، ص ۱۶۰؛ (۹) الوافی بالوفیات، ۳: ۳۳۰؛ (۱۰) بستان المحدّثین، ۱۲۳ بعد]؛ (۱۱) Pons Boigues: *Ensayo bio-bibliographico*، ص ۲۱۶ بعد؛ (۱۲) گولٹ تسیہر (Goldziher)، در *ZDMG*، شمارہ ۳۸، ص ۶۷۲؛ [(۱۳) براکلمان، ۱: ۴۱۲؛ تکملہ، ۱: ۶۳۲].

⊗ **ابن العَرَبی:** شیخ ابوبکر مُحی الدّین محمد ابن علی، جو بالعموم ابن العَرَبی (یا ابنِ عَرَبی — بالخصوص بلادِ مشرق میں) اور الشیخ الاکبر کے نام سے مشہور ہیں، ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ/ ۲۸ جولائی ۱۱۶۵ء کو مُرسِیہ میں پیدا ہوئے، جو اندلس کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ ان کی نسبت الحاتمی الطائی سے پتا چلتا ہے کہ ان کا تعلّق عرب کے قدیم قبیلۂ طے سے تھا، جس میں مشہور سخی اور مُخیّر حاتم گزرا ہے۔ ۵۶۸ھ میں ابن العربی اِشْبیلیہ میں چلے آئے، جو ان دنوں علم و ادب کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں وہ تیس سال تک اپنے زمانے کے مشہور علما سے تحصیلِ علم کرتے رہے۔ طریقِ تصوّف میں جن شیوخ کے زیرِ تربیت وہ ابتدا میں رہے ان میں سے اکثر سے ان کی ملاقات بھی یہیں ہوئی۔ اڑتیس برس کی عمر (یعنی ۵۹۸ھ/ ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ء) میں وہ بلادِ مشرق کی طرف روانہ ہوگئے، جہاں سے وہ اپنے وطن کو پھر کبھی نہ لوٹے۔ پہلے وہ مصر پہنچے اور کچھ عرصے تک وہاں قیام کیا؛ پھر مشرق قریب اور ایشیاے کوچک کی طویل سیر و سیاحت میں مصروف ہوگئے اور اس سلسلے میں بیت المقدس، مکۂ معظّمہ، بغداد اور حلب گئے، بالآخر انھوں نے دمشق میں مستقل سکونت اختیار کرلی، جہاں وہ ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء میں وفات پاگئے۔ ان کو جَبَلِ قاسِیُون میں دفن کیا گیا۔ بعد ازاں اُن کے دو صاحبزادے بھی یہیں مدفون ہوئے۔ (الکُتُبی: فوات الوَفَیات، ۲: ۳۰۱؛ ابن الجوزی: مرآة الزمان، ص ۴۸۷).

ابن العربی کے علاوہ ہمیں ایسے کسی اور شخص کا علم نہیں جس کی وجہ سے پوری ملّتِ اسلامیہ میں اختلاف و افتراق پیدا ہوگیا ہو۔ بعض لوگوں کی راے میں وہ ولی کامل تھے، قطبِ زمان تھے اور علمِ باطنی میں ایسی سند تھے جس میں کلام ہی نہیں ہوسکتا۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ تھا جس کے نزدیک وہ بدترین قسم کے ملحد تھے۔ اُن کے بہت سے مدّاح جلیل القدر علما بھی تھے، جنھوں نے اُن کے عقائد کی حمایت میں کتابیں لکھیں؛ مثال کے طور پر مجد الدّین الفیروز آبادی، سراج الدّین المَخزُومی، الفخر الرازی، الجلال السُّیُوطی اور عبدالرزاق الکاشانی کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ متاخّرین میں سے عبدالوہّاب الشَّعرانی کے نام کا اضافہ کرلینا کافی ہے۔ اُن کے بعض مشہور و ممتاز مخالفین میں رضی الدّین بن الخیّاط، الذّہبی، ابن تَیمِیّہ، ابن ایاس، علی القاری اور جمال الدّین محمد بن نور الدّین، صاحبِ کشف الغُمّة عن هذه الأُمّة، شامل تھے۔ آج بھی ابن العربی کی تصنیفات کے بارے میں اسی قسم کا متضاد رویہ اختیار کیا جاتا ہے، یعنی بعض مسلمان انھیں بڑی قدر و وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور طریقِ تصوّف میں قدم رکھنے والے ہر شخص کو ان کے مطالعے کی تلقین کرتے ہیں، لیکن بعض ان کی مذمّت کرتے ہیں اور اپنے

پیروؤں کو ان کی تصنیفات پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔

تصنیفات: قدیم و جدید مآخذ میں ابن العربی کی تصنیفات کے بارے میں بہت متضاد بیانات ملتے ہیں، چنانچہ ان کی صحیح تعداد بلکہ بعض کتابوں کی صحیح ضخامت کے بارے میں بھی بظاہر کوئی تیقّن نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن جامی نے (نفحات، ص ۶۳۴) ایک بغدادی بزرگ کے حوالے سے ان کی تعداد ۵۰۰ سے زیادہ بتائی ہے۔ یہ تعداد انتہائی مبالغہ آمیز ہے۔ الشَّعْرانی (یواقیت، ص ۱۰) جامی کے مآخذ کے اندازے سے تقریباً سو کتابیں کم بتاتا ہے۔ البُرْھانُ الأَزْھَر فی مَنَاقِبِ الشیخ الأَکْبَر (قاہرہ ۱۳۲۶ھ) کے مصنّف (محمد رجب حِلْمی) نے ۲۸۴ کتابیں گنوائی ہیں۔ یہاں یہ امر قابلِ توجّہ ہے کہ ابن العربی نے ۶۳۲ھ میں، یعنی اپنی وفات سے چھے سال پیشتر، ایک یادداشت مرتّب کی تھی، جس میں اپنی ۲۵۱ سے زیادہ کتابوں کے نام درج کیے تھے۔ اس سے بظاہر ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آگے چل کے بعض لوگ کچھ کتابیں ان کے سر منڈھنا چاہیں تو اس یادداشت کو بطورِ تحریری شہادت ان کے خلاف پیش کیا جا سکے؛ اور بلادِ مشرق میں ان کے مخالفین میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی۔ اگر ہم ان تمام کتابوں کو نظر انداز کر دیں جن کی صحت اس یادداشت کی رُو سے ثابت نہیں ہوتی تو پتا چلے گا کہ جو کتابیں ان سے عموماً منسوب کی جاتی ہیں ان کی نصف سے کچھ ہی زیادہ تعداد مستند ہے۔ یہ بات کچھ قرینِ قیاس نظر نہیں آتی کہ ان کے دبستانِ فکر سے تعلّق رکھنے والے مؤخر علما نے بہت سی کتابیں لکھ کر ان سے منسوب کر دی ہوں، کیونکہ ان میں وہی اندازِ فکر اور اسلوبِ بیان نمایاں ہے جو ان کی مستند تصنیفات کی امتیازی خصوصیت ہے۔

ابن عربی نے اپنی تصنیفات کا جو عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے وہ ان کے زمانے کے تمام علومِ اسلامی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ لیکن ان کی بیشتر تصانیف کا موضوع تصوّف ہے۔ اس وسیع و بسیط موضوع کے علاوہ ابن عربی نے حدیث، تفسیر، سیرۃ النبی[ص]، ادب — جس میں متصوّفانہ شاعری بھی شامل ہے — علومِ طبیعی، بالخصوص گیہان شناسی (Cosmography)، ہیئت اور علومِ مخفیہ (occult sciences) پر بھی قلم اُٹھایا ہے۔

ان تصنیفات کو زمانے کے اعتبار سے ترتیب دینا بہت مشکل ہے، لیکن باوجودیکہ ہمیں صرف دس کتابوں کی تاریخِ تصنیف یقینی طور پر معلوم ہے، ہم اندازے سے یہ بتا سکتے ہیں کہ فلاں کتاب مصنّف نے اوائل عمر میں لکھی تھی جب وہ اندلس اور المغرب میں رہتے تھے، یا آخر عمر کی تصنیف ہے جب کہ انھوں نے بلادِ مشرق میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی صرف چند ایک کتابوں کے علاوہ باقی تمام اہم تصنیفات بلادِ مشرق، خصوصاً مکۂ معظمہ اور دمشق، میں لکھی گئی تھیں؛ اور فُتُوحات، فُصُوص اَور تَنَزُّلات جیسی کتابیں، جو ان کے پختہ ترین فکر کی آئینہ دار ہیں، ان کی زندگی کے آخری بیس سالوں کی یادگار ہیں۔ ان کے ابتدائی دور کی تصنیفات کی ایک اور امتیازی خصوصیّت یہ ہے کہ وہ کسی ایک موضوع سے مخصوص رسالوں کی شکل میں ہیں اور ان میں اس فلسفیانہ پختگیِ فکر کا کوئی نشان نہیں ملتا جو ان کی آخر عمر کی کتابوں میں نظر آتی ہے۔

ابن عربی کی مطبوعہ کتب درج ذیل ہیں:

(۱) الاربعون صحیفة من الاحادیث القدسیة؛ (۲) الاخلاق، یہ کتاب غلطی سے ابن عربی کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ دیکھیے مجلہ المجمع العلمی، دمشق، ۴: ۳۴۸؛ (۳) الامر المحکم المربوط فی ما یلزم اهل الطریق من المشروط؛ (۴) انشاء الدوائر، مع لاطینی ترجمہ، لائڈن ۱۹۱۹ء؛ (۵) الانوار فیما یمنح لصاحب الخلوة من الاسرار، جس کا دوسرا نام الانوار فیما یفتح علی صاحب الخلوة من الاسرار بھی ہے، مصر ۱۳۳۲ھ؛ (۶) تاج الرسائل و منهاج الوسائل؛ (۷) تجلیات عرائس النصوص فی منصات حکم الفصوص، مع شرح در زبان ترکی از عبداللہ البسنوی، بولاق ۱۲۵۲ھ؛ (۸) تحفة السفرة الی حضرة البررة، آستانہ ۱۳۰۰ھ؛ (۹) تفسیر، بولاق ۱۲۸۳ھ؛ (۱۰) دیوان، مصر ۱۲۷۱ھ، چاپ سنگی ہندوستان؛ (۱۱) ذخائر الاعلاق؛ (۱۲) رد معانی الآیات المتشابهات الی معانی الآیات المحکمات؛ (۱۳) روح القدس، چاپ سنگی، مصر ۱۲۸۱ھ؛ (۱۴) شجرة الکون، بولاق ۱۲۹۲ھ؛ اردو ترجمہ: مثمرة القون، از رضا خان، رام پور ۱۳۳۷ھ؛ (۱۵) الصلوة الاکبریة؛ (۱۶) الفتوحات المکیه فی معرفة الاسرار المالکیة و الملکیة، ان کی سب سے ضخیم، اہمّ اور آخری کتاب جو مکّے میں لکھی گئی اور جس کی تالیف ۶۲۹ھ میں ختم ہوئی، بولاق ۱۲۷۴ھ؛ (۱۷) فُصُوص الحِکَم، دوسری اہمّ کتاب، جو دمشق میں ۶۲۷ھ میں لکھی گئی، آستانہ ۱۲۵۲ھ؛ مع شرح از عبدالغنی النابلسی و مُلّا جامی، مصر ۱۳۰۴ھ؛ [مولانا] اشرف علی تھانوی نے اس کتاب پر تنقید لکھی ہے، فصوص الکلم، تھانہ بھون ۱۳۳۸ھ؛ (۱۸) القول النفیس فی تفلیس ابلیس، یہ کتاب بھی غلطی سے ابن العربی کی طرف منسوب ہوگئی ہے، دیکھیے ابن غانم المقدسی؛ (۱۹) قرعة الطیور لاستخراج الفال و الضّمیر، چاپ سنگی، مصر ۱۲۸۹ھ؛ (۲۰) القرعة المبارکة المیمونة و الدرة الثمینة المصونة، چاپ سنگی، مصر ۱۲۷۹ھ؛ (۲۱) قصیدة المعشرات، مع شرح از عثمان عبدالمنان؛ (۲۲) کنه مالا بد للمرید منه، مصر ۱۳۲۸ھ؛ (۲۳) مجموع الرسائل الالٰهیة، مصر ۱۹۰۷ء؛ (۲۴) محاضرة الابرار و مسامرة الاخیار فی الادبیات و النوادر و الاخبار، چاپ سنگی، مصر ۱۲۷۲ھ؛ (۲۵) مختصر فی مصطلحات الصوفیة؛ (۲۶) مفاتیح الغیب، ابن عربی کی تیسری اہم کتاب؛ (۲۷) مواقع النجوم و مطالع اهلة الاسرار و العلوم، مطبع السعادہ ۱۳۲۵ھ۔

اسلوب اور اندازِ فکر: ابن عربی کے اسلوب میں یکسانیت نہیں ہے۔ ان کا اندازِ بیان، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا اندازِ فکر بھی، وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو واضح اور سلیس انداز اختیار کر لیتے ہیں، ورنہ وہ بے حد مُغْلَق اَور مُبْہَم اسلوب سے بھی کام لے سکتے ہیں۔ دراصل اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ

انھوں نے کس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور وہ مذہبی نقطۂ نظر سے کتنی اہمیّت کا حامل ہے۔ اسی طرح ان کے ہاں شاعرانہ رنگین بیانی بھی ملتی ہے اور سادہ نثر بھی۔ ان کی ترجمان الاشواق کی بعض نظمیں عربی کی اعلٰی ترین متصوّفانہ نظموں کے مقابلے میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کی آخری تصنیفات، بالخصوص فُصُوص، مُبہم ترین ہیں۔ اس کا اسلوب رمزیہ ہے اور بیان انتہائی اصطلاحی قسم کا۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ابن عربی نے ان امور کو، جنھیں بڑی سادگی اور سلاست سے بیان کیا جاسکتا تھا، جان بوجھ کر گنجلک اور پیچیدہ بنانے کی کوشش کی اور اس طرح تنگ خیال راسخ العقیدہ اور راہِ تصوّف سے بے خبر لوگوں کی نظر سے اپنے وحدت الوجودی عقائد کو چھپایا۔ ان کی درست اعتقادی کے بارے میں جو اختلاف رائے دنیاے اسلام میں پایا جاتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کے پردے میں اپنے اصل خیالات کو چھپانے میں صرف ایک حد تک ہی کامیاب ہو سکے۔ ایک اعتبار سے فصوص کو قرآنِ مجید کی تفسیر بھی کہا جاسکتا ہے۔ ابن العربی نے تفسیر کے لیے جو آیات منتخب کیں ان کی تاویل اس طرح کی ہے کہ ان سے وہی معنی نکل سکیں جو وہ انھیں پہنانا چاہتے ہیں؛ بعض اوقات قواعدِ نحوی و اشتقاق کے علی الرغم بھی قرآن کو فلسفۂ وحدت الوجود کے ایک مسلسل و مربوط نظامِ فکر کے ساتھ ہم آہنگ کرکے دونوں کو اس طرح ملتبس کر دیا ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ذرا کمتر درجے تک یہی طریقۂ تاویل ان احادیثِ نبوی کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے جو اس کتاب میں مذکور ہیں۔

بہت ہی کم لوگوں کو اس سے انکار ہوگا کہ ابن عربی صوفی ہونے کے علاوہ ایک اچھوتا اندازِ فکر بھی رکھتے تھے۔ لیکن اصل مشکل اس امر کا فیصلہ کرتے وقت پیش آتی ہے کہ ان میں سے کون سا پہلو ان میں زیادہ قوی اور نمایاں تھا۔ اس میں تو کوئی شبہہ نہیں کہ وہ ایک صوفی فیلسوف (تھیوسوفسٹ theosophist) اور ایک نئے دبستانِ فکر کے مُؤسّس تھے، لیکن ان کا فلسفہ کچھ بے ترتیب سا اور تلفیقی (eclectic) ہے۔ وہ ایک بہت بلند تخیّل اور گہرے صوفیانہ جذبات بھی رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ان کی تحریروں میں کہیں بھی جدلیاتی استدلال کا کوئی ایسا مربوط سلسلہ نہیں ملتا جو جگہ جگہ متصوّفانہ جذبات کے ہیجان سے منقطع نہ ہو جاتا ہو۔ علاوہ ازیں وہ انتہا درجے کے خواب و خیال کی دنیا میں بسنے والے شخص تھے۔ ان کا فکر ان کے تخیّل کے ذریعے کام کرتا ہے، مگر اس میں استدلال کی ایک زیادہ گہری رو بھی جاری رہتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کا تسلسل ٹوٹتا رہتا ہے۔ استدلالی اور تصوّفی۔خیالی۔۔یہ دو پہلو ان کے فکر میں دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ اپنے خیالات کا اظہار وہ اس طرح کرتے ہیں کہ کبھی تو انھیں ثابت کرنے کے لیے رسمی جدلیاتی استدلال استعمال کیا اور کبھی اسے نظر انداز کر گئے۔ بعد ازاں یا تو ان کے قطعی ثبوت کے لیے صوفیانہ وجدان کا حوالہ دے دیا اور یا ان کے متعلق محض ایک تخیلی بیان مہیّا کر دیا۔ ابن عربی اپنی نفسیات میں متخیّلہ کو بہت اونچا درجہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی قوت ہے جس سے حقیقی علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ انھوں نے اپنے تخیّل میں ایسی اشیا کا مشاہدہ کیا ہے جو ان کے لیے موجودات خارجہ جیسی، بلکہ ان سے بھی زیادہ، حقیقی تھیں؛ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن عربی اس اعتبار سے ایک فلسفی تھے کہ انھوں نے دوسرے فلسفیوں کی طرح وجود کی ماہیت کے بارے میں ایک معیّن نظریہ پیش کیا اور اس اعتبار سے ایک صوفی فلسفی تھے کہ انھوں نے اپنے تصوّرات کو تصوّف کا لباس پہنا دیا تھا۔ ان کے اسلوب کے مبہم ہونے کا غالبًا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے۔

ان کے فلسفے کا دوسرا اہمّ پہلو اس کی تلفیقی نوعیت ہے۔ انھوں نے دنیا کے سامنے متصوّفانہ فلسفے کا ایک نظام ضرور پیش کیا ہے، مگر اس نظامِ فکر کے عناصرِ ترکیبی ہر ممکن ماخذ سے لیے گئے ہیں۔ ان کے سامنے یونانیوں کا وہ سارا گنجینۂ افکار موجود تھا جو مسلم فلسفیوں اور متکلّمین کے واسطے سے ان تک پہنچا تھا۔ وہ تمام اسلامی علوم سے آشنا اور صوفیۂ متقدّمین کی تصانیف سے اچھی طرح واقف تھے۔ انھیں اپنے نظامِ فلسفہ کے لیے جو شے مناسب نظر آئی وہ انھوں نے ان تمام مآخذ میں سے مستعار لے لی۔ لیکن یہ نظام ان کی کسی ایک کتاب میں بھی اپنی مجموعی صورت میں نہیں ملتا، اگرچہ فُصُوص الحِکَم کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نظام کے بڑے بڑے اصولوں کا خلاصہ درج ہے۔ اس کے برخلاف ہمیں ان کی دوسری تصنیفات کا تفصیلی مطالعہ اور غیر متعلّقہ جزئیات کے انبار میں بکھرے ہوے متعلّقہ مواد کو تلاش اور جمع کرنا پڑتا ہے۔ بہت کچھ تجزیے اور ترکیب و امتزاج کے بعد ہی ہمیں کسی قسم کے نظام کا پتا چلتا ہے۔

عقائد: ابن عربی کے متعلّق ابن مسدی کا یہ قول بڑا قابلِ قدر ہے: "کان ظاہری المذہب فی العبادات باطنی النظر فی الاعتقادات"۔

وہ بنیادی اصول جس پر ابن عربی کے سارے متصوّفانہ فلسفے کا دارومدار ہے، عقیدۂ وحدت الوجود ہے۔ یہ عقیدہ مجمل طور پر ان چند الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے: "بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس نے سب اشیا کو پیدا کیا اور جو خود ان کا جوہرِ اصلی (اَعْیانُہا) ہے" (فتوحات، ۲: ۶۰۴)؛ نیز ان اشعار میں بھی:

یا خالق الاشیاء فی نفسہ انت لما تخلقہ جامع
تخلق مالا ینتھی کونہ فیک فأنت الضّیق الواسع

"اے کہ تو نے تمام اشیا کو اپنی ذات میں خلق کیا، تو جمع کرتا ہے ہر اس چیز کو جسے تو پیدا کرتا ہے، تو وہ چیز پیدا کرتا ہے جس کا وجود تیری ذات میں (مل کر) کبھی فنا نہیں ہوتا، اور اسی طرح تو ہی تنگ ہے اور تو ہی وسیع بھی ہے" (فصوص، ص ۸۸)۔

یہ عقیدۂ وحدت الوجود کی ایک ایسی صورت ہے جس کی رُو سے تمام عالمِ اشیا اس حقیقت کا محض ایک سایہ ہے جو اس کے پیچھے مخفی ہے، یعنی اس وجودِ حقیقی کا جوہر اس شے کی آخری بنیاد ہے جو تھی، یا ہے اور یا آئندہ ہوگی۔ بے توفیق عقل حق اور

خلق کی دوئی پر زور دیتی ہے اور ان کے اتحادِ جوہری کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اس قسم کے اتحاد کے ادراک کا واحد وسیلہ صوفیانہ وجدان یا ذوق ہے۔ پس حقیقت کا مطالعہ دو مختلف پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے۔ بجائے خود تو یہ ایک ایسا نا قابلِ تقسیم اَور غیر متشخّص وجودِ مطلق ہے جو زمان و مکان کی تمام حدود سے ماورا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ علمِ انسانی سے بھی پرے ہے، بشرطیکہ علم سے مراد ہو وہ چیز جسے ہم اپنے حواس اور عقلِ نظری سے حاصل کرتے ہیں؛ لیکن اس نوع کے علم سے معلوم کی تعیین ہو جاتی ہے اور تعیین عبارت ہے تحدید سے، جو وجودِ مطلق کے منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معتزلہ نے جب خدا کی تنزیہِ مطلق پر زور دیا اور وہ یہ سمجھے کہ اس طرح انھوں نے اسے ہر قسم کی تحدید سے مبرّا کر دیا ہے تو انھیں دھوکا ہوا، کیونکہ ذاتِ الٰہی کے بارے میں یقین سے کچھ بھی کہنا، خواہ وہ اس کی تنزیہِ مطلق ہی کیوں نہ ہو، اس کی تحدید کے مترادف ہے [ع: نطق تشبیہ و خامشی تعطیل]۔ حقیقی تنزیہ دراصل وحدتِ مطلق ہی کا نام ہے۔ ابن عربی اسی کو تنزیہ التوحید کہتے ہیں، یعنی وہ تنزیہ جو وحدت کے باعث ہو اور یہ علمائے کلام کی تنزیہ سے مختلف ہے۔ دوسری طرف حقیقت کو کثرت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں وہ عالم اشیا کے مترادف ہو جاتی ہے۔ اگر ان دونوں پہلوؤں کو بیک وقت سامنے رکھا جائے تو حقیقت خدا بھی ہے اور کائنات بھی، حق بھی اور خلق بھی، واحد بھی اور کثیر بھی، خارج بھی اور داخل بھی، باطن بھی اور ظاہر بھی۔ دوسرے لفظوں میں اگر ہم حسبِ معمول دوئی کی اصطلاحات میں سوچیں تو ہم حقیقت کے بارے میں ہر قسم کی دو متضاد صفات بیان کر سکتے ہیں، لیکن اگر ہم صوفیہ کی طرح اپنے وجدان کی رہنمائی قبول کر لیں تو حقیقت صرف ایک ہے اور عالم اشیا محض ایک واہمہ۔

گویا ابن عربی کے فلسفے میں پھر بھی خدا کے تصوّر کی گنجائش نکل آتی ہے۔ دراصل خدا کے تصوّر — خواہ یہ ہمہ اوست ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو — پر اصرار ہی وہ نکتہ ہے جو ابن عربی اور سپینوزا (Spinoza) جیسے لوگوں کے فلسفۂ وحدت الوجود کو رواقیوں (Stoics) کی غیر جذباتی وحدت الوجودیت اور لاادریوں کی مادّیت سے ممتاز کرتا ہے۔ ان دونوں کے مذہبی رجحانات اور جذبات عام خدا پرست لوگوں سے بہت ہی کم مختلف ہیں، لیکن ابن عربی نے ایک بنیادی فرق پیدا کر دیا ہے، جو ایک طرف تو ان کے فلسفۂ مابعد الطبیعیات اور الٰہیات کے درمیان حدِّ فاصل کا کام دیتا ہے اور دوسری طرف یہ بتاتا ہے کہ خدا کی ذات جہاں ایک ایسی واجب الوجود اور غیر شرکت پذیر حقیقت ہے جو ہمارے فکر و بیان کی گرفت سے باہر ہے، وہاں وہ ایک ایسی ذات بھی ہے جس پر ایمان لایا جاتا ہے، جس سے محبت کی جاتی ہے اور جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ مؤخر الذکر تصوّر اگرچہ اسلام کے تصوّرِ وحدانیت کے خاصا قریب آ جاتا ہے، تاہم ان دونوں کے درمیان ایک بہت بڑا فرق موجود رہتا ہے، جسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خدا ہمارا معبود اور محبوب ہے۔ یہ درست ہے، مگر وہ ایسا کسی مذہبی — مسلم، عیسائی یا یہودی — مفہوم میں نہیں ہے، بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ ہر اس شے کا جو معبود اور محبوب ہو سکتی ہے، جوہر ہے۔ اسے کسی مخصوص شکل، عقیدے یا مذہب سے محدود نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی شے جو پوجی جاتی ہے اس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ اُن اَن گنت صورتوں میں سے ایک ہے جن میں خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ خدا کو صرف ایک صورت تک محدود اور باقی تمام صورتوں سے مستثنیٰ کر دینا کفر ہے اور ہر قابلِ پرستش صورت میں اس کے وجود کے اعتراف میں مذہب کی صحیح روح مضمر ہے۔ یہ وہ عالمگیر مذہب ہے جس کی تبلیغ وحدت الوجودی ابن عربی نے کی ہے، یعنی ایک ایسا مذہب جس نے تمام مذاہب کا احاطہ کر لیا ہے اور تمام اعتقادات کو یوں متحد کر دیا ہے جیسے کہ واحد حقیقتِ مطلق تمام اشیا کو احاطہ کر کے انھیں متحد کرتی ہے۔ اس خیال کو ابن عربی نے حسبِ ذیل شعر میں ظاہر کیا ہے:

صحّ عندالنّاس أنّي عاشق
غیر أن لم یعرفوا عشقي لمن

''یہ بات کہ میں عشق میں مبتلا ہوں لوگوں پر ظاہر ہے، لیکن وہ اس ذات سے بے خبر ہیں جس سے (درحقیقت) مجھے عشق ہے'' (فصوص، ص ۲۱۸)؛ اور پھر ان اشعار میں:

لقد صار قلبی قابلًا کلّ صورة
فمرعی لغزلان و دیر لرهبان
و بیت لأوثان و کعبة طائف
و الواح تورات و مصحف قرآن
أدین بدین الحبّ أنّي توجّهت
رکائبه فالدّین (فالحب؟) دینی وایمانی

''میرا دل ہر ایک صورت کا مسکن بن گیا ہے۔ یہ غزالوں کے لیے ایک چراگاہ ہے اور عیسائی راہبوں کے لیے خانقاہ اور بت پرستوں کے لیے مندر اور حاجیوں کے لیے کعبہ اور الواحِ تورات اور کتاب القرآن۔ میں مذہبِ عشق کا پیرو ہوں اور اسی سمت چلتا ہوں جدھر اس کا کارواں مجھے لے جائے، کیونکہ یہی میرا دین ہے اور یہی میرا ایمان'' (ترجمان الاشواق، ص ۳۹-۴۰)۔

ابن عربی کے فلسفۂ تصوّف کی جڑیں اسلامی تصوّف اور الٰہیات کی تاریخ میں گہری چلی گئی ہیں، اگرچہ بحیثیتِ مجموعی ان کا نظامِ فکر ان کا اپنا ہی رہتا ہے؛ گویا ان کا پاؤں ہر خیمے میں ہے اور وہ اپنا مواد ہر ممکن مآخذ سے مستعار کر لیتے ہیں۔ اسلام کے فلسفۂ توحید، یعنی باری تعالیٰ کی وحدتِ مطلق کے بارے میں ابن عربی نے ہمیشہ یہ تشریح کی ہے کہ اس سے مراد وجودِ کُل کی وحدتِ مطلق ہے۔ انھوں نے قدیم متصوّفین اور الٰہیین سے بہت کچھ اخذ کیا ہے، چنانچہ انھوں نے وحدت و کثرت اور حقیقت واحد کے عالمِ اشیا کی مختلف شکلوں میں مسلسل ظہور کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ جوہر و اعراض اور اعراض کی دائمی تخلیقِ نو کے اشعری نظریے پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کے فلسفے اور نو افلاطونیت میں بنیادی

اختلاف موجود ہے، پھر بھی انھوں نے، جہاں تک تصوّرات و اصطلاحات کا تعلّق ہے، رواقیین اور نوافلاطونی فلسفیوں سے بھی بہت کچھ مستعار لیا ہے۔ اگر ہم ان کے نظریۂ تجلیّات اور افلوطین (Platonus) کے نظریۂ اشراقات میں مطابقت پیدا کریں تو صحیح نہ ہوگا۔ عقلِ اوّل، روحِ کُلّ، فطرت، جسمِ کُلّ، دراصل واحد حقیقتِ مطلق کے مختلف پہلو یا مظاہر ہیں، یعنی اسے دیکھنے کے مختلف زاویے ہیں نہ کہ، جیسا کہ افلوطین نے بتایا ہے، ایک دوسرے سے جدا اور مختلف وجود، جن کا ذاتِ واحد سے ایک مخصوص ترتیب کے ساتھ نزول ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ابن عربی کا نظامِ فکر کچھ ہیگل (Hegel) کی مطلق عینیت سے زیادہ قریب ہے۔ ہمیں اشراق، تجلّی، وحدت، کثرت وغیرہ قسم کی اصطلاحات کی کوئی ایسی تاویل نہ کرنا چاہیے جس سے ذاتِ واحد کی وحدت ختم ہو جائے یا اس کا وجود کثرت میں تبدیل ہو جائے یا اس کے ماسوا کوئی اور شے موجود بالذّات بن جائے۔ ابن عربی کے نزدیک اقلیمِ ہستی ایک دائرے کی صورت میں ہے، جو اسی نقطے پر ختم ہوتا ہے جس سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے برعکس نوافلاطونیوں کے ہاں ہستی ایک خطِ مستقیم میں حرکت کرتی ہے۔ جس کا نقطۂ انتہا اس کے نقطۂ ابتدا سے کبھی نہیں ملتا۔

کلامِ الٰہی (الکلمۃ): ابن عربی پہلے مسلمان مُفکّر ہیں جنھوں نے ''الکلمۃ'' (کلامِ الٰہی the Logos) اور ''انسانِ کامل'' کے بارے میں ایک مکمّل نظریہ پیش کیا۔ فُصُوص الحِکَم اور التَّدْبِیرات الالٰہِیۃ کا مرکزی موضوع یہی ہے، اگرچہ فتوحات اور ان کی دیگر تصانیف میں بھی اس کے بعض پہلو معرض بحث میں آ گئے ہیں۔ مابعد الطبیعی نقطۂ نظر سے کلام الٰہی کائنات میں ایک معقول اور زندہ اصل ہے؛ یعنی وہ کسی حد تک رواقیوں کی عقلِ کُلّ کے مماثل ہے، جو تمام اشیا میں جلوہ گر ہے۔ اسے ابن عربی حَقِیْقَۃُ الحقائق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ متصوّفانہ اور روحانی نقطۂ نظر سے وہ اسے الحَقِیْقَۃ المُحمّدیّہ کا مرادف قرار دیتے ہیں، جس کی اعلٰی ترین اور مکمّل ترین تجلّی ان تمام انسانوں میں ملتی ہے جنھیں ہم انسانِ کامل کے زمرے میں شمار کرتے ہیں، جس میں تمام انبیا اور اولیا، اور خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم شامل ہیں۔ انسانِ کامل وہ آئینہ ہے جس میں تمام اسرارِ الٰہیہ منعکس ہوتے ہیں اور وہ واحد تخلیق ہے جس میں تمام صفاتِ الٰہیہ ظاہر ہوتی ہیں۔ انسانِ کامل خلاصۂ کائنات (عالم اصغر) ہے، اس زمین پر خدا کا نائب ہے، اور وہ واحد ہستی ہے جسے خدا کی صورت میں بنایا گیا۔

مآخذ: (۱) ابن العربی: الفتوحات المکیۃ، قاہرہ ۱۲۹۳ھ؛ (۲) وہی مصنّف: فُصُوص الحِکَم، مع حواشی، طبع عفیفی (A. E. Affifi)، قاہرہ ۱۹۴۶ء؛ (۳) وہی مصنّف: اِنْشاء الدَّوائِر؛ (۴) وہی مصنّف: التَّدْبِیرات الالٰہِیۃ؛ (۵) وہی مصنّف: عُقْلَۃ المُسْتَوفِز، طبع Nyberg، بعنوان *Kleiner schriften des Ibn 'Arabi*؛ (۶) وہی مصنّف: ترجمان الاشواق، متن مع ترجمہ از R. A. Nicholson، لنڈن ۱۹۱۱ء؛ (۷) الضبی: بُغْیَۃ المُلْتَمِس، طبع کودیرا (Codera)؛ (۸) ابن الابّار: التکملۃ، طبع کودیرا؛ (۹) ابن بشکوال: الصلۃ؛ (۱۰) المقّری: نفح الطِّیب، طبع ڈوزی (Dozy)، ۱: ۵۶۷-۵۸۳؛ (۱۱) الشعرانی: طبقات الصُّوفیۃ؛ (۱۲) وہی مصنّف: الیواقیت و الجواہر، قاہرہ ۱۳۰۶ھ، ص ۶-۱۴؛ (۱۳) ابن شاکر: فَوات الوَفَیات، [۲: ۲۴۱]؛ (۱۴) ابن العماد: شَذَرات الذَّھَب، قاہرہ ۱۳۵۰ھ؛ (۱۵) جامی: نَفَحات الأُنس؛ (۱۶) سبط بن الجوزی: مرآۃ، طبع Jewett، ص ۴۸۷؛ (۱۷) عفیفی (A. E. Affifi): *The Mystical Philosophy of Mohyid-Din*، کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۳۹ء؛ (۱۸) A. Palacios: *Abenmasarra*؛ (۱۹) وہی مصنّف: *Psicologia segum Mohidin Abenarabi*، در *Acts of the 14th Oriental Congress*، الجزائر ۱۹۰۵ء؛ (۲۰) Hammer- Purgstall: *Literaturgeschichte d. Araber*، ۷: ۴۲۲ بعد؛ (۲۱) von Kremer: *Gesch. der herrsch. Ideen des Islams*، ص ۱۰۲ بعد؛ (۲۲) گولٹ تسیہر (Goldziher): *Vorlesungen*، ۱۷۱ بعد؛ (۲۳) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۴۱ بعد و تکملہ، ۱: ۶۹۵، ۷۸۵، ۷۹۰: ۷؛] (۲۴) الخوانساری: روضات الجنات، ۱: ۱۹۳؛ (۲۵) جلاء العینین، ص ۴۳؛ (۲۶) مفتاح السعادۃ، ۱: ۱۸۷؛ (۲۷) جذوۃ المقتبس، ص ۱۷۵؛ (۲۸) عبدالباقی سرور: محی الدّین ابن عربی؛ (۲۹) مولانا اشرف علی تھانوی: تنبیہ الظربی فی تنزیہ ابن العربی، تھانہ بھون ۱۳۴۶ھ].

(ابوالعلاء عفیفی A. E. AFFIFI)

ابن عساکر: کئی عرب مصنّفین کا نام، جن میں سے مندرجۂ ذیل زیادہ معروف ہیں: ⊗*

۱- مؤرّخ دمشق، علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ ابوالقاسم ثقۃ الدّین الشافعی، دمشق میں محرّم ۴۹۹ھ/ستمبر ۱۱۰۵ء میں پیدا ہوا، بغداد اور ایران کے بڑے بڑے شہروں میں تحصیلِ علم کی، اپنے آبائی شہر، یعنی دمشق کے المدرسۃ النّوریہ میں مدرّس رہا اور وہیں ۱۱ رجب ۵۷۱ھ/۲۵ جنوری ۱۱۷۶ء کو وفات پائی۔ اس کے رفقا میں الانساب کا مصنّف السمعانی (م ۵۶۲ھ) بھی تھا۔ اس نے اپنی سب سے بڑی کتاب تأریخ مدینۃ دمشق میں، جو الخطیب البغدادی کی تالیف تأریخ بغداد کے تتبّع میں لکھی گئی تھی، ان سب اشخاص کے سوانح حیات جمع کر دیے ہیں جن کا کبھی دمشق سے تعلّق رہا تھا۔ اصل کتاب کی اسّی جلدوں میں سے صرف چند ایک ہی باقی ہیں (جلد اوّل و دوم ۱۳۲۹-۱۳۳۰ھ میں دمشق میں طبع ہوئیں؛ جلد اوّل، طبع صلاح الدّین المنجد، دمشق ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء)۔ ان جلدوں کے علاوہ جن کا تذکرہ بروکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۳۱ میں آیا ہے، کچھ اور جلدیں بھی ہیں، مثلاً (۱) Strassburg میں (دیکھیے *ZDMG*، ۴۰: ۳۱۰)؛ (۲) استانبول میں (داماد ابراہیم پاشا، شمارہ ۸۷۲-۸۸۲، عاطف آفندی، شمارہ ۱۸۱۲-۱۸۱۹)؛ (۳) قاہرہ میں (فہرست الکتب المحفوظۃ بالکتب خانۃ الخدیویۃ، ۵: ۲۵)؛ (۴) دمشق میں (دیکھیے حبیب الزیات: خزائن الکتب فی

دمشق و ضواحیھا، ص ۷۵ ببعد، قب Horovitz، در *Mitt. d. sem. f. or. spr.*، ۱۰: ۵۰ ببعد)؛ (۵) تونس میں زیتونہ (Houdas-Basset، شمارہ ۶۵)؛ نیز قب اقتباس از اسمعیل ابن محمد جراح العَجْلُونی (م ۱۱۶۲ھ/ ۱۷۴۹ء)، در Tübingen، دیکھیے Seybold : *Verzeichnis*، شمارہ ۶، قب Sauvaire: *Histoire de Damas*، در *JA*، ۱۸۹۴ - ۱۸۹۶ء۔ تأریخ دمشق کی بسبب ضخامت متعدّد لوگوں نے تلخیص کی، مثلاً: ابوشامہ (م ۶۶۵ھ)؛ ابن عبدالدّائم المقدسی (م ۶۸۰ھ)، جس کا نام فاکیة المجالس و فکاھة المجالس ہے؛ ابن المُکَرَّم (م ۷۱۱ھ)؛ العَینی (م ۸۷۹ھ)؛ السُّیوطی (م ۹۱۱ھ)، جس کا نام اس نے تحفة المذاکر المنتقی من تأریخ ابن عساکر رکھا تھا۔ متأخِّرین میں سے بدران عبدالقادر (م ۱۹۲۷ء) نے تھذیب تأریخ ابن عساکر کے نام سے ایک تلخیص شائع کرنا شروع کی تھی۔ ۱۳۲۹ - ۱۳۳۲ھ تک وہ دمشق سے اس کی پانچ ہی جلدیں شائع کر سکا تھا کہ اس کی وفات ہوگئی، لیکن وہ کتاب کی تھذیب مکمّل کر چکا تھا؛ چنانچہ المکتبة العربیة دمشق نے ۱۳۴۹ھ میں اس کی طباعت چھٹی جلد سے پھر شروع کر دی۔ ۱۳۵۱ھ میں اس کی ساتویں جلد شائع ہو چکی تھی۔ تأریخ دمشق پر ''ذیل'' بھی لکھے گئے ہیں، مثلاً ان کے بیٹے ابوالقاسم کے قلم سے، جو مکمّل نہیں ہو سکا؛ علاوہ ازیں صدر الدّین البکری عمر بن الحاجب، البزاری اور ابویعلٰی کے ذیول ہیں۔

اس کی دوسری تصنیفات کے علاوہ جن کا ذکر براکلمان نے کیا ہے، ایک المعجم بھی قابلِ ذکر ہے، جس میں مشہور و معروف شخصیتوں، بالخصوص شوافع، کا تذکرہ ہے اور جس کے ساتھ کتاب الوھم کے نام سے محمد بن عبدالواحد المقدسی (م ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء) کا لکھا ہوا ایک تتمّہ بھی ہے۔ موزۂ بریطانیہ، Or. 77 (دیکھیے *Descriptive list of the Arab. Mss. acquired by the Trustees since 1894*، لنڈن ۱۹۱۲ء، ص ۳۵)۔ اس کی کتاب امالی کے کچھ اجزا دمشق میں موجود ہیں (الزیّات: کتاب مذکور، ص ۲۹، شمارہ ۵)۔ اس کی اہمّ تصنیف تبیین کتاب المفتری فیما نسب الی الامام حسن العسکری کے کچھ اجزا لائڈن سے شائع ہو چکے ہیں، طبع مہرن (Mehren)؛ اسی طرح کشف المُغطّی فی فضل الموطّا بھی چھپ چکی ہے۔

مآخذ: (۱) یاقوت: ارشاد الاریب، طبع مرجلیوث (Margoliouth)، ۵: ۱۳۹-۱۴۶؛ (۲) ابن خَلّکان، بولاق ۱۲۹۹ھ، شمارہ ۴۱۴؛ (۳) السبکی: طبقات الشافعیة الکبری، ۴: ۲۷۳-۲۷۷؛ (۴) *Liber classium Virorum, auct. Dahabio*، طبع وُسْٹِنْفِلْٹ (Wüstenfeld)، Gottingae ۱۸۳۳-۱۸۳۴ء، ۱۴: ۱۶؛ (۵) وُسْٹِنْفِلْٹ: *Die Geschichtschreiber der Araber*، شمارہ ۲۶۷؛ [(۶) ابن العماد: شذرات الذھب، ۴: ۲۳۹؛ (۷) ذھبی: طبقات الحُفّاظ، ۴: ۱۲۲؛ (۸) وہی مصنّف: دُوَل الاسلام، ۲: ۶۳؛ (۹) ابن الجوزی: المُنْتَظم، ۱۰: ۲۶۱؛ (۱۰) ابوالفداء: تأریخ؛ (۱۱) الصّفدی: الوافی بالوفیات؛ (۱۲) مفتاح السعادة، ۱: ۲۱۱؛ (۱۳) ابن کثیر: البدایة، ۱۲: ۲۹۴؛ (۱۴) ابن الوردی، ۲: ۸۷؛ (۱۵) النُّعیمی: تنبیه الطالب؛ (۱۶) تذکرة الزمان، ۸: ۳۳۶؛ (۱۷) دیباچۂ تأریخ مدینة دمشق، طبع صلاح الدّین المنجد، از محمد کرد علی، ص ھ تا ک، ۵-۵۵؛ (۱۸) براکلمان، ۱: ۳۳۱ و تکملہ، ۱: ۵۶۶؛ (۱۹) البستانی، بطرس: دائرة المعارف، ۱: ۶۰۳؛ (۲۰) حسام الدّین القدسی: مقدمۂ تبیین المفتری، مطبوعہ ۱۳۴۷ھ].

۲- اس کا بیٹا، القاسم ۵۲۷ھ/ ۱۱۳۲ء میں پیدا اور ۶۰۰ھ/ ۱۲۰۳ء میں فوت ہوا۔ علاوہ دوسری تصنیفات کے اس نے الجامع المستقصٰی فی فضائل المسجد الاقصٰی بھی لکھی، جو ابن [الفرکاح] کی کتاب باعث النفوس کے دو بڑے مآخذ میں سے ایک ہے، قب السبکی: طبقات الشافعیة، ۵: ۱۴۸.

(براکلمان C. BROCKELMANN و عبدالمنّان عمر)

----

* **ابن العَسّال:** تیرھویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں قبطیوں کے ہاں مذہبی اور علمی دونوں پہلوؤں سے جو بیداری نمایاں طور پر پیدا ہوئی اس نے بتقاضاے حالات ایک عربی شکل اختیار کر لی۔ اس تحریک میں تین بھائی، جو اولاد العَسّال کہلاتے ہیں، پیش پیش تھے۔ ان القاب کو دیکھتے ہوے، جو ان کے باپ کو مخطوطات میں دیے گئے ہیں، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک صاحبِ حیثیت انسان اور ایک اچھے خاندان کا رکن تھا، بلکہ اس سلسلے میں ایک ''دار''، یعنی عالی شان مکان، کا ذکر بھی ملتا ہے، جو قاہرہ کے ایک شخص ابن العسّال کی ملکیت تھا۔ سوءِ اتفاق سے مخطوطات میں یہ نام (ابن العسّال) سب بھائیوں کے لیے یکساں طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اس طرح جو التباس پیدا ہوا اسے سب سے پہلے Rieu (*Suppl. to Cat. of Arab. Mss. in Brit. Museum*، ص ۱۸) اور Alexis Mallon (*JA*، نومبر - دسمبر ۱۹۰۵ء، ص ۵۰۹ ببعد) نے بڑی حد تک دور کر دیا ہے۔ بایں ہمہ کچھ باتیں ابھی تک تحقیق طلب ہیں۔ ان بھائیوں میں سے [الفاضل الحکیم الاسعد] ابوالفرج ھبة اللہ مشہور نحوی اور مفسّر تھا۔ اس نے قبطی زبان کی صرف و نحو پر ایک کتاب عربی میں لکھی ہے (Mallon: *Une École de savants égyptiens au Moyen Age*، در *Melanges*، بیروت، ۱: ۲۲۱ ببعد) اور انجیل کے ایک منتخب عربی نسخے کو بھی طبع کیا، جس میں اپنے آپ کو الکاتب المصری کے نام سے موسوم کرتا ہے (Guidi: *Le traduzioni degli Evangelii in arabo e in etiopico*؛ D. B. Macdonald: *Ibn al-ʿAssāl's Arabic version of the Gospels*، در *Homenaje á Codera*، ص ۳۷۵ ببعد، جس میں متن اور دیباچے کا ترجمہ بھی موجود ہے؛ اسی طرح اس نے رسائل پولس (Epistles of Paul) کا ایک مقدمہ بھی لکھا (de Geoje، در *Cat. Cod. Orient.*، لائڈن ۵: ۸۳)۔ الصفی [الشیخ الفاضل] ابوالفضائل [اسعد] نامی ایک اور بھائی قوانین کلیسا کا ماہر تھا اور مناظروں میں حصّہ لیا کرتا تھا۔ دینیات

پر متعدّد رسائل لکھنے کے علاوہ اس نے ان قوانین کا ایک مختصر مجموعہ [بعنوان المجموع الصفوی فی القوانین (الی) قوانین الکنیسیة] بھی مرتّب کیا، جنھیں ۱۲۳۹ء میں حارۃ زُوَیلہ کے کلیسا واقع قاہرہ میں منعقدہ قبطی مجلسِ علما نے وضع کیا تھا (Renaudof: *Hist. Patr. Alex.*، ص ۵۸۵ ببعد)۔ تیسرا بھائی [مؤتمن الدولہ] ابو اسحٰق بظاہر سب سے چھوٹا تھا۔ وہ اپنے دونوں بھائیوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے جیسے وہ پہلے ہی سے مشہور و معروف تھے، بلکہ ایک جگہ تو ان کے ناموں کے ساتھ اس نے دعائیہ جملے "رحمهما اللّٰه" کا اضافہ بھی کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فوت ہو چکے تھے۔ بظاہر وہ کسی سرکاری عہدے پر مامور تھا۔ کیونکہ اسے المؤتمن اَور مؤتمن الدولة والدّین المسیحی لکھا جاتا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ اہم تصنیف سُلّم [السُلّم المقفّی و ذهب کلامة المصفّی]، یعنی ایک قبطی۔عربی فرہنگ ہے، جس میں وہ الفاظ درج ہیں جو مسیحی عبادات (liturgical works) میں مستعمل ہوتے ہیں اور جنھیں ردیف وار ترتیب دیا گیا ہے۔ ۱۶۴۳ء میں Kircher نے یہ فرہنگ اپنی تصنیف *Lingua aegyptica restituta* کے صفحات ۲۷۳۔۴۹۳ پر شائع کی اور اس کا مقدمہ متن اَور ترجمے کے ساتھ Mallon نے اپنی کتاب *École des savants égyptiens*، در *Melanges*، بیروت، ۲: ۲۱۴ ببعد، میں درج کیا ہے۔ Rieu نے موزۂ بریطانیہ کے مخطوطے، شمارہ Or.۱۳۳۱، کی سند پر اس سے کلیسا کے آئین و قوانین کا ایک عام مجموعہ "پیغمبروں کے ارشادات سے لے کر شہنشاہوں کے قوانین تک" بھی منسوب کیا ہے۔ اس کی تکمیل ۱۲۳۸ء میں ہوئی۔ ۱۸۹۵ء میں Gommos Mīchā'il نے وہ خطبات شائع کیے جو اس سے منسوب کیے جاتے ہیں اور ۱۹۰۶ء میں اصول الدّین سے ماخوذ کچھ رسالے، جنھیں بعض مخطوطات میں اس سے منسوب کیا گیا ہے، شیخو (Louis Cheikho) نے اپنی تصنیف *Seize traités théologiques* (ص ۱۱۰ ببعد) میں شائع کیے، لیکن انھیں یہاں ابو الفرج کی تصنیف ٹھیرایا گیا ہے، جیسے گوموز (Gommos) کے نزدیک مذکورۂ بالا خطبات کا مصنّف الصّفی ہے۔ اس اشتباہ کے علاوہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ان بھائیوں کی پیدائش اور موت کی صحیح تاریخیں کیا ہیں۔ گوموز (Gommos) نے جو خطبات شائع کیے ہیں ان کے متعلّق اس کا دعوٰی یہ ہے کہ وہ مصنّف کے ایک خود نوشت نسخے، مؤرّخہ ۱۲۱۴ء، سے منقول ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب سے چھوٹے بھائی کی تصنیف نہیں ہیں۔

مآخذ: مآخذ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ سب سے اہم حوالے Alexis Mallon کے ہیں۔

(D. B. MACDONALD میکڈونلڈ)

---

* **ابن عَسْکَر**: محمد بن علی بن عمر بن حسین ابن مصباح، الھِبط میں، جو شمالی مراکش کے ضلع قصر الصغیر میں واقع ہے، پیدا ہوا [براکلمان (Brockelmann) کے نزدیک صفصوان میں]۔ اسے شہرت حاصل ہوئی تو اس لیے کہ وہ ایک کتاب دوحة الناشر لمحاسن من کان من المغرب من اهل القرن العاشر کا مصنّف ہے، جو ۱۵۷۵ء کے قریب مرتّب کی گئی اور مجموعہ ہے ان علما و اولیا کی سِیَر کا جن سے وہ ذاتی طور پر واقف تھا یا کسی دوسرے کی وساطت سے متعارف ہوا۔ [براکلمان کہتا ہے کہ اس کا تعلّق ادریسیہ کی ایک شاخ سے تھا]۔ نوجوانی میں مملکت جبالہ کی سیر و سیاحت کرتا رہا، پھر کچھ دنوں طیطوان اور فاس میں مقیم رہا اور شاید یہی امر علما اور اولیا سے اس کی شناسائی کا موجب ہوا۔ وہ شاید قصر کتامہ کا قاضی اَور مفتی مقرّر کیا جاتا، لیکن اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور اس نے ایک بار پھر سیر و سیاحت شروع کر دی۔ یہ ۱۵۶۲ء کا واقعہ ہے۔ ۱۵۶۷ء میں اسے پھر اپنے آبائی شہر میں قضا کا منصب مل جاتا، لیکن وہ فاس میں سکونت پذیر ہو گیا، جہاں ۱۵۷۳ء میں حسنی شریف محمد بن علی نے اسے قاضی القضاۃ مقرّر کر دیا۔ محمد بن علی حسنی شریف عبداللہ الغالب کا بیٹا تھا اور اس کے چچا عبدالملک کے نزدیک خلافِ دستور تخت نشین ہوا تھا؛ چنانچہ عبدالملک نے محمد کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ ابن عَسْکَر نے اپنے آقا محمد ابن علی کا ساتھ دیا اور اس کے ساتھ پرتگال چلا گیا تاکہ ڈوم سبسٹیان (Dom Sebastian) سے کمک طلب کرے۔ مراکش میں واپسی پر دونوں دعویداروں کے درمیان قصر الکبیر کے نواح میں بمقام وادیِ المخازن ایک شدید معرکہ ہوا، جس میں ڈوم، محمد ابن علی اور ابن عسکر سب مارے گئے، حتّٰی کہ عبدالملک بھی، جو ابتداے جنگ ہی میں ناوکِ اجل کا شکار ہو گیا تھا (اگست ۱۵۷۸ء الاُفرانی: نزهة الحادی، طبع Houdas، ص ۷۳ ببعد)۔ دوحة کا سلسلہ الاُفرانی نے اپنی کتاب بعنوان صفوة من انتشر من اخبار صلحاء القرن الحادی عشر [کذا فی الاصل، صحیح نام بظاہر: صفوة ما انتشر من اخبار الخ ہے] میں جاری رکھا (فاس، بلا تاریخ، نیز قب نشر المثانی، از محمد بن الطیب)؛ دوحة بہ چاپ سنگی ۱۸۹۱ء میں فاس میں چھپی اور نشر المثانی ۱۸۹۲ء میں۔

مآخذ: (۱) *La "Dauhat an-Nachir"*، ترجمہ از A. Graulle: *Archives Marocaines*، ج ۱۹ (۱۹۱۳ء)؛ [(۲) براکلمان: تکملہ، ۲: ۶۷۷۔۶۷۸ اور حوالے؛ (۳) سرکیس: معجم المطبوعات، ص ۱۸۴]۔

(T. H. WEIR)

---

* **ابن عطاء اللہ**: احمد بن محمد ابو الفضل تاج الدّین الاسکندری الشاذلی [المالکی اور شاید شافعی المذہب]، ایک عرب صوفی، جو ابن تیمیہ [رک بآن] کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھا اور جس نے بتاریخ ۱۶ جمادی الاُخرٰی ۷۰۹ھ/۲۱ نومبر ۱۳۰۹ء کو قاہرہ کے مدرسے المنصوریہ میں وفات پائی۔ [اس کا مزار قبرستان قرافہ میں ہے۔ ابن عطاء اللہ نے تفسیر، حدیث، نحو اور اصول میں درجۂ فضیلت کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی کمال پیدا کیا۔ ابتدا میں وہ صوفیہ سے دور دور رہتا

تھا، مگر پھر شیخ الشیوخ ابو العباس المرسی کی صحبت نے اسے تصوّف کے رنگ میں رنگ دیا۔ اس نے قاہرہ میں سکونت اختیار کر لی اور پھر وہیں الازہر میں حلقۂ درس قائم کیا۔ اس کا کلام بڑا پُر اثر تھا، دلوں میں گھر کرتا اور اقوال و آثار سے پُر ہوتا۔ حلقۂ ارادت بڑا وسیع تھا۔ تصنیفات میں اسرار و معارف اور رموزِ علم و حکمت نظم و نثر دونوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے جیسا کہ براکلمان (Brockelmann) نے بیان کیا ہے (۲: ۱۱۷ - ۱۱۸) مندرجۂ ذیل چھپ چکی ہیں: (۱) الحکم العطائیه، مع شرح از محمد بن ابراہیم ابن عبّاد النفزی الراوندی (م ۷۹۲ھ/ ۱۳۹۴ء)، بولاق ۱۲۸۵ھ، قاہرہ ۱۳۰۳ و ۱۳۰۶ھ (مع شرح عبداللہ الشّرقاوی، حواشی پر)۔ المحکم فی شرح الحکم کے نام سے اس کی ایک ترکی شرح بھی موجود ہے، از ماہر قسطمونیلی حافظ احمد، استانبول ۱۳۲۳ھ۔ Snouck Hurgronje نے ملائی زبان میں کسی گمنام مصنّف کی چھپی ہوئی ایک شرح کا ذکر بھی کیا ہے (*Mekka*، ۲: ۳۸۷)؛ (۲) تاج العروس و قمع النفوس (یا الحاوی لتهذیب النفوس)، قاہرہ ۱۲۷۵ھ، ۱۲۸۲ھ، ۱۳۰۵، ۱۳۲۷ھ؛ (۳) لطائف المنن فی مناقب الشیخ ابی العباس و شیخه ابی الحسن، صوفی بزرگ شہاب الدّین احمد المرسی، (م ۶۸۶ھ/ ۱۲۸۷ء) اور ان کے معلّم تقی الدّین علی بن عبداللہ الشّاذلی (م ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء) کے سوانح حیات، مطبوعۂ تونس ۱۳۰۴ھ، چاپ سنگی قاہرہ ۱۲۷۷ھ، مع مفتاح الفلاح و مصباح الارواح، جو الشّعرانی کی لطائف المنن، قاہرہ ۱۳۲۱ھ، کے حاشیے پر درج ہے؛ [(۴) التنویر فی اسقاط التدبیر، ۱۳۲۱ھ میں تاج العروس کے حاشیے پر مصر میں طبع ہوئی]۔

مآخذ: (۱) السّبکی: طبقات الشافعیة الکبری، ۵: ۱۷۶؛ (۲) السیوطی: حسن المحاضرة، ۱: ۳۰۱؛ (۳) علی پاشا مبارک: الخِطَط الجدیدة، ۷: ۷۰؛ (۴) وستنفلٹ (Wüstenfeld): *Die Geschichtschreiber der Araber*، عدد ۳۸۲؛ [(۵) شذرات الذهب، ۱۳۵۱ھ، ۶: ۱۹-۲۰ (بحوالۂ ابن حجر: الدُّرر الکامنة)؛ (۶) سرکیس: معجم المطبوعات، ۱۹۲۸ء، ص ۱۸۴]۔

(براکلمان C. BROCKELMANN)

⊗ **ابن العلقمی:** مؤیّد الدّین ابو طالب محمد بن احمد بن محمد (یا محمد بن محمد) بن علی الاسدی البغدادی، بنو عبّاس کا آخری وزیر، جو ۵۹۳ھ/ ۱۱۹۷ء میں پیدا ہوا اور جمادی الاُخرٰی (جمادی الاولٰی، قب ابن الطِّقطَقی) ۶۵۶ھ/ جون (مئی) ۱۲۵۸ء کو فوت ہو گیا۔ الصَّفدی نے تاریخ پیدائش ربیع الاوّل ۵۹۱ھ دی ہے۔ اس کا یہ بیان دوسرے مآخذ کے خلاف ہے اور ابن کثیر کی اس روایت سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے کہ وفات کے وقت، جو بالاتّفاق ۶۵۶ھ میں ہوئی، اس کی عمر ۶۳ سال تھی۔ T. H. Weir نے آ، لائڈن، طبع اوّل (۲: ۳۶۰) میں اس کا سالِ وفات جمادی الاولٰی ۶۵۵ھ/ ۱۲۵۷ء دیا ہے، لیکن یہ طباعت کی غلطی ہے۔ اسی کتاب کے فرانسیسی ایڈیشن میں یہ غلطی نظر نہیں آتی، وہاں سالِ وفات جمادی الاولٰی ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء درج ہے۔

ابن العلقمی مذہبًا شیعہ تھا۔ پہلے وہ عبّاسی خلیفہ المستنصر باللہ [رک بآں] کے عہدِ خلافت (۶۲۳-۶۴۰ھ/ ۱۲۲۶-۱۲۴۲ء) میں شمس الدّین ابن النّاقد کی معزولی کے بعد "استاد دار" مقرّر رہا، پھر المستعصم باللہ [رک بآں] نے اپنے عہدِ خلافت میں نصیر الدّین ابن النّاقد کی وفات کے بعد اسے ۶۴۲ھ/ ۱۲۴۴ء میں قلمدانِ وزارت سونپ دیا۔ وہ چودہ سال اسی منصب پر متمکّن رہا، تا آنکہ مغلوں کے سیلاب نے خلافت بنو عبّاس ہی کا خاتمہ کر دیا۔

کہا جاتا ہے ہلاگو کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی دعوت ابن العلقمی ہی نے دی تھی؛ چنانچہ اس نے اس غرض سے اپنے بھائی اور ایک مملوک کو ہلاگو کے پاس بھیجا اور صاحبِ موصل الملک الرحیم بدر الدّین لؤلؤ (م ۶۵۷ھ/ ۱۲۵۹ء) کے خطوط، جن میں تاتاری سیلاب کے لحظہ بہ لحظہ بڑھنے کی خبریں دی جاتی تھیں، خلیفہ تک نہیں پہنچنے دیے۔ اس عظیم سازش کا ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ خلیفہ کے منظورِ نظر "دوادار" [دوات دار] سے اس کے اختلافات تھے اور اس لیے اسے اپنا اقتدار متزلزل ہوتا نظر آ رہا تھا۔ [علاوہ ازیں بغداد کے محلّۂ کرخ میں جب شیعہ سنّی فساد ہوا تو حکومت نے اس میں شیعوں کو سختی سے دبا دیا، بلکہ سادات کی بے حرمتی بھی کی تھی۔ اس بات کا بھی ابن علقمی کو شدید رنج تھا اور اس لیے ممکن ہے نصیر الدّین طوسی کی طرح وہ بھی خلافت کے زوال اور مغلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر پہلے ہی ہلاگو سے مل گیا ہو، جیسا کہ عباس اقبال (تاریخ مفصل ایران) کا خیال ہے، گو اس امر کی کوئی قطعی شہادت موجود نہیں]۔ بہر حال وہ مغلوں کو بلا تو بیٹھا، لیکن جلد ہی افسوس و ندامت نے اسے گھیر لیا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا، پانی سر سے گزر چکا تھا؛ چنانچہ وہ اکثر کہا کرتا تھا: "جَرَی القَضَاءُ لعَکْسِ مَا اَمَّلْتُهٗ"۔ قضا و قدر کے فیصلے میری آرزوؤں کے خلاف جاری ہوئے۔" بغداد پر قبضے کے بعد ہلاگو نے شہر کا انتظام ابن العلقمی کے سپرد کر دیا؛ چنانچہ اس کی کوششوں سے شہر کی حالت جلد ہی سنبھل گئی، گو اس عظیم نقصان کی تلافی ناممکن تھی جو مغلوں کے ہاتھوں بغداد کو پہنچا تھا۔ بہر حال جلد ہی اس کا اقتدار ختم ہو گیا۔ رنج و ندامت نے اس کی زندگی کے دن مختصر کر دیے تھے اور وہ چند ہی مہینوں کے اندر فوت ہو گیا۔ ہلاگو نے اس کے بیٹے کو اس کا جانشین بنایا۔

بغداد پر ہلاگو کی حملہ آوری کے جو واقعات ابن الطقطقی نے الفخری میں لکھے ہیں ان میں وہ ابن العلقمی کو مغلوں کے حملے کے سلسلے میں متہم نہیں کرتا، بلکہ بڑے زوردار الفاظ میں اس کی تعریف کرتا ہے۔ [یہ صرف وصّاف ہے، جس نے بڑے شدّ و مد سے اس پر المستعصم سے غدّاری کا الزام عائد کیا ہے؛ لیکن وصّاف کی شہادت معاصرانہ نہیں۔ طوسی اور جوینی اس بارے میں بالکل خاموش ہیں، حالانکہ وہ اس کے ہم عصر تھے۔ بعد کے مؤرّخین بھی اس مسئلے کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکے۔ بدقسمتی سے اس سارے مسئلے نے شیعہ سنّی نزاع کی شکل اختیار کر لی ہے، جس سے اصل حقیقت کا پتا نہیں چلتا]۔

ابن العلقمی عالم، فاضل، [شعر وانشا میں بے نظیر،] نامور ادیب اَور کتابوں کا عاشق تھا۔ اس کے بیٹے شرف الدین ابوالقاسم کی روایت ہے کہ اس کے کتب خانے میں دس ہزار کتابیں موجود تھیں۔ [اس نے ہمیشہ اہلِ علم کی سرپرستی کی۔ حسنِ انتظام اور تدبیرِ مملکت میں بھی اسے درجۂ کمال حاصل تھا اور اسی لیے اپنے ہم چشموں کا محسود بھی تھا]۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ اسی کے کہنے سے لکھی تھی۔ الصّغانی کی العباب کی تحریر بھی اس کی نوازشات کی رہینِ منّت ہے۔

العلقمی دراصل اس وزیر کے دادا کا لقب تھا، اس لیے کہ خلیفہ کے احکام کی تعمیل میں دریاے فرات کی مغربی سمت میں العلقمی [رکّ بآن] نام کی نہر اسی نے تیار کرائی تھی۔

مآخذ: (۱) ابن الطِقطَقی: الفخری فی الآداب السلطانیۃ والدول الاسلامیۃ، طبع آلوارٹ (W. Ahlwardt)، ص ۳۸۳ - ۳۹۰؛ (۲) ابوالفداء، طبع ایڈلر (Adler)، ۴: ۵۵۰؛ (۳) ابن الوردی: تتمۃ المختصر فی اخبار البشر، ۲: ۲۰۱؛ (۴) ابن شاکر: فوات الوفیات، ۲: ۱۵۲؛ (۵) الیافعی: مرآۃ الجنان، ۴: ۱۴۷؛ (۶) ابن کثیر: البدایۃ و النہایۃ، ۱۳: ۲۱۲؛ (۷) الصّفدی، الوافی بالوفیات، ۱: ۱۸۴؛ (۸) ابن خلدون: العِبَر، ۵۳۶ ببعد؛ (۹) ابن الفوطی: الحوادث الجامعۃ ص ۲۰۸ - ۲۳۶؛ (۱۰) المَقریزی: السلوک، پیرس ۱۸۳۷ء، ۱: ۳۲۰ - ۴۰۰؛ (۱۱) الدیاربکری: تأریخ الخمیس، ۲: ۲۷۷؛ (۱۲) قرہ مانی: اخبار الدول و آثار الاول ص ۱۸۰ ببعد؛ (۱۳) ابن العماد: شذرات الذہب، ۵: ۲۷۰؛ [(۱۴) وصّاف: منتخب التواریخ؛ (۱۵) Sykes: *History of Persia*؛ (۱۶) امیر علی: *A Short History of the Saracens*؛ (۱۷) عباس اقبال: تاریخ مفصل ایران]۔

(عبدالمنّان عمر [و سید نذیر نیازی])

---

* **ابن عمّار:** ابوبکر محمد [عصامی]، اندلس کا عرب شاعر، جو اگرچہ مجہول النسب، لیکن شائستہ و مہذّب انسان تھا اور پانچویں صدی ہجری/گیارھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ ابتدا میں اس نے اپنی زندگی ادھر ادھر سفر کرنے میں گزاری اور جو کوئی بھی اسے صلہ دینے پر آمادہ نظر آیا اس کی مدح سرائی کرتا رہا۔ آخر کار اس کی ملاقات امیر اشبیلیہ المعتضد کے بیٹے المعتمد، حاکم شلب (Silves) سے ہوئی، جس پر یہ نوجوان شہزادہ اس آوارہ و سرگرداں شاعر پر مہربان ہوگیا اور اس نے اسے اپنا مقرّب اور منظورِ نظر بنا لیا۔ ابن عمّار جتنا مفلس اور قلّاش تھا اتنا ہی جاہ طلب اور ذہین بھی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اپنے آقا کی خواہشات کو کس طرح ہوا دینا چاہیے۔ وہ اپنے مربّی کی عیش کوشیوں میں نہ صرف اس کا شریک ہوتا بلکہ اس معاملے میں اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا؛ لیکن ان رنگ رلیوں کی رسوا کن افواہیں جب امیر اشبیلیہ کے کانوں تک پہنچیں تو اس نے ابن عمّار کو جلا وطن کر دیا۔ بایں ہمہ المعتمد نے اسے فراموش نہیں کیا، چنانچہ المعتضد کی وفات کے بعد جب وہ تخت و تاج کا وارث ہوا تو اس نے ابن عمّار کو جلا وطنی سے واپس بلایا اور وزیر کی حیثیت سے ایک عہدہ اس کے سپرد کر دیا۔

لیکن المعتمد کے دربار میں اس شاعر کی جاہ طلبی نے اس کے رفیق ابن زیدون کے دل میں، جو وزیر بھی تھا اور شاعر بھی، رقابت کی آگ بھڑکا دی۔ قرطبہ کی فتح کے بعد جب المعتمد نے اپنے سارے دربار کے ساتھ وہیں سکونت اختیار کر لی تو ابن عمّار طرح طرح کی سازشوں سے، نیز شاہی محافظ دستے کے سردار ابن مُرتین کی مدد سے، اس امر میں کامیاب ہو گیا کہ ابن زیدون کو اشبیلیہ واپس بھجوا دے۔ ابن عمّار سمجھتا تھا کہ اب وہ دوسروں کی نگاہوں سے اور تعزیر و مؤاخذہ سے اتنا محفوظ ہے کہ اپنے ولی نعمت کے خلاف بھی سازش کر سکتا ہے؛ چنانچہ جب تسخیر مرسیہ (Murcia) کی مہمّ اس کے سپرد ہوئی اور المعتمد کی فوجوں کے بل پر اس نے شہر فتح کر لیا تو خود اس شہر کا حکمران بن بیٹھا، گو ابن رشیق نے جلد ہی اسے مرسیہ سے نکال دیا۔ اب اس نے ایک قلعے میں پناہ لی لیکن اس کے حاکم ابن مبارک نے اسے قید کر کے امیر اشبیلیہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب اسے امیر کے سامنے پیش کیا گیا تو ممکن تھا کہ وہ دوبارہ اس کا قرب حاصل کر لیتا، لیکن اس کے دشمنوں نے، جن میں ابن زیدون کا بیٹا بھی شامل تھا، اس پر ایک سازش کا الزام لگایا۔ المعتمد کو اپنے منظورِ نظر کی اس نئی غداری کا علم ہوا تو اس نے برافروختہ ہو کر اس کا سر قلم کرا دیا (۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء)۔

ابن عمّار کے اشعار، جن میں انتہائی جدّت پسندی اور فنّی مہارت پائی جاتی ہے، بظاہر کبھی دیوان کی شکل میں جمع نہیں ہوئے، لیکن کتبِ ذیل میں اس کے کلام کے بکثرت اقتباسات موجود ہیں: (۱) المراکشی: *The Hist. of the Almohades*، [المُعْجِب فی تلخیص اخبار المغرب]، ۷۷ ببعد؛ المقرّی: *Analectes*، [نفح الطیب]؛ (۳) ابن خاقان: قلائد العقیان، ۸۳ - ۹۹؛ (۴) ابن بسام (مخطوطۂ کتاب خانۂ اہلیۂ پیرس، شمارہ ۳۳۲۲) اور (۵) عماد الدّین اصفہانی (مخطوطۂ کتاب خانہ اہلیۂ پیرس، شمارہ ۳۳۳۰)۔

(A. COUR)

---

* **ابن العمّار:** (الف) ابوطالب امین الدّولہ، الحسن، طرابلس کا شیعی قاضی، جس نے پانچویں صدی ہجری کے تقریبًا وسطی زمانے میں طرابلس کے فاطمی عامل بختیار الدّولہ ابن بزّال کی موت پر زمامِ حکومت چھین لی اور خلیفۂ مصر کی سیادت سے بھی آزاد ہوگیا۔ اس کے عہد میں طرابلس نے خوب خوب ترقی کی، حتّٰی کہ وہ سرزمین شام کا علمی مرکز بن گیا۔ کہا جاتا ہے ابن العمار نے یہاں ایک مشہور مدرسہ اور ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا، جس میں ایک لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ اس کی وفات پر جلال الملک ابوالحسن علی بن محمد بن عمّار تاج و تخت کا وارث ہوا اور ۴۹۲ھ میں اپنی وفات تک برابر اس پر متصرّف رہا اور اس کے بعد اس کا بھائی اس

کا جانشین ہوا [رکّ بہ یہی مقالہ، ب].

مآخذ: اوپر کا بیان محمد بن شدّاد (مخطوطۂ لائڈن، عدد ۱۴۶۸ (فہرست، طبع دوم، ۲:۵)، ورق ۱۰۱ ب اور النُّوَیری (مخطوطۂ پیرس، مکتبۂ اہلیہ، عدد ۱۵۷۸، ورق ۱۱۶ الف) پر مبنی ہے؛ (۲) *Matériaux pour un Corpus Inscriptionum Arabicarum*، ج ۲، کراسہ ۱: ۳۹ ببعد.

(ب) ابوعلی فخر الملک عمّار بن محمد، ۴۹۲ھ میں تخت نشین ہوا، لیکن امن و امان کا وہ دَور جس کی ابتدا اس کے پیشرووں کی بدولت ہوئی تھی دیر تک قائم نہ رہا، اس لیے کہ طرابلس ایسے دولت مند اور مرفّہ الحال شہر پر صلیبیوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ ۴۹۵ھ میں ریمنڈ سینٹ گائیلز (Raymond st. Giles) نے طرابلس پر دھاوا بول دیا اور گو وہ ادائے خراج کے عہد سے زیادہ کچھ حاصل نہ کر سکا، بایں ہمہ اس نے شہر کے بالمقابل ''تل الحجاج'' (Pilgrim's Hill) پر ایک قلعہ تعمیر کر دیا (شہر کا موجودہ قلعہ) تا کہ طرابلس کے خلاف پھر قدم اٹھا سکے۔ ابن العمّار چند سال تو کامیابی سے شہر کا دفاع کرتا رہا، لیکن ۴۹۸ھ میں جب ریمنڈ کا انتقال ہو گیا تو اس کے جانشین نے شہر کے گرد اور بھی سختی سے گھیرا ڈال دیا۔ اس پر ابن العمّار اس ارادے سے کہ اسے سلجوق سلطان سے امداد طلب کرنا چاہیے طرابلس سے بغداد روانہ ہو گیا؛ لیکن اس کی عدم موجودگی بڑی تباہ کن ثابت ہوئی [رکّ بہ مادّۂ طرابلس]۔ اہلِ شہر نے شہر کو فاطمی خلیفہ کے حوالے کر دیا، مگر خلیفہ نے بجز اس کے کچھ نہیں کیا کہ عمّار کے خزانوں، اس کے ساتھیوں اور اہل و عیال پر مستولی ہو جائے۔ یوں طرابلس اپنے جملہ وسائل اور بہترین محافظوں سے محروم ہو گیا۔ عمّار بھی، جو سلطان کو اس بات پر آمادہ نہ کر سکا کہ اس کی امداد کے لیے کوئی لشکر تیار کر دے، واپس نہیں آیا۔ برعکس اس کے وہ دمشق کے اتابک طُغتگین کی مدد سے کچھ عرصے جبلہ پر قابض رہا، لیکن ۵۰۲ھ میں طرابلس اور جبلہ دونوں افرنجیوں کے قبضے میں آ گئے۔ اس پر عمّار کچھ دنوں طغتگین کے دربار میں حاضر رہا تا آنکہ اس نے الزبدانی (وادی بردی میں) اسے بطورِ جاگیر عطا کر دیا۔ بعد ازاں وہ امیر موصل مسعود کے دربار میں شامل ہو گیا اور ۵۱۲ھ تک وہیں منصبِ وزارت پر متمکّن رہا۔

آگے چل کر عمّار نے عبّاسی خلیفہ کی ملازمت اختیار کر لی (ابن الاثیر، طبع Tornberg، ۱۰: ۳۶۵، ۳۹۹)۔ معلوم ہوتا ہے عمّار کا خاندان فاطمی خلفا کے ساتھ مغرب سے مصر آیا تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں کتامہ کے سردار الحسن ابن عمّار کا ذکر ملتا ہے، جسے مصر میں ایک اعلٰی عہدہ حاصل تھا۔ اسی خاندان کے ایک اور رکن قاضیٔ اسکندریہ کو ۲۸۷ء میں بربنائے غداری قتل کر دیا گیا۔ بنو عمّار کے عہد میں طرابلس کی خوش حالی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ جس طرح سیف الدّولہ حمدانی کے عہد میں حلب شعر و شاعری کا مرکز تھا، بعینہٖ قاضی الحسن ابن العمّار کے ماتحت طرابلس نے علم و حکمت کی مرکزیت حاصل کر لی تھی۔ قاضی فخر الملک عمّار کے ذمّے یہ مشکل کام آ پڑا تھا کہ طرابلس کو صلیبیوں کے حملے سے محفوظ رکھے، لیکن مسلمانوں میں اس وقت چونکہ نا اتفاقی پھیلی ہوئی تھی، لہٰذا ظاہر ہے وہ مستقل طور پر اس کا بچاؤ نہیں کر سکتا تھا۔

مآخذ: متن مادّہ میں دیکھیے؛ نیز قبّ *Recueil des Histor. Orientaux*، ج ۳، مطبوعۂ پیرس.

(M. SOBERNHEIM)

⊗ **ابن العمید:** دو وزیروں کا نام:

(۱) ابو الفضل محمد بن ابی عبداللہ الحسین بن محمد الکاتب، جسے دیلم کے زیدی شیعہ ابو علی الحسن رکن الدّولہ بُویہی نے ابو عبداللہ (ابن اثیر، در ابن خلّکان: ابو علی) القُمّی کی وفات کے بعد ۳۲۸ھ/ ۹۳۹-۹۴۰ء میں اپنا وزیر مقرّر کیا۔ اس وقت اس کی عمر تیس سال سے کم تھی اور اس کا باپ ابو عبداللہ الحسین بن محمد زندہ تھا۔ [آ، طبع اوّل، لائڈن، ۲: ۳۶۰، میں طباعت کی غلطی سے یہ سن ۳۸۸ھ چھپ گیا ہے، لیکن اسی کتاب کے فرانسیسی ایڈیشن میں صحیح طور پر ۳۲۸ ہی درج ہے.

ابن العمید کا باپ پہلے طبرستان کی دولت زیاریہ کے بانی مَرداویج (م ۳۲۳ھ/ ۹۳۵ء) کا وزیر تھا؛ پھر اپنی وفات تک دولت سامانیہ کا وزیر رہا۔ اس کے متعلّق ثعالبی نے لکھا ہے: ''ھو فی الرتبة الکبری من الکتابة''، یعنی انشا پردازی میں وہ ایک بلند مقام پر فائز تھا''۔ اسی نے عماد الدّولہ بُویہی کے روابط مَرداویج سے استوار کرائے اور اسے کرج کی ولایت دلوائی تھی۔

منصبِ وزارت پر فائز ہونے سے پہلے ابن العمید کی حیثیت کیا تھی؟ تاریخ کے اوراق اس پر روشنی نہیں ڈالتے، البتہ ثعالبی کے ان الفاظ سے بعض نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں: ''ولم یزل ابو الفضل فی حیاة ابیه و بعد وفاته لیتدرّج الی المعالی و یزداد علی الایام فضلًا و براعةً حتی بلغ ما بلغ و استقرّ فی الذّروة العلیا من الوزارة''، یعنی ابو الفضل نہ صرف اپنے والد کی زندگی میں بلکہ اس کے بعد بھی بتدریج ترقی کرتا رہا اور جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس کی عظمت و شان بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ وہ بلند ترین مراتب تک پہنچ گیا اور وزارت کے بامِ بلند پر اس کے قدم جم گئے''.

ابن العمید کی زندگی فہم و فراست اور سیاسی جوڑ توڑ کے ساتھ حکومت کو مستحکم کرنے، اس کے خلاف اٹھنے والی تحریک کو دبانے اور سیف و سِناں کے معرکوں میں بسر ہوئی۔ وہ رکن الدولہ بُویہی کے خلاف خراسانیوں کی یلغاروں کا مقابلہ کرتا رہا۔ ۳۴۴ھ/ ۹۵۵ء میں ابن ماکان کے مقابلے میں اس کی جرأت اور ثابت قدمی ایک مشہور واقعہ ہے۔

ابن العمید حرب و ضرب اور سیاست ہی کا ماہر نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک عالم و فاضل شخص بھی تھا۔ ادب میں اس کا مقام بڑا بلند ہے، اسی وجہ سے اسے ''جاحظِ ثانی'' کہا جاتا تھا۔ ثعالبی نے لکھا ہے: ''بُدِئت الکتابة بعبد الحمید و خُتِمَت بابن العمید''، یعنی فن انشا کا بانی عبد الحمید تھا اور اس کا خاتم

ابن العمید''۔ اسے علمِ ہندسہ، منطق، فلسفہ، مابعد الطبیعیات، علم جرِ ثقیل اور نقاشی میں بھی مہارت حاصل تھی۔ وہ خود بھی شاعر تھا اور اسے دوسرے شعرا کے ہزاروں اشعار ازبر تھے۔ اس کا اپنا ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا، جس کا مہتمم ابن مسکویہ تھا.

ابن العمید کم گو، با اخلاق، کریم النّفس اور ایک حد تک فیّاض بھی تھا۔ ایک موقع پر جب المتنبّی (م ۳۵۴ھ/ ۹۶۵ء) نے اس کے حق میں ایک قصیدۂ مدحیہ لکھا تو اس نے اسے (دو یا) تین ہزار دینار سے نوازا۔ اسی مشہور قصیدے کا پہلا شعر ہے:

بادٍ ہواک صبرت ام لم تصبرا
و بکاک ان لم یجر دمعک اوجری

المتنبّی کے علاوہ ابن نباتہ، السعدی اور دوسرے شعرا نے بھی اس کے حق میں مدحیہ قصائد کہے۔ ابن العمید کی صحت اچھی نہیں رہتی تھی، اپنے باپ کی طرح اسے نقرس کی تکلیف تھی اور کبھی کبھی قولنج کے دورے بھی پڑتے تھے۔ اس نے ۶ صفر ۳۶۰ھ/دسمبر ۹۷۰ء کو ساٹھ سال سے کچھ اوپر کی عمر میں بمقام ہمذان وفات پائی۔ بعض مآخذ میں اس کا سالِ وفات ۳۵۹ھ/ ۹۶۹ - ۹۷۰ء درج ہے، جو درست معلوم نہیں ہوتا.

ابن العمید کے اساتذہ کی فہرست نہیں ملتی، البتہ ابن ندیم نے الفہرست میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ محمد بن علی بن سعید اس کا استاد تھا۔ اس کے شاگردوں میں اس کے اپنے بیٹے ابوالفتح (۳۳۷-۳۶۶ھ) اور الصاحب بن عباد (۳۲۶- ۳۸۵ھ) کے علاوہ، جو ابن العمید کی صحبت ہی کی وجہ سے ''الصاحب'' کہلاتا تھا (وفیات، ۱:۷۵)، رکن الدّولہ کا بیٹا عضد الدّولہ بھی تھا، جو اسے ہمیشہ ''استاد الرئیس'' کہا کرتا تھا.

ابن العمید کا خاندان قُم سے آیا تھا اور اس خاندان میں وزارت و کتابت کا منصب نصف صدی سے زیادہ عرصے تک قائم رہا۔ کہتے ہیں یہ برمکیوں کے مقابلے کا خاندان تھا۔ اسے مملکت اسلامیہ میں فارسی کے احیا کا بہت بڑا نقیب سمجھا جاتا ہے.

ابن العمید کی وفات کے بعد منصبِ وزارت اس کے بیٹے ابوالفتح کو تفویض ہوا۔ وہ بھی صاحبِ علم و فضل تھا.

ابوحیّان التوحیدی نے مثالب الوَزِیرَین کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں ابن العمید اور صاحب ابن عبّاد کے نقائص بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب اس وقت تو ناپید ہے، لیکن ابن العمید، صاحب ابن عبّاد اور ابو حیّان کے سوانح نگاروں کے ہاں اس کے بعض اقتباسات ملتے ہیں۔ ایک جگہ وہ ابن العمید اور ابن عبّاد کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''کان ابن العمید اعقل و کان یدّعی الکرم و ابن عبّاد اکرم و یدعی الفضل و ھما فی دعواھما کاذبان''، یعنی ابن العمید ابن عبّاد سے زیادہ عقلمند تھا اور جود و کرم کا مدعی تھا۔ اس کے مقابلے میں ابن عبّاد اس سے بڑھ کر کریم النفس تھا اور عقلمند ہونے کا مدعی اور دونوں ہی اپنے دعووں میں جھوٹے تھے''۔ ابن خلّکان نے لکھا ہے کہ التوحیدی نے اپنی اس کتاب میں تعصّب سے کام لیا ہے، انصاف نہیں کیا.

حیرت ہے کہ ابن الاثیر اور ابن خلدون دونوں نے لکھا ہے کہ اس کا زمانۂ وزارت ۲۴ سال ہے۔ ابن الاثیر نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ رکن الدولہ نے اسے ۳۲۸ھ میں وزارت تفویض کی اور یہ کہ اس کی وفات ۳۶۰ھ میں ہوئی۔ لیکن کسی ماخذ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ۳۲۸ھ میں جب وہ منصبِ وزارت پر فائز ہوا تو اس کے بعد کبھی اس سے علٰیحدہ بھی کیا گیا ہو۔ اس تفصیل کے مطابق اس کا زمانۂ وزارت ۳۲ سال ہوتا ہے نہ کہ ۲۴ سال.

تالیفات: (۱) ابن ندیم نے ابن العمید کی کتاب دیوان الرسائل کا ذکر کیا ہے اور ابن مسکویہ نے اس کے بعض سیاسی رسائل کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے؛ (۲) کتاب المذھب فی البلاغات، اس کا ذکر بھی الفہرست میں ہے، لیکن کوئی تفصیل موجود نہیں؛ (۳) کتاب الخلق والخلق، اس کا ذکر صاحبِ معاھد التنصیص نے کیا ہے اور لکھا ہے کہ مصنّف اس کا مبیّضہ تیار نہیں کر پایا تھا؛ (۴) دیوان فی اللغۃ، البغدادی نے خزانۃ الادب میں المتنبّی کے بعد اس کا ذکر کیا ہے۔ غرض ابن العمید نے اپنے پیچھے بہت سے جواہر پارے چھوڑے لیکن مغلوں کی تباہ کاریوں نے جہاں ہماری علمی میراث کا اور بہت سا حصّہ برباد کر دیا، وہاں ابن العمید کی تالیفات بھی ضائع ہوگئیں؛ چنانچہ اس کی تصنیف کردہ کوئی کتاب بھی اس وقت ہمارے پاس موجود نہیں، البتہ نظم و نثر میں اس کے کچھ قطعات مختلف کتبِ ادب و تراجم میں محفوظ رہ گئے ہیں.

مآخذ: (۱) ابن ندیم: الفہرست، طبع فلُوگل، ص ۱۳۵؛ (۲) ابن مسکویہ: تجارب الامم، ۶:۱۴۱، ۱۵۹، ۲۲۴، ۲۷۴-۲۸۲؛ (۳) الثعالبی: یتیمۃ الدھر، مصر ۱۹۳۴ء، ۳:۱۳۷؛ (۴) الحصری: زھر الآداب و ثمر الالباب، طبع زکی مبارک، ۱:۱۱۱ و ۲:۲۴۴ و ۳:۱۸۷، ۲۳۴ و ۴:۱۷۹، ابن العمید کے نمونۂ کلام کے لیے؛ (۵) یاقوت: معجم الادباء، ۲:۳۰۱ و ۵:۴۰۲؛ (۶) ابن الاثیر: الکامل، مصر ۱۳۰۱ھ ۸:۱۴۱، ۲۳۸؛ (۷) ابن خلِکّان: وفیات الاعیان، طبع وُسٹنفلٹ، شمارہ ۷۰۷؛ (۸) العبّاسی: معاھد التنصیص، ۲:۱۱۵؛ (۹) ابن العماد: شذرات الذھب، ۳:۳۱-۳۴؛ (۱۰) امراء البیان، ص ۵۴۶-۵۷۰؛ (۱۱) الامتاع والموانسۃ، ۱:۶۶؛ (۱۲) Amedroz: مقالہ *The vizier Abu'l-Faḍl Ibn al-'Amid*، در *Der Islam*، ۲:۳۲۳-۳۵۱؛ (۱۳) خلیل مردم: ابن العمید، دمشق ۱۹۳۱ء؛ (۱۴) نکلسن (Nicholson): *A Literary History of the Arabs*، ص ۲۶۷.

(۲) ابوالفتح علی بن محمد بن الحسین، مقدّم الذّکر کا بیٹا، جو ۳۳۷ھ/ ۹۴۸ء میں رےّ میں پیدا اور ۳۶۶ھ/ ۹۷۷ء میں قتل ہوا۔ وہ اپنے باپ کی وفات پر رکن الدّولہ بُویہی کے عہد میں صرف بائیس برس کی عمر میں وزیر بنا؛ پھر مؤیّد الدّولہ بویہی نے بھی اسے اس عہدے پر بحال رکھا۔ اسے موت نے مہلت نہ دی، اس لیے اس کے جوہر پوری طرح کھلنے نہ پائے؛ پھر بھی وہ سیف و قلم دونوں

کا دھنی تھا اور اسی لیے خلیفہ الطائع للہ کی طرف سے اسے ذوالکفایتین کا لقب ملا تھا۔ عضد الدولہ سے اس کے تعلّقات پہلے سے خراب چلے آ رہے تھے، جس نے آخر اپنے بھائی مؤیّد الدولہ کو بھی اس سے کبیدہ خاطر کر دیا۔ آخر عضد الدولہ کے ایما پر ربیع الثانی ۳۶۶ھ میں مؤیّد الدولہ نے ابوالفتح کو گرفتار کر لیا اور پھر بڑی اذیتیں پہنچا کر قتل کروایا۔ ابوبکر الخوارزمی نے اس کا بڑا دلگداز مرثیہ کہا ہے۔

ابوالفتح کے اساتذہ میں اس کے باپ کے علاوہ ابن فارس کا نام ملتا ہے۔ المتنبّی سے بھی اس کی خط و کتابت تھی۔

مآخذ: (۱) ابن مسکویہ: تجارب الامم، ج ۶، بمواضع کثیرہ؛ (۲) الثعالبی: یتیمۃ الدھر، ۳: ۱۶۳-۱۶۹؛ (۳) یاقوت: معجم الادباء، ۵: ۳۴۷-۳۷۵؛ (۴) ابن الأثیر: الکامل، مصر ۱۳۰۱ھ، ۸: ۲۴۳ بعد؛ (۵) ابن العماد: شذرات الذھب، ۳: ۵۵ بعد؛ (۶) نکت الھمیان، طبع احمد زکی پاشا، ص ۲۱۵.

(عبدالمنّان عمر)

✱ **ابن العَمید**: رکّ بہ المکین.

✱⊗ **ابن العوّام**: پورا نام ابوزکریا یحیٰی بن محمد بن احمد بن العوّام الاشبیلی علمِ زراعت پر ایک مبسوط رسالے کتاب الفلاحۃ کا مصنّف، جسے اس موضوع میں اسلامی اندلس ہی نہیں، بلکہ ازمنۂ متوسّطہ کی بہترین تصنیف ٹھیرایا گیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یورپ میں دیر تک اس مضمون کی کوئی کتاب اس کے درجے کو نہیں پہنچی (سارٹن (Sarton): *Introduction to the History of Science*، ۲: ۴۲۴-۴۲۵)۔ وہ بارھویں صدی کے اواخر میں گزرا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں اس کی زندگی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں، سوائے اس کے کہ اس کا قیام اشبیلیہ میں رہتا تھا۔ ابن خلدون نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن وہ غلطی سے یہ سمجھا کہ اس کی کتاب الفلاحۃ، دراصل ابن الوحشیہ [رکّ بآن] کی الفلاحۃ النبطیۃ، کی تلخیص ہے۔ حاجی خلیفہ اور ابن خلّکان اس کا ذکر نہیں کرتے۔

کتاب الفلاحۃ کی تصنیف سے ایک صدی پہلے عمر بن حجاج [رکّ بآن] اس موضوع پر قلم اٹھا چکا تھا۔ ابن العوّام نے گویا اسلامی اندلس کی اس روایت کو برقرار رکھا جس کا تعلّق زراعت اور باغبانی میں عربوں کے مشاہدے، تحقیق اور تجسّس سے ہے؛ لہٰذا کتاب الفلاحۃ کے مآخذ کا سلسلہ عربی سرچشموں، بالخصوص ابن الوحشیہ کی تصنیف، سے لے کر یونانی معلومات تک پہنچتا ہے؛ لیکن اس میں ابن العوّام اور اس کے معاصرین کے اپنے مشاہدوں، اضافوں اور تجربوں کا بڑا دخل ہے اور یہ اس لیے کہ زراعت، باغبانی اور چمن آرائی سے عربوں کو بالخصوص شغف تھا؛ چنانچہ سپین کے باغوں میں آج بھی ایک حد تک عربی نمونوں کا اتباع کیا جاتا ہے۔ دراصل زراعت اور باغبانی میں فنّی اصلاحات اور چمن اور گل و گلزار اس نہایت ہی قیمتی ورثے کا ایک حصّہ ہیں جو سپین کو عربوں سے ملا۔

کتاب الفلاحۃ کے چونتیس ابواب ہیں۔ پہلے تیس کا موضوع زراعت ہے اور باقی چار میں مویشیوں کی پرورش، مرغی خانے اور شہد کی مکھیوں کی پرورش سے بحث کی گئی ہے۔ ابن العوّام نے ۵۸۵ پودوں اور پچاس سے زیادہ میوہ دار درختوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ ان کے معالجے، نیز زمین اور کھاد اور پیوند سازی پر بتحقیق گفتگو کرتا ہے۔

غزیری (Casiri) پہلا شخص ہے جس نے *Catalogue* (فہرست) میں اس امر کی طرف توجّہ دلائی کہ اس کتاب کا ایک مکمّل قلمی نسخہ اسکوریال (Escurial) میں محفوظ ہے۔ بعد ازاں ۱۸۰۲ء میں اس کے ایک شاگرد (G. A. Banqueri) نے اس کتاب کو مع اس کے ہسپانوی ترجمے کے شائع کیا۔ اس کا اُردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے (مطبوعۂ اعظم گڑھ).

مائر (E. Meyer) نے *Geschichte der Botanik* میں اس کتاب کی تلخیص کر دی ہے۔ ۱۸۶۴ء میں Mullet و Clement نے اس کا ترجمہ فرانسیسی میں شائع کیا۔ ڈوزی (Dozy): *Suppl.*، مقدمہ، ص xviii) اور اس کے بعد C. C. Moncada نے مصحّح اور مترجم دونوں پر سخت نکتہ چینی کی ہے.

مآخذ: G. A. Banqueri: *Libro de Agricultura Su autor el doctor excelente Abu Zacaria Iahia... Ebn el Awam*، ج ۱-۲، میڈرڈ ۱۸۰۲ء؛ (۲) C. C. Moncada: *Sul taglio della vite di Ibn al-Awwām*، در *Actes du 8e congrès des Orientalistes*، Stockholm ۱۸۸۹ء، ۲: ۲۱۵-۲۵۷؛ (۳) E. Meyer: *Geschichte der Botanik*، ۳: ۲۶۰-۲۶۶؛ (۴) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۹۴ بعد و تکملہ، ۱: ۹۰۳؛ (۵) سارٹن (Sarton): *Introduction to the History of Science*، ج ۲.

(رُسکا J. Ruska و سیّد نذیر نیازی)

✱ **ابن غانم**: عزّ الدّین عبدالسّلام بن احمد المقدسی، مشہور کتاب کشف الاسرار عن حکم الطیور والازھار کا مصنّف، جسے ۱۸۲۱ء میں گارساں دتاسی (Garcin de Tassy) نے *Les Oiseaux et les fleurs* کے عنوان سے شائع کیا (منقول در *Allégories, récits poétiques etc.*، ۱۸۷۶ء؛ جرمن زبان میں ترجمہ، از Peiper، بعنوان *Stimmen aus dem Morgenlande*، Hirschberg ۱۸۵۰ء۔ اس کی دیگر تصانیف کی تفصیل براکلمان (Brockelmann) نے بیان کی ہے، ۱: ۴۵۰ (قب ۲: ۷۰۳)۔ ابن غانم کے سوانح حیات موجود نہیں ہیں۔ اس کی وفات ماہ شوّال ۶۷۸ھ/ ۱۲۷۹ء میں

قاہرہ میں ہوئی۔ [اس کی ایک اور کتاب القول النفیس فی تفلیس الابلیس، مطبوعۂ مصر، ۱۲۷۷ھ میں شائع ہوئی۔ یہ ان مناظروں اور مکالموں پر مشتمل ہے جو ابن غانم اور ابلیس کے درمیان ہوئے]۔

یہی نام ایک حنفی فقیہ [علی بن محمد بن علی ابن خلیل] ابن غانم المقدسی [الحنفی الخزرجی السعدی العبادی] کا بھی تھا، [جسے اپنے زمانے میں رأس الحنفیہ تصوّر کیا جاتا تھا اور جس کی فضیلتِ علم مسلّم تھی۔ وہ قاہرہ میں پیدا ہوا اور وہیں سکونت پذیر رہا۔ اس کی ایک تصنیف کا عنوان ہے بغیۃ المرتاد فی تصحیح الضاد] دیکھیے براکلمان، ۲: ۳۱۲ [وتکملہ، ۱: ۸۰۸ ببعد]۔

---

* **ابن غانِیَہ**: یحییٰ بن علی بن یوسف المَسُوفی، المرابطون کے عہدِ حکومت میں اندلس کا والی، جو ابن الخطیب کے بیان کے مطابق قرطبہ میں پیدا ہوا اور ۵۴۳ھ/۱۱۴۸ء میں غرناطہ میں فوت ہوگیا۔ وہ زیادہ تر اپنی والدہ (غانِیَہ) کی نسبت سے معروف ہے، جو دولت المرابطون کے حقیقی مؤسّس یوسف بن تاشفین ایسے عظیم انسان کی قرابت دار تھی۔

ابن غانیہ اور اس کے بھائی محمد نے مراکش کے مرابطی دربار میں پرورش پائی، جہاں ان کا باپ بظاہر کسی اعلیٰ عہدے پر مامور تھا۔ ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء میں علی بن یوسف نے ابن غانیہ کو مغربی اندلس کا والی مقرر کر دیا۔ ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء سے ۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء تک وہ کامیابی سے عیسائیوں کے حملے روکتا رہا اور ۵۲۸ھ/۱۱۳۳-۱۱۳۴ء میں اس نے فرغہ (Fraga) کے مقام پر ارغون (Aragon) کے بادشاہ الفانسو (Alfonso the Fighter) کی فوج کو شکست فاش دی؛ لیکن تقریباً ۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء سے مرابطی سلطنت کے خلاف اندلس کے مسلمانوں (Agarenos) کی انقلابی تحریک نے، جس کی رہنمائی ابوالقاسم احمد (Abencasi) قرطبہ کے قاضی احمد بن حَمْدِین، مَلَقَہ (Malaga)، کے ابوالحکم بن حَسُّون، سرقسطہ (Saragossa) کے المستنصر بن ہود (Zafadola) اور بہت سے دوسرے اشخاص نے کی، اندلس کی مرابطی سلطنت کو اس حد تک درہم برہم کر دیا تھا کہ وہ جلد ہی پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

بایں ہمہ یہاں کے والی ابن غانیہ نے، جس کا قیام اشبیلیہ (Seville) میں رہتا تھا، حیرت انگیز جوانمردی دکھائی اور اس نے باغیوں کی مزاحمت کے سلسلے میں جو انتظامات کیے ان سے بڑی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ۵۳۹ھ/جنوری ۱۱۴۴ء میں اس نے قرطبہ کو ابن حمدین کے قبضے سے رہائی دلوائی، جس پر ابن حمدین نے قسطالیہ (Castile) کے بادشاہ الفانسو ہفتم سے امداد طلب کی۔ ۵۴۰ھ/۱۱۴۶ء میں مؤخر الذکر کی فوج کے مقابلے میں ابن غانیہ کو پسپا ہو کر قرطبہ کے قلعے میں پناہ لینا پڑی۔ جب اندلس میں الموحّدون کے ہراول دستوں کی آمد شروع ہوئی تو الفانسو مجبور ہو گیا کہ قرطبہ کو ابن غانیہ کے قبضے میں چھوڑ دے، حالانکہ ابن غانیہ اب اس کا باجگزار بن گیا تھا۔ الفانسو ہفتم کے بیش از بیش مطالبات کو دیکھتے ہوئے ابن غانیہ نے الموحّد سپہ سالار برّاز سے، جو اب اشبیلیہ کا والی تھا، رشتۂ اتحاد جوڑا اور ۵۴۳ھ/۱۱۴۸ء میں جَیّان (Jaén) کے عوض قرطبہ اور قرمونہ (Caramona) اس کے حوالے کر دیے۔

ادھر الموحدون پے در پے کامیابیاں حاصل کر رہے تھے اور تھوڑے ہی دنوں میں المرابطون کے پاس صرف غرناطہ باقی رہ گیا۔ بحالیکہ مرسیہ (Murcia)، بلنسیہ (Valencia) اور تمام مشرقی ہسپانیہ پر ایک خود مختار سردار ابن مَرْدَنِش [رَکْ بَآن] کا قبضہ تھا۔

المرابطون سے اپنی وفاداری کا سلسلہ قائم رکھتے ہوئے ابن غانیہ نے ایک آخری خدمت یہ انجام دی کہ ۵۴۳ھ/۱۱۴۸ء میں قاضی عیاض کی درخواست پر اس نے الصَّحراوی کے والی کو سبتہ (Ceuta) روانہ کر دیا۔ اس کے چند روز بعد یعنی ۱۰ شعبان ۵۴۳ھ/۲۴ دسمبر ۱۱۴۸ء کو وہ غرناطہ میں فوت ہو گیا۔ ہسپانیہ میں اس وقت المرابطون کی تباہی مکمّل ہو چکی تھی۔

ابن غانیہ نے بظاہر کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اگر ابن الخطیب نے جو کچھ الاحاطۃ میں لکھا ہے اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس نے اپنی بیوی کو ابتدا ہی میں اس اندیشے سے کسی دوسری جگہ بھیج دیا تھا کہ اس کی صحبت کہیں اس کے مجاہدانہ جوش و حمیّت کو کم نہ کر دے۔ اس کے بھائی محمد نے، جو ۵۲۰ھ میں جزائر بالیاری (Balearic) کا والی مقرر ہوا تھا، کئی بیٹے اپنے پیچھے چھوڑے، جہاں انھوں نے اور ان کی اولاد نے مرابطی حکومت کو ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء تک برقرار رکھا؛ پھر یہ محمد کے پوتے اور نواسے ہی تھے، جنھوں نے کوشش کی کہ بربر علاقے (Barbary) میں مرابطی حکومت دوبارہ قائم کریں اور وہاں اس غرض سے ۶۳۳ھ/۱۲۳۵-۱۲۳۶ء تک جنگ بھی کرتے رہے۔

مآخذ: دیکھیے حوالہ جات در (۱) F. Codera: *Decadencia y desaparición de los Almoravides en España*، سرقسطہ ۱۸۹۹ء؛ (۲) A. Bel: *Les Benou Ghânya, derniers représentants de l' empire almoravide, et leur lutte contre l' empire almohade*، پیرس ۱۹۰۳ء۔

(ALFRED BEL بل)

---

* **ابنِ فارِس**: ابوالحسین احمد بن فارِس بن زکریا بن محمد بن حبیب، کوفی دبستان کا ماہرِ لغت اور عالمِ صرف و نحو، جس کا رتے میں صفر ۳۹۵ھ/نومبر-دسمبر ۱۰۰۴ء میں انتقال ہوا۔ [یہ کہنا کہ وہ اس سے پہلے فوت ہوا، مثلاً ۳۶۹ھ میں، صحیح نہیں؛ اس لیے کہ یاقوت نے اس کی ایک تصنیف الفصیح پر اس کے دستخط دیکھے ہیں، جس میں ۳۹۱ھ ثبت ہے]۔ اس کا سالِ ولادت اور مولد دونوں نامعلوم ہیں، لیکن خیال ہے کہ وہ شاید علاقۂ الزہراء کے ایک گاؤں کُرْسُف [جیانا باذ، نہ کہ قزوین] میں پیدا ہوا۔ اس نے قزوین، ہمذان، بغداد اور دورانِ حج میں

مکّۂ [معظّمہ] میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے معلّمین میں خاص طور پر قابلِ ذکر اس کا والد ہے، جو فلسفۂ لغت کا ماہر اور شافعی فقیہ تھا، علٰی ہذا ابوبکر احمد بن الحسن الخطیب، ابوالحسن علی بن ابراہیم القطّان اور ابوعبداللہ احمد بن طاہر المُنَجّم، وغیرہ.

ہمذان میں کچھ عرصے درس دینے کے بعد، جہاں ادیبِ شہیر بدیع الزّمان الہمدانی نے اس سے تلمّذ اختیار کیا، بویی (بویہی) خاندان کے فخر الدّولہ نے اسے اپنے بیٹے مجد الدّولہ ابوطالب کے اتالیق کی حیثیت سے رَے میں طلب کیا۔ ابتدا میں وہ شافعی مذہب کا پیرو تھا، لیکن بعد میں مالکی فرقے میں جاملا۔ وہ [بڑا کریم النفس تھا، سائل کو ردّ نہیں کرتا تھا اور اس کی جود و سخا اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ] اکثر پہنے ہوے کپڑے اتار کر غریبوں کو دے دیتا۔ [ابن فارس کا شمار اعیانِ اہلِ علم میں ہوتا ہے۔ اسے متعدّد علوم، بالخصوص لغت، میں بڑی مہارت تھی؛ چنانچہ] الصاحب ابن العبّاد کی، جو از روے انکسار اپنے آپ کو اس کا شاگرد کہا کرتا تھا، راے تھی کہ ابن فارس کی تصانیف سہو و خطا سے پاک ہیں؛ پھر ایرانی الاصل ہونے کے باوجود اس نے شعوبیوں کے خلاف عرب نحویوں کی حمایت کی.

ابن فارس نے ذیل کی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں: (۱) کتاب المجمل فی اللغة، ایک عربی لغت، جو مادّے کے پہلے حرفِ اصلی کے مطابق مرتّب کی گئی ہے (مخطوطات قبّ براکلمان (Brockelmann): مقام مذکور)؛ (۲) الصاحبی فی فقه اللغة و سنن العرب فی کلامہا، عربی ادب، فقہ، لسان اور نحو پر ایک رسالہ (مطبوعہ قاہرہ ۱۹۱۰ء)؛ (۳) کتاب الثلاثة، جس میں مصنّف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تین ایسے یکساں حروفِ صحیحہ پر مشتمل الفاظ، جنھیں تین طرح ترکیب دی جاسکتی ہے، ہم معنی ہوتے ہیں (Derenbourg: *Les mss. arab. de. l' Esc.*، شمارہ ۳۶۳، ۳)؛ (۴) اَوْجز السِّیَر لِخَیرِ البَشَر، رسول اللہ [صلّی اللہ علیہ وسلّم] کی ایک مختصر سیرت (آٹھ صفحات، بمبئی، بدون تاریخ)؛ (۵) ذمّ الخطاء فی الشعر، شاعرانہ تصوّرات پر ایک رسالہ (برلن، *Verz*، شمارہ ۷۱۸۱)؛ (۶) کتاب الاِتْباع و المزاوجة، ایسے الفاظ کا ایک مجموعہ جو صورۃً ایک دوسرے سے مشابہ ہوتے ہیں اور ہمیشہ ساتھ ساتھ استعمال ہوتے ہیں (طبع Brünnow در *Th. Nöldeke, Orient. Studien zum 70. Geburtstag gewidment*، Giessen ۱۹۰۶ء)؛ (۷) کتاب النَّیْرُوز، حبیب الزّیّات: خزائن الکتب فی دمشق وغیرہ، ص ۲۹، شمارہ ۹، ۳؛ (۸) کتاب اللّامات، وہی کتاب، ص ۳۳، شمارہ ۱۷، ۲۔ [الزِرِکلی: الاَعلام، ۱: ۱۸۴، میں ان کے علاوہ حسبِ ذیل تصانیف کا ذکر بھی ملتا ہے؛ (۹) جامع التأویل، قرآنِ مجید کی تفسیر، چار جلدوں میں؛ (۱۰) الحماسة المحدثة؛ (۱۱) الفصیح؛ (۱۲) تمام الفصیح؛ (۱۳) متخیر الالفاظ].

مآخذ: (۱) ابن خلّکان: وفیات الاعیان (قاہرہ ۱۳۱۰ھ)، ۱: ۳۵؛ (۲) السیوطی: طبقات المفسّرین، ص ۴، شمارہ ۶؛ (۳) وہی مصنّف: بُغیۃُ الوُعاۃ (قاہرہ ۱۳۲۶ھ)، ص ۱۵۳؛ (۴) الانباری: نزهة الالبّاء (قاہرہ ۱۲۹۴ھ)، ص ۳۹۲؛ (۵) ابن فَرحُون: دیباج (فاس ۱۳۱۶ھ)، ص ۴۹؛ (۶) الثعالبی: یتیمة الدهر، (دمشق ۱۳۰۴ھ)، ۳: ۲۱۴، [مصر ۱۳۵۲ھ، ۳: ۳۶۵]؛ (۷) یاقوت: ارشاد الاریب، ۲: ۶ بعد؛ (۸) وہ سوانح حیات جو ابن فارس کی تصنیف الصاحبی فی فقه اللغة کے مطبوعہ نسخے میں درج ہیں، دیکھیے اوپر؛ (۹) Flügel: *Die grammatischen Schulen der Araber*، ص ۲۴۷؛ (۱۰) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۳۰ [و تکملہ، ۱: ۱۹۳]؛ (۱۱) Huart: *Arab. Lit.*، لنڈن ۱۹۰۳ء، ص ۱۵۹ بعد.

(محمد بن شنب MOH. BEN CHENEB)

ابن فارس: رکّ بہ عمر بن الفارض. ✱

ابن الفُرات: متعدّد اشخاص کا نام، جو اعلٰی سرکاری عہدوں پر مامور تھے: ✱

(۱) ابوالحسن علی بن محمد بن موسٰی بن الحسن بن الفرات، ۲۴۱ھ/ ۸۵۵ء میں [بغداد اور واسط کے درمیان نہروان اعلٰی میں پیدا ہوا۔ عبّاسی خلیفہ المقتدر باللہ کا اقتدار اسی نے قائم کیا۔ اوّلاً وہ معتضد باللہ کے ماتحت سواد کا دیوان مقرّر رہا؛ پھر المقتدر کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں وزارت کے مرتبے کو پہنچا]۔ اس سے پہلے وہ اس امر کی ناکام کوشش بھی کر چکا تھا کہ خلافت المعتز [رکّ بآن] کو ملے، بایں ہمہ خلیفہ المقتدر نے ربیع الاوّل ۲۹۶ھ/ نومبر ۹۰۸ء میں اسے وزیر مقرّر کر دیا اور یوں زمامِ حکومت اس کے ہاتھ میں آگئی؛ لیکن ذوالحجہ ۲۹۹ھ/ جولائی ۹۱۲ء میں اسے اس بہانے سے برطرف کر دیا گیا کہ اس نے غارت گر بدویوں سے سازش کی تھی کہ بغداد کو لوٹ لیں۔ بایں ہمہ خلیفہ نے اسے قید کر دیا تاکہ اس کے سابق منظورِ نظر کو کوئی نقصان نہ پہنچے، البتہ اس کی بے شمار دولت ضبط کر لی، پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح اس میں کامیاب ہو گیا کہ خلیفہ کا اعتماد دوبارہ حاصل کر لے؛ چنانچہ ذوالحجّہ ۳۰۴ھ/ جون ۹۱۷ء میں اسے رہائی مل گئی اور عہدۂ وزارت بھی بحال ہو گیا، لیکن اس کی فوجی مہمّوں اور فضول خرچیوں سے سلطنت کی مالی حالت بگڑ گئی اور یہی بات پھر معزولی کا باعث ہوئی۔ جمادی الاُولٰی ۳۰۶ھ/ اکتوبر- نومبر ۹۱۸ء میں دوبارہ معزول ہوا اور قید میں ڈال دیا گیا۔ اس کی تمام جائداد بھی ضبط کر لی گئی، لیکن اپنے بیٹے المُحَسِّن کے اثر و رسوخ سے اس نے پھر معافی حاصل کر لی اور ربیع الثانی ۳۱۱ھ/ اگست ۹۲۳ء میں خلیفہ نے تیسری بار قلمدانِ وزارت اس کے سپرد کر دیا؛ لیکن اس کی حریص اور کینہ توز طبیعت کی وجہ سے لوگوں کو اس سے اس قدر نفرت ہو گئی کہ آخر کار المقتدر کو اس سے چھٹکارا حاصل کرنا پڑا، چنانچہ ربیع الاوّل ۳۱۲ھ/ جون ۹۲۴ء میں علی اور مُحسّن دونوں کو گرفتار کر لیا گیا اور اسی سال ۱۳ ربیع الثانی [۳۱۲ھ]/ ۱۹ جولائی ۹۲۴ء کو انھیں قتل کر دیا گیا.

مآخذ: (۱) ہلال الصّابیٔ: کتاب الوزراء (طبع Amedroz)، ص ۸ بعد؛ (۲) ابن خلِکّان (طبع وُسٹُنفِلٹ Wüstenfeld)، عدد ۴۹۸ (ترجمۂ دیسلان de Slane، ۲: ۳۵۵ بعد)؛ (۳) ابن الطِقطَقیٰ: الفخری (طبع درانبورغ -Deren

bourg)، ص ۳۶۰ بعد؛ (۴) عریب (طبع ڈخویہ de Goeje)، ص ۲۸-۳۷، ۶۱-۷۷، ۱۰۰، ۱۰۹-۱۲۱؛ (۵) ابن الاثیر (طبع Tornberg)، ۸: ۱۱-۱۵، ۴۷ بعد، ۸۱-۸۳، ۱۰۱-۱۱۴؛ (۶) ابن خلدون: العِبَر، ۳: ۳۵۹ بعد؛ (۷) Weil: *Gesch. d. Chalifen*، ۲: ۵۴۰-۵۵۶؛ (۸) Müller: *Der Islam im Morgen-und Abendland*، ۱: ۵۳۳ بعد.

(۲) ابوعبداللہ (یا ابوالخطّاب) جعفر بن محمد، سابق الذّکر کا بھائی۔ ۲۹۶ھ/ ۹۰۹ء میں جب علی بن الفرات وزیر مقرر ہوا تو اس نے مشرقی اور مغربی صوبوں کے مالی معاملات کا انتظام اپنے اس بھائی کے سپرد کر دیا، جس کے متعلّق عام روایت یہ ہے کہ وہ شوال ۲۹۷ھ/ جون - جولائی ۹۱۰ء میں ہی فوت ہو گیا اور اس کا عہدہ وزیر (علی بن الفرات) کے دو بیٹوں الفضل اور المُحسّن میں اس طرح تقسیم کر دیا گیا کہ مقدّم الذّکر مشرقی اور مؤخّر الذّکر مغربی صوبوں کا انتظام کرتا تھا۔

مآخذ: (۱) ہلال الصّابیٔ: کتاب الوزراء (طبع Amedroz)، ص ۲۰۴، ۲۳۷، ۲۵۶؛ (۲) عریب (طبع de Goeje)، ص ۲۹، ۳۴؛ (۳) Weil: *Gesch. d. Chalifen*، ۲: ۵۴۶.

(۳) ابوالفتح الفضل بن جعفر بن محمد، سابق الذّکر کا بیٹا، شعبان ۲۷۹ھ/ نومبر ۸۹۲ء میں پیدا ہوا اور اپنی والدہ حِنْزابہ کے نام پر، جو ایک یونانی کنیز تھی، ابن حِنْزابہ بھی کہلاتا تھا۔ ۳۲۰ھ/ ۹۳۲ء میں المقتدر نے اسے وزیر مقرر کیا، لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب سلطنت میں مکمّل طور پر بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اور نئے وزیر کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا کہ صورتِ حال پر قابو پا سکے؛ لہٰذا خلیفہ مجبور ہو گیا کہ محافظ دستے کے قائد مؤنس سے امداد طلب کرے۔ مؤخّر الذّکر جب شہر کی طرف بڑھا تو خلیفہ بھی لوگوں کی ترغیب سے اس کے مقابلے کے لیے شہر سے باہر آ گیا، مگر اس کی فوج نے شکست کھائی اور خلیفہ خود بھی لڑائی میں مارا گیا۔ یوں الفضل کو بھی اپنے عہدے سے محروم ہونا پڑا۔ الرّاضی کی خلافت میں البتہ اسے مصر اور شام کا مُحصّل مقرر کیا گیا، لیکن اس زمانے میں زمامِ حکومت خلیفہ کے بجائے دراصل امیر الامراء محمد بن رائق کے ہاتھ میں تھی؛ چنانچہ ۳۲۴ھ/ ۹۳۶ء یا ۳۲۵ھ/ ۹۳۷ء میں مؤخّر الذّکر کی ترغیب سے خلیفہ نے اسے پھر منصبِ وزارت عطا کیا، لیکن وہ کمزور طبیعت کا آدمی تھا اور وزارت جیسے عہدے کے لیے ناموزوں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آئندہ سال ہی اس نے ابن رائق سے درخواست کی کہ اسے شام بھیج دیا جائے تاکہ وہ اس صوبے اور مصر کے مالی معاملات کی نگرانی کر سکے؛ چنانچہ اس کے بجائے ابن مُقلہ وزیر مقرر ہوا۔ الفضل نے ۳۲۷ھ/ ۹۳۹ء میں [رملہ میں] وفات پائی۔

مآخذ: (۱) ابن الطِّقْطَقٰی: الفخری (طبع Derenbourg)، ص ۳۷۴، ۳۸۳-۳۸۵؛ (۲) ہلال الصابیٔ: کتاب الوزراء، (طبع Amedroz)، ص ۲۰۸، ۳۱۰، ۳۱۴؛ (۳) ابن الاثیر (طبع ٹورن برگ) ۸: ۱۱۱، ۱۳۴، ۱۷۶، ۲۱۱، ۲۴۵، ۲۵۷، ۲۶۶ بعد؛ (۴) Weil: *Gesch. d. Chalifen*، ۲: ۵۷۲، ۶۶۳، ۶۶۹.

(۴) ابوالفضل جعفر بن الفضل بن جعفر بن محمد، سابق الذّکر کا بیٹا جس کی ولادت ذوالحجہ ۳۰۸ھ/ اپریل ۹۲۱ء میں ہوئی۔ جعفر بھی ابن حِنْزابہ کہلاتا تھا۔ وہ مصر کے اِخشیدی فرمانرواؤں کے ہاں وزارت کے عہدے پر فائز تھا، لیکن حقیقی فرمانروا کافور حبشی تھا اور اسی کی حمایت کے باعث، جسے تھوڑے ہی دنوں میں علانیہ حکمران تسلیم کر لیا گیا، جعفر اپنے عہدے پر متمکّن رہا۔ ۳۵۷ھ/ ۹۶۸ء میں بھی، جب کافور کا انتقال ہوا اور نوعمر احمد بن علی ابن الاخشید حکمران خاندان کا سردار تسلیم کیا گیا، جعفر بدستور اپنے عہدے پر قائم رہا۔ وہ اگرچہ ہر قسم کے جبر و تشدّد سے روپیہ فراہم کرتا رہا، تاہم اس سے وہ کافوریوں، اخشیدیوں اور ترکی مستاجر سپاہیوں کے مطالبات پورے کرنے سے قاصر رہا؛ چنانچہ دو مرتبہ جب بلوائی اس کے اپنے محل اور اس کے بعض ساتھیوں کے مکانوں کو لوٹنے میں مصروف تھے، تو اسے کہیں جا کر چھپ رہنے کے سوا کچھ نہ بن پڑا۔ اب حکومت دراصل ابومحمد الحسن بن عبداللہ بن طُغْج کے ہاتھ میں تھی، جو شامی فوج کا سپہ سالار تھا۔ ۳۵۸ھ/ ۹۶۹ء میں مؤخّر الذّکر مصر میں وارد ہوا اور اس نے جعفر کو قید میں ڈال کر الحسن بن جابر الرِّیاحی کو وزیر مقرر کر دیا۔ لیکن جعفر کو جلد ہی رہائی مل گئی، چنانچہ الحسن جب شام واپس چلا گیا تو اس نے مصر کا نظم و نسق دوبارہ اس کے سپرد کر دیا۔ مگر اسی سال کے دوران میں اخشیدی خاندان کا تختہ الٹ گیا۔ جعفر نے ربیع الاوّل ۳۹۱ھ/ جنوری ۱۰۰۱ء میں، یا ایک دوسری روایت کی رو سے صفر ۳۹۲ھ/ جنوری ۱۰۰۲ء میں وفات پائی۔

مآخذ: (۱) ابن خلِّکان (طبع وُسْتِنْفِلْٹ)، شمارہ ۱۳۲ (ترجمۂ دیسلان، ۱: ۳۱۹ بعد)؛ (۲) یاقوت: ارشاد الاریب (طبع مرجلیوث Margoliouth)، ۲: ۴۰۵، ۴۱۲؛ (۳) ابن الاثیر (طبع ٹورن برگ)، ۹: ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱؛ (۴) Weil: *Gesch. d. Chalifen*، ۳: ۹.

(K. V. ZETTERSTÉEN)

---

* **ابن الفُرات:** ناصر الدّین محمد بن عبدالرّحیم ابن علی المصری، ایک عرب مؤرّخ، سالِ پیدائش ۷۳۵ھ/ ۱۳۳۴ء، م ۸۰۷ھ/ ۱۴۰۵ء؛ [قاہرہ کے ایک معزّز خاندان کا فرد، مدرسۂ معزّیہ قاہرہ میں درس دیتا تھا؛ قاہرہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا]، ایک جامع تاریخ بعنوان، تأریخ الدول والملوک کا مصنّف، جس کی ابتدا اس نے آٹھویں صدی ہجری کے واقعات سے کی اور پھر اس سے پہلے کے واقعات لکھنا شروع کیے، لیکن صرف چوتھی صدی ہجری تک پہنچ سکا۔ اس نے متقدّم مؤرّخین کے اقتباسات چونکہ حرف بحرف نقل کر دیے ہیں، لہٰذا اس کتاب کی قدر و قیمت میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔ اس تصنیف کا صرف ایک نسخہ موجود ہے (وی انا، قب فلُوگل (Flügel): *Die arab... Hss.*، شمارہ ۸۱۴) [اور شائع ہو چکا ہے]۔ اس سے متعدّد اربابِ علم [مثلًا المقریزی] نے استفادہ کیا ہے۔

مآخذ: دیکھیے براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۵۰[وتکملہ، ۲: ۴۹].

----

* **ابن فَرح الاِشبیلی:** [فَرح بسکون الراء] شہاب الدّین ابوالعبّاس احمد بن فرح بن احمد بن محمد اللَّخمی الاِشبیلی الشافعی، ۶۲۵ھ میں (جس کا آغاز ۱۲ دسمبر ۱۲۲۷ء سے ہوتا ہے) اشبیلیہ میں پیدا ہوا۔ ۶۴۶ھ میں (جس کی ابتدا ۲۶ اپریل ۱۲۴۸ء سے ہوئی)، جب تاجدار قسطالیہ (Castile) فرڈینڈ ثالث (Ferdnand III, the Saint) (۱۲۱۷-۱۲۵۲ء) کے زیر قیادت افرنجیوں (Franks) یعنی ہسپانویوں نے الموحدون [رکّ بآں] کے اندلسی دارالسلطنت اشبیلیہ کو فتح کیا تو اسے قید کر لیا گیا، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح ان کے ہاتھوں سے بچ نکلا اور اس صدی کے چھٹے عشرے (۶۵۰ھ بعد/ ۱۲۵۲ء بعد) میں مصر چلا گیا۔ [قاہرہ میں شیخ الاسلام عزّالدّین عبدالسّلام کمال العزیز اور دوسرے نامور علما سے استفادہ کرنے کے بعد اس نے دمشق کا رخ کیا اور یہاں بھی] اسے بہترین اساتذہ سے تلمذ رہا۔ بعدازاں اس نے وہیں سکونت اختیار کر لی اور حدیث کے ایک بڑے عالم کی حیثیت سے جامع اُموی میں درس دینے لگا، البتہ دارالحدیث النُّوریہ میں استاذِ حدیث کا عہدہ پیش کیا گیا تو اس نے قبول نہیں کیا۔ اس کے حلقۂ درس میں الدمیاطی (قب الکُتُبی: فوات الوفیات، ۲: ۱۷)، الیُونینی [رکّ بآں]، المقاتلی، النّابُلسی، ابومحمد ابن الولید اور البرزالی [رکّ بآں] کے علاوہ الذّہبی [رکّ بآں] ایسا تاریخ و حدیث کا مستند عالم بھی شامل تھا۔ ۹ جمادی الاُخریٰ ۶۹۹ھ/ ۲۹ فروری ۱۳۰۰ء کو اس نے تربۃ اُمّ الصّالح میں اسہال کے عارضے سے وفات پائی [اور وہیں دفن ہوا]۔ صرف السُّیُوطی طبقات المفسرین، (طبع Meurs-inge، عدد ۷۸۸) میں غلطی سے ابن فَرح کو فرح نام کے ایک اور شخص کا بیٹا قرار دیتا ہے، یعنی محمد بن ابی بکر بن فرح (المَقّری، ۱: ۶۰۰، غلط طور پر ''بن فَرج'') الانصاری المالکی القُرطبی (م ۹ شوال ۶۷۱ھ/ ۲۹ اپریل ۱۲۷۳ء) کا جو حشر و نشر کے متعلّق ایک کتاب تذکرۃ باحوال الموتٰی واُمور الاخرۃ اور قرآن کی ایک عظیم تفسیر کا مشہور و معروف مصنّف ہے۔

ابن فَرح الاِشبیلی کا معروف ترین علمی کارنامہ علم حدیث کی ۲۸ اصطلاحوں کی تعبیر میں ایک پند آموز نظم ہے (لامیہ غزلیہ)، بحر طویل کے بیس (حاجی خلیفہ، ۴: ۱۹۰، نے غلطی سے تیس لکھا ہے) ابیات پر مشتمل؛ چنانچہ الصفدی نے (المَقّری، ۱: ۸۱۹) اسے بجا طور پر قصیدۃ غزلیۃ فی القاب الحدیث (یعنی حدیث کی اصطلاحات پر ایک غزل) کہا ہے (Brockelmann کا اقتباس، ۱: ۳۷۲؛ المَقّری، ۱: ۸۱۹)۔ اس نظم کو عام طور پر ''منظومۃ ابن فَرح'' یا پہلی بیت کے ابتدائی دو لفظوں کی بنا پر ''غَرامی صَحِیْحٌ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے:

غَرامِی صَحِیْحٌ والرّجا فیک مُعضل
و حُزنی و دمعی مُرسَلٌ و مُسلْسَل

''میرا عشق حقیقی ہے، لیکن میری تمنا کا، جو تجھ سے وابستہ ہے، پورا ہونا دشوار ہے؛ پس میرے غم کی کوئی حد نہیں اور میرے بہتے ہوئے آنسو کسی طرح نہیں تھمتے''۔

اس قصیدے کا متن پہلے Krekl نے (اَلصفدی سے لے کر) المَقّری: نفح الطیب *Analectes*، ۱: ۸۱۹ بعد، میں شائع کیا اور پھر مجموع المتون (قاہرہ ۱۳۱۳ھ، ص ۵۱ بعد) میں چھپا، نیز السُّبکی کی طبقات الشّافعیۃ الکُبریٰ (۵: ۱۲، قاہرہ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶-۱۹۰۷ء میں بھی، اگرچہ اس میں صرف اٹھارہ ابیات درج ہیں۔ عزّالدّین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن جماعۃ القنانی (م ۸۱۶ھ/ ۱۴۱۳ء) کی شرح بعنوان زَوالُ التّرح فی شرح منظومۃ ابن فَرح کو Fr. Risch نے لائڈن سے ۱۸۸۵ء میں شائع کیا (برٹش میوزیم میں ایک اور نسخہ ہے، جو اب تک کام میں نہیں لایا گیا (*Cat. Cod. Orient.*، عدد ۱۶۹)۔ اس اشاعت کے حواشی میں شمس الدّین ابوعبداللہ بن عبدالہادی المقدسی (م ۷۴۴ھ/ ۱۳۴۳ء، دیکھیے الذّہبی: طبقات الحُفّاظ، طبع وسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، ط ۲۱، عدد ۱۲) کی لکھی ہوئی شرح بھی تقریباً مکمّل طور پر شائع کر دی گئی ہے، جسے مخطوطات لائڈن، *Cat. Cod. Or.*، ج ۴، عدد ۱۷۴۹ اور Gotha، عدد ۵۷۸ (دیکھیے Pertsch، ۵: ۲۰) سے اخذ کیا گیا ہے، یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ مخطوطۂ برلن، *Verz.*، عدد ۱۰۵۵، تعلیق علی مَنظُومۃِ ابنِ فَرح، ابن فرح کی نظم پر عزّالدّین کی شرح، مؤرخہ ۸۹۴ھ/ ۱۴۸۹ء کا حاشیہ نہیں ہے، جیسا کہ براکلمان (Brockelmann) نے لکھا ہے، بلکہ خود اس نظم ہی سے متعلّق دوسری شرح ہے۔ قاہرہ (ج ۱، طبع ثانی: ۲۵۰) والے نسخے میں محمد بن ابراہیم بن خلیل التّتائی (Boinet: *Dictionnaire*، ص ۱۵۴ و ۸۹۹) المالکی (م ۹۳۷ھ/ ۱۵۳۰-۱۵۳۱ء) کی لکھی ہوئی شرح ہے، جس کا نام البَہجَۃُ السَّنِیّۃ فی حلّ الارشادات السُّنِیّۃ ہے۔ اس کے شارح یعنی یحیٰی ابن عبدالرحمٰن الاصفہانی کی مشہور نسبت یعنی القَرافی کو، جس سے وہ اکثر مذکور ہوتا ہے، براکلمان نے نہیں دیا [پیرس ۴۲۶۷، ۴۲۵۷، ۱: ۱ (*Cat.* : de Slane)]۔ براکلمان کے ہاں جو نام محمد الامیر الکثیر درج ہے وہ برلن *Verz*، ۱۰۵۶، کی رُو سے زیادہ صحیح طور پر محمد (بن محمد) الامیر الکبیر ہے۔ ابن فرح کی اس پند آموز نظم کے علاوہ النّووی [رکّ بآں] کی چالیس حدیثوں پر اس کی لکھی ہوئی ایک شرح بھی ہے، جس کا نام ہے شَرحُ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا لِلنّوَوِی، برلن، عدد ۱۴۸۸-۱۴۸۹.

مآخذ: متنِ مادّہ میں مذکور ہیں.

(C. F. SEYBOLD سیبولڈ)

----

* **ابن فَرحُون:** برہان الدّین ابراہیم بن علی بن محمد بن ابی القاسم بن محمد بن فَرحُون الیَعمُری، مالکی فقیہ اور مؤرّخ؛ اندلس میں جیّان (Jaén) کے قریب ایک گاؤں اُیان (Uiyān) کے ایک خاندان کا خلف۔ ابن فرحون مدینۂ [منوّرہ] میں پیدا ہوا اور وہیں انتہائی زیر باری کی حالت میں ۱۰ ذوالحجّہ ۷۹۹ھ/ ۴ ستمبر

۱۳۹۷ء کو بائیں پہلو کے فالج سے اس کا انتقال ہوگیا [اور البقیع میں دفن ہوا]۔

علاوہ اپنے والد کے اس کے اساتذہ میں اس کا چچا ابو محمد شرف الدّین الاَسْنوی، جمال الدّین الدَّمَنْہُوری، محمد بن عَرَفہ اور اس کا بیٹا، جس کے درس سے وہ ۷۹۲ھ/ ۱۳۹۰ء میں حج کے موقع پر مستفید ہوا اور بعض اور علما بھی شامل تھے۔ وہ کئی بار قاہرہ گیا اور ۷۹۲ھ/ ۱۳۹۰ء میں بیت المقدس اور دمشق بھی گیا۔ ربیع الثانی ۷۹۳ھ/ مارچ ۱۳۹۱ء مین اسے مدینۂ [منوّرہ] میں قاضی مقرّر کیا گیا۔ وہ بڑا دیندار مسلمان تھا اور اکثر قرآن [مجید] کی تلاوت اور قرآنی دعاؤں کا ورد جاری رکھتا۔ اس نے مدینۂ [منوّرہ] میں مالکی مذہب کو ازسرِ نو فروغ دیا۔ اس کی تصنیفات حسبِ ذیل ہیں: (۱) تبصرة الحُكّام فی اصول الاقضية و مناهج الاَحْكام، مالکی فقہ کا ایک رسالہ (مطبوعۂ قاہرہ ۱۳۰۱ھ، ۱۳۰۲ھ؛ بولاق ۱۳۰۰ھ)؛ (۲) الدِّيباج المُذْهَب فی معرفة اعيان علماء المَذْهَب، تقریباً چھ سو تیس مالکی فقہا کے حالات، جو اس نے تقریباً بیس تصانیف کی مدد سے، جن کی تفصیل کتاب کے آخر میں درج ہے، مرتّب کیے اور اسے شعبان ۷۶۱ھ/ جون ۱۳۶۰ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ Codera کے بیان کے مطابق ۸۵۷ھ/ ۱۴۵۳ء میں اس کے متن کی تصحیح و ترمیم کی گئی؛ نیز قب Houtsma: *Catal. d'une Coll. de manuscr.*, etc، لائڈن ۱۸۹۹ء، عدد ۲۰۴؛ طبع فاس ۱۳۱۶ھ؛ قاہرہ ۱۳۲۹ھ)۔ اس کتاب کا حوالہ اکثر اوقات طبقات علماء العرب یا طبقات المالِكِية کے نام سے دیا جاتا ہے؛ (۳) دُرَر (نسخۂ دیگر: نُبَذة) الغَوّاص فی محاضرةِ الخواص، مالکی فقہ کے مختلف نکات سے متعلّق الغاز (معمّوں) کا ایک مجموعہ) کتب خانۂ خدیویہ، فہرست، ۳: ۱۸۷؛ (۴) تسهيل المُهِمّات فی شرح جامع الأُمّهات، ابن حاجب کے کتابچۂ قانون کی شرح (برٹش میوزیم، .Cat، عدد ۸۷۲، ج ۹)۔

مآخذ: (۱) احمد بابا: نَيْل الابتهاج (فاس ۱۳۱۷ھ)، ص ۵؛ (۲) وہی مصنّف: كفاية المحتاج (مخطوطۂ مدرسۂ الجزائر، ورق ۳۳ب)؛ (۳) وسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Die Gechichtschreiber der Araber*، ص ۱۹۱، عدد ۴۹۸؛ (۴) Pons Boigues: *Ensayo biobibliografico*، ص ۳۴۸، عدد ۲۹۸؛ (۵) Fagnan: *Les Tabakāt Malikites*، در *Homenaje á D. Fr. Codera*، ص ۱۱۰؛ (۶) براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۱۷۵ ببعد، ۲۶۳ [وتکملہ، ۲: ۲۲۶]؛ (۷) R. Basset: *Recherches bibliogr. sur les sources de la Salouat Al-Anfās*، الجزائر ۱۹۰۹ء، ص ۹-۱۱۔

(محمد بن شِنب)

---

* **ابن الفَرّاء:** رکّ بہ ابو یعلٰی۔

---

* **ابن الفَرَضی:** ابو الولید عبداللہ بن محمد بن یوسف بن نصر الاَزدی بن الفَرَضی، ایک عرب سیرت نگار، جو ۲۳ ذوالقعدہ ۳۵۱ھ کی رات/ ۲۲-۲۳ دسمبر ۹۶۲ء کو قرطبہ میں پیدا ہوا، جہاں اس نے فقہ و حدیث اور ادب و تاریخ کی تعلیم حاصل کی اور ابو زکریا یحیٰی بن مالک بن عائذ اور قاضی محمد بن یحیٰی بن عبدالعزیز، المعروف بہ الخرّاز سے خاص طور پر استفادہ کیا۔

۳۸۲ھ/ ۹۹۲ء میں اس نے حج کیا اور اثنائے سفر میں قیروان میں فقیہ ابن ابی زید القیروانی اور ابو الحسن علی بن محمد بن خلف القابسی کے درس میں حاضر ہوا۔ اسی طرح قاہرہ، مکّۂ [معظّمہ] اور مدینۂ [منوّرہ] میں بھی اس نے تعلیم حاصل کی۔ اندلس واپس آکر وہ کچھ عرصے قرطبہ میں درس دیتا رہا اور بعد ازاں مروانی خاندان کے حکمران محمد المہدی کے عہد میں بلنسیہ (Valencia) کا قاضی مقرّر ہوا۔ جب بربروں نے قرطبہ فتح کرکے وہاں قتل و غارت کا بازار گرم کیا تو ۶ شوّال ۴۰۳ھ/ ۲۰ اپریل ۱۰۱۳ء بروز دوشنبہ وہ بھی اپنے گھر کے اندر قتل ہوگیا، جس کے کہیں چار دن کے بعد اس کی لاش ایک کوڑے کے ڈھیر میں پڑی ہوئی ملی، جو اس اثنا میں اس حد تک خراب اور متغیّر ہوچکی تھی کہ اسے بغیر غسل اور کفن کے دفن کرنا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ مکّۂ [معظّمہ] میں حج کے موقع پر الفرضی نے کعبے کا غلاف پکڑ کر خدا سے دعا مانگی تھی کہ اسے شہادت کی موت نصیب ہو، لیکن بعد میں اسے غیر طبعی موت کی ہولناکی کا خیال آیا تو وہ اپنی دعا پر پشیمان ہوا، گو خدا سے اس نے جو پیمان کیا تھا بسبب اس کے احترام کے اسے اپنی درخواست واپس لینے میں تامّل رہا۔ فقہ، حدیث، ادب اور تاریخ میں اس کی معلومات بڑی وسیع تھیں۔ اس نے اپنی سیاحت کے دوران کتابوں کا ایک بیش قیمت ذخیرہ بھی جمع کرلیا تھا۔ اس کی صرف ایک تصنیف باقی رہی ہے، یعنی کتاب تاریخ علماء الاندلُس، جو ایک مجموعہ ہے اندلس کے عرب علما کی سِیَر کا (طبع Codera: *Bibl. Ar. Hisp.*، ج ۷ و ۸، میڈرڈ ۱۸۹۱ء)۔

مآخذ: (۱) ابن خلّکان: وَفَيات (قاہرہ ۱۳۱۰ھ)، ۱: ۲۶۸؛ (۲) الذہبی: تذكرة الحُفّاظ، (حیدر آباد بدون تاریخ)، ۳: ۲۷۷؛ (۳) المقری: نفح الطيب (قاہرہ ۱۳۰۲ھ)، ۱: ۳۸۳؛ (۴) ابن بشکوال: الصلة، ص ۲۴۸، عدد ۵۶۷؛ (۵) ابن فرحون: الدِّيباج (فاس ۱۳۱۶ھ) ص ۱۴۹؛ (۶) الفتح بن خاقان: مطمح الانفس (قسطنطینیہ ۱۳۰۲ھ)، ص ۵۷؛ (۶) الضبّی: بُغية الملتمس، ص ۳۲۱ عدد ۸۸۸؛ (۷) السیوطی: طَبَقات الحُفّاظ، ۱۳: ۵۱؛ (۸) Wüstenfeld: *Die Gechichtschreiber der Araber*، ص ۵۵، عدد ۱۶۵؛ (۹) Codera: *Aben Alfaradhi Hist. Vir. Doct.*، ج ۲ (*Bibl. Arab.-Hisp.*، ج ۸)، دیباچہ؛ (۱۰) Pons Boigues: *Ensayo bio-bibliografico*، ص ۱۰۵، عدد ۷۰؛ (۱۱) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۳۸ [وتکملہ، ۱: ۵۷۷]؛ (۱۲) Huart: *Arabic Lit.*، ص ۲۰۳۔

(محمد بن شِنب)

---

* **ابن فَضلان:** صحیح طور پر احمد بن فضلان ابن العبّاس بن راشد بن حمّاد، عرب مصنّف اور اس سفارت کے حالات (رسالة) کا مؤلّف جسے خلیفہ المقتدر نے وولگا (Volga) کے بلغاری بادشاہ کے پاس [اس کی سرکردگی میں] بھیجا تھا (قبّ مادّۂ بُلغار)۔ وہ چونکہ خلیفہ [المقتدر باللہ] اور فاتح مصر محمد بن سلیمان کے متوسّلین (مولیٰ) میں سے تھا (رکّ بہ مادّۂ قاہرہ)، لہٰذا یقین ہے کہ وہ عربی الاصل نہیں تھا۔ بظاہر اس سفارت میں وہ ایک فقیہ اور مسائلِ مذہبی کے ایک مقتدر عالم کی حیثیت سے شریک تھا، اس لیے کہ حکومت کی جانب سے سفارت کے فرائض دراصل سُوسَن الرَّسّی سرانجام دے رہا تھا، جو نُذَیر الحرمی کا، جس کا ذکر عریب (طبع de Goeje، ص ۵۸) میں آیا ہے، متوسّل (مولیٰ) تھا۔ یہ سفارت ۱۱ صفر ۳۰۹ھ/۲۱ جون ۹۲۱ء کو بغداد سے روانہ ہوئی؛ اوّل بخارا پہنچی، پھر خوارزم اور آخر کار بلادِ بلغار، جہاں دارالسّلطنت میں اس کا ورود ۱۲ محرّم ۳۱۰ھ/۱۲ مئی ۹۲۲ء کو ہوا۔ یہ سفارت کب اور کس راستے بغداد واپس آئی؟ اس کے متعلّق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ اسی طرح مصنّفِ رسالہ کے حالاتِ زندگی سے بھی ہم بے خبر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چوتھی/دسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا، جب الاصطخری اور المسعودی نے اس رسالے سے استفادہ کیا۔ یاقوت نے بالصّراحت اس کے حوالوں کے علاوہ اس کے اقتباسات بھی دیے ہیں (بذیلِ مادّۂ اِتل، باشغرد، بُلغار، خزر، خوارزم وروس)؛ چنانچہ بعد کے مصنّفین کو اس تصنیف کا علم ان اقتباسات ہی کے ذریعے ہوا، گو یاقوت (۱: ۱۱۳، س ۱۵) نے خاص طور پر کہا ہے کہ اس کے زمانے میں اس رسالے کے متعدّد نسخے تھے: دیکھیے براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۲۲۷ بعد [وتکملہ، ۱: ۴۰۶]؛ Bar. V. Rosen: *Prolegomena k novomu izdaniju Ibn Fādlana* (*Zapiski Vost. Otd. Imp. Russk. Arkh. Obshč*، ۱۵: ۳۹ بعد)؛ مآخذ کے حوالے بھی وہاں مذکور ہیں۔ [یہ رسالہ ابھی حال میں المجمع العلمی، دمشق کے زیرِ اہتمام مع ایک مبسوط مقدّمے کے شائع ہو چکا ہے]۔

(بارتولڈ W. BARTHOLD)

---

* **ابن فضل اللہ:** رکّ بہ فضل اللہ۔

---

* **ابن الفقیہ:** ابو بکر احمد بن محمد بن اسحٰق الہمذانی، ایک عرب جغرافیہ دان۔ ۲۹۰ھ/۹۰۳ء کے قریب اس نے ایک جامع تصنیف کتاب البُلدان کے نام سے لکھی، جس کے حوالے المقدسی اور یاقوت اکثر دیتے ہیں۔ اصل کتاب ضائع ہو چکی ہے، لیکن اس کے ایک خلاصے کو، جسے دخویہ (de Goeje) کے بیان کے مطابق ایک شخص علی بن حسن الشیرازی (م تقریباً ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء) کی تصنیف کہا جا سکتا ہے، اس مستشرق نے ۱۸۸۵ء میں شائع کیا تھا (*Bibl. Geogr. Arab.*، ج ۵)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن الفقیہ نے اپنے زمانے کے بہترین شاعروں پر بھی ایک کتاب لکھی تھی۔ مصنّف کے واقعاتِ زندگی کے بارے میں عملی طور پر ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں۔ اپنے مقدّمے (*Praefatio*) میں دخویہ نے جو چند معلومات دی ہیں ان کے ساتھ وہ مختصر بیان بھی شامل کیا جا سکتا ہے جو یاقوت کی ارشاد الاریب (طبع مرجلیوث (Margoliouth)، ۲: ۶۳) میں درج ہے اور جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اور اس کا باپ دونوں محدّثین کی حیثیت سے مشہور و معروف تھے۔

مآخذ: [براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۲۲۷ و تکملہ، ۱: ۴۰۵]؛ دیگر مصادر متنِ مادّہ میں مذکور ہیں۔

(ادارۂ [اردو دائرۂ معارف اسلامیہ])

⊗ **ابن الفُوَطی:** (نیز ابن الصابونی)، کمال الدّین ابوالفضائل عبدالرّزّاق بن احمد بن محمد الحنبلی، اپنے دور کا مشہور محدّث، مؤرّخ اور فلسفی۔ یہ مَعْن بن زائدۃ الشیبانی [رکّ بآن] کی اولاد سے تھا اور اپنے نانا موفّق الدّین عبدالقاہر البغدادی الحنبلی کی نسبت سے الفُوَطی کہلاتا تھا۔ جو فُوَط (جمع فُوطہ = دھاریدار کپڑا [جو سندھ سے آتا تھا اور زیادہ تر لنگیوں کے لیے استعمال ہوتا تھا]) کا کاروبار کرتا تھا اور ۶۵۶ھ کے سانحۂ بغداد میں پکڑا اور قتل کر دیا گیا۔ عبدالرّزّاق ابن الفُوَطی کا آبائی مسکن مرو تھا۔ وہ بغداد میں محلۂ خاتونیہ کے بیرونی علاقے میں ۱۷ محرم ۶۴۲ھ/۲۶ جون ۱۲۴۴ء کو پیدا ہوا؛ بچپن میں قرآن حفظ کر لیا اور محی الدّین یوسف بن ابی الفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی [رکّ بآن] سے، جو المستعصم باللہ کے استاذ دار تھے اور تاتاریوں کے حملے کے وقت کلْواذی کی فصیل کے باہر شہید کر دیے گئے تھے، اور ان کے طبقے کے دیگر مشائخ سے مزید علم حاصل کیا۔

سقوطِ بغداد کے وقت ابن الفُوَطی کی عمر ۱۴ سال تھی۔ اس قیامتِ صغریٰ میں دوسروں کے ہمراہ وہ بھی گرفتار ہوا، لیکن اسے جلد ہی رہائی مل گئی۔ ۶۶۰ھ میں خواجہ نصیر الدّین الطوسی [رکّ بآن] نے اسے اپنے سایۂ شفقت میں لے لیا اور اپنے پاس مراغہ بلوا لیا، جہاں اس نے منطق، فلسفہ، نجوم اور دیگر علوم عقلیہ سیکھے۔ مراغہ میں خواجہ طوسی کے علاوہ مبارک بن الخلیفہ المعتصم (م ۶۶۶ھ) بھی اس کے خاص اساتذہ میں سے تھا۔ ابن الفُوَطی عربی اور فارسی میں شعر بھی کہہ لیتا تھا۔ نجوم اور علم الہیئت میں اس نے اتنی مہارت پیدا کر لی کہ خود نصیر الدّین الطوسی نے اپنی ایلخانیہ مرتّب کرتے وقت ابن الفُوَطی سے مشورہ لیا۔

۶۲۹ھ کے لگ بھگ ابن الفُوَطی نصیر الدّین الطوسی کے خزانۃ الرصد کی کتابوں کا خازن بنایا گیا۔ ابن الفوطی اس لائبریری سے، جس کی کتابوں کی تعداد ۴ لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے، استفادہ کرتا رہا اور یہیں سے اسے تاریخ کے مطالعے کا زیادہ موقع ملا۔

ابن الفُوَطی ۶۷۹ھ میں ''الصاحب''، یعنی علاء الدّین عطاء ملک الجوینی

[رکّ بآن] کی فرمائش پر مراغہ سے بغداد آیا، جہاں اسے المدرسۃ المستنصریہ کے کتاب خانے کا خازن (یعنی نگران) مقرّر کر دیا گیا اور اپنی وفات تک وہ اسی منصب پر فائز رہا۔ ابن الفوطی یہاں آ کر پھر محلۂ خاتونیہ میں سکونت پذیر ہوا۔ اس نے ۳ محرّم ۷۲۳ھ/ ۱۷ جنوری ۱۳۲۳ء کو وفات پائی اور شُونیزیہ میں دفن کیا گیا۔

بظاہر ابن الفُوطی کو طلبِ علم میں دور دراز کے سفر اختیار کرنا نہیں پڑے، البتہ اس کی اپنی تصنیفات میں اس کی سیاحت کے بارے میں چند اشارے ملتے ہیں، مثلاً ۶۸۱ھ میں وہ کوفے اور حلّے میں تھا۔ ۷۰۰ھ میں وہ سلماس اور ۷۰۴ھ میں ہمدان گیا۔ ۷۰۵ھ میں وہ ارّان پہنچا اور ۷۰۶ھ میں تبریز۔ اس کا یہ سفر غالبًا تاریخی معلومات فراہم کرنے کے سلسلے میں تھا۔

ابن الفُوطی کی تالیفات کی تعداد ترا سی بتائی جاتی ہے، لیکن ان میں سے بہت کم ہم تک پہنچی ہیں۔ اس کی چند مشہور کتابوں کا ذکر حسبِ ذیل ہے: (۱) الحوادث الجامعة و التجارب النافعة من المائة السابعة، جو ابن خلِّکان کی وَفَیات الاَعْیان کا ایک گونہ ذیل ہے (بغداد ۱۳۵۱ھ)؛ (۲) مجمع الآداب فی معجم الأسماء والألقاب، جو پچاس جلدوں میں تھی۔ چالیسویں جلد (ع تا ق) کا ایک خودنوشت نسخہ، مؤرخہ ۷۱۷ھ/ ۱۳۱۷ء دریافت ہو چکا ہے؛ (۳) مختصر اخبار الخلفاء العباسیین (براکلمان: تکملہ، ۱: ۵۹۰)؛ (۴) تلخیص مجمع الآداب، جو ابن الفوطی کی اپنی تصنیف متذکرۂ بالا مجمع الآداب کا خلاصہ ہے۔ یہ غالبًا دس جلدوں میں تھی۔ اس کی ایک جلد کا نادر خوش خط نسخہ ''شفیعیہ'' میں ہے، جو ۲۰۹ اوراق پر مشتمل اور ناقص الآخر ہے۔ اس میں ۴ ہزار سے اوپر علما کے تراجم درج ہیں۔ خط باریک، مگر واضح اور روشن ہے؛ (۵) ذیل علی تاریخ شیخه ابن الساعی، عطاء ملک الجوینی کے لیے ابن الفوطی نے اپنے استاد تاج الدین علی بن انجب الساعی (م ۶۷۴ھ/ ۱۲۷۵ء) کی تاریخ کے، جو پچیس مجلدات پر مشتمل تھی، ایک ذیل کے طور پر اٹھارہ جلدوں میں یہ کتاب لکھی؛ (۶) درر الأصداف فی غُرر الأوصاف، یہ اللہ کے وجود اور انسان کی اس سے ملاقات کے موضوع پر ایک جامع اور ضخیم ترین کتاب ہے، جو ایک ہزار سے زیادہ کتابوں کے مطالعے کے بعد ابن الفوطی نے تصنیف کی؛ (۷) تلقیح الاَفہام فی المُؤتَلَف والمختلَف (تاریخ)؛ (۸) کتاب التأریخ علی الحوادث (تاریخ عمومی)؛ (۹) نظم الدرر النّاصِعة فی شعر المائة السابعة (کئی جلدوں میں)؛ (۱۰) معجم الشیوخ، اس کتاب میں ابن الفوطی نے اپنے پانسو اساتذہ کے تراجم جمع کیے۔

مآخذ: (۱) ابن شاکر الکتبی: فوات، بولاق ۱۲۹۹ھ، ۱: ۲۷۴-۲۷۶؛ (۲) الذّہبی: تذکرة الحفاظ، حیدر آباد ۱۳۳۴ھ، ۴: ۲۷۴-۲۷۶؛ (۳) ابن حجر العسقلانی: الدُّرر الکامنة، حیدر آباد ۱۳۴۹ھ، ۲: ۳۶۴-۳۶۵؛ (۴) ابن العماد الحنبلی: شذرات الذھب، القاہرہ ۱۳۵۱ھ، ۶: ۶۰ (نیز ۵: ۲۷۸، ۲۸۶)؛ (۵) الشوکانی: البدر الطالع، القاہرہ ۱۳۴۸ھ، ۱: ۳۵۶-۳۵۷ (جہاں ابن الفُوطی کے بجائے ابن القرطی درج ہو گیا ہے)؛ (۶) الکتّانی: الفہرس، ۲: ۲۷۵؛ (۷) محمد اقبال: *Ibn al-Fuwati*، (در اسلامک کلچر، ۷، ۱۹۳۳ء، ۵۱۶-۵۴۳)؛ (۸) براکلمان: تکملہ، ۲: ۲۰۲.

(احسان الٰہی، رانا)

ابن القاسم: ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم العُتَقی، امام مالک کے ممتاز ترین شاگرد۔ انھوں نے امام مالک سے بیس سال تعلیم حاصل کی اور ان کی وفات پر انھیں کو سب سے بڑا مالکی شیخ سمجھا جاتا تھا۔ مغرب میں مالکی تعلیم انھیں کے ذریعے پھیلی۔ وہاں اب بھی اسی تعلیم کا غلبہ ہے۔ ان کی وفات قاہرہ میں ۱۹۱ھ/ ۸۰۶ء میں ہوئی۔

مالکی مذہب کی بڑی بڑی کتابوں میں سے المُدَوَّنة [الکبریٰ] کو عام طور پر ابن القاسم ہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اسے در اصل اَسد بن الفُرات نے مرتّب کیا تھا اور وہ ان جوابات پر مشتمل ہے جو ابن القاسم نے مالک بن انس کے مذہب کے بارے میں اسد کے سوالوں کے دیے تھے اور جنھیں سَحْنُون ابو سعید التَّنُوخی (م ۲۴۰ھ/ ۸۵۴ء) قاضیِ قیروان نے بشکل کتاب قلم بند کیا؛ چنانچہ ۱۸۸ھ/ ۸۰۴ء میں جب وہ ابن القاسم سے ملاقات کے لیے گیا تو مؤخّر الذکر نے اس کے تیار کردہ نسخے میں متعدّد اصلاحات بھی کیں۔ ابن القاسم کی وفات پر سحنون نے ساری کتاب از سرِ نو مرتّب کی، لہٰذا ابن القاسم کی مُدوَّنة [کے موجودہ نسخے میں] ہمیں امام مالک بن انس کی تعلیمات کا وہ بیان ملتا ہے جس پر سحنون نے نظر ثانی کی تھی۔ بیس جلدوں میں یہ کتاب ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں قاہرہ میں چھپی۔ مُدَوَّنة کی شرح کئی ایک مالکی علمانے کی ہے۔

مآخذ: (۱) ابن خلِّکان: وَفَیات الاعیان، طبع وُسْتِنْفِلْٹ، عدد ۳۲۰؛ (۲) ابن خلِّکان: *Biographical Dictionary*، ترجمۂ دیسلان (M. G. de Slane)، پیرس ۱۸۴۳ء، ۲: ۸۶ بعد؛ (۳) ابن النّاجی: اسد بن الفرات کی سیرت، در معالم الایمان (تونس ۱۳۲۰ھ، ۲: ۲-۱۷)، طبع و ترجمہ از ہوُدا (O. Houdas) و باسے (R. Basset): *Mission de Tunisie*، حصّۂ دوم، ص ۱۰۴-۱۴۳؛ (۴) ونْسِنٹ (M. B.Vincent): *Études sur la loi musulmane (Rite de Malek)*، پیرس ۱۸۴۲ء، ص ۳۸ بعد؛ (۵) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۷۶ بعد.

(TH. W. JUYNBOLL جوئنبول)

ابن القاسم الغَزّی: شمس الدّین ابو عبداللہ محمد، ایک شافعی المذہب عالم، جس نے النَّسَفی کی مشہور کتاب عقائد (حاجی خلیفہ، ۴: ۲۲۲) پر حواشی لکھے، لیکن جو اب مفقود ہیں۔ فقہ میں وہ ابو شجاع کے ایک چھوٹے سے رسالے کا شارح بھی ہے۔ اس کی یہ شرح اب تک مقبول ہے اور مشرق میں کئی مقامات پر چھپ

چکی ہے۔ اسے فان ڈِن بِرگ (L. W. C. van den Berg) نے بھی مع ترجمے کے شائع کیا، (فتح القریب، *Commentaire sur le précis de jurisprudence musulmane d' Abou Chodjâ' par Ibn Qâsim al-Ghazzî*، لائڈن ۱۸۹۴ء) قبؔ زخاؤ (E. Sachau): *Mu-hammedanisches Recht nach schafiitischer Lehre*، برلن ۱۸۹۷ء۔ اس نے ۹۱۸ھ/ ۱۵۱۲ء میں وفات پائی۔

(جوئنبول Th. W. JUYNBOLL)

✱ **ابن القاضی:** ابوالعبّاس احمد بن محمد بن احمد بن علی بن عبدالرحمٰن بن ابی العافیہ المِکناسی، المعروف بابن القاضی، موسٰی بن العافیہ المکناسی کی نسل اور مراکش کے مشہور قبیلۂ زِناتہ میں سے تھا۔ وہ ۹۶۰ھ/ ۱۵۵۲-۱۵۵۳ء میں پیدا ہوا۔ وہ فقیہ، ادیب، مؤرّخ اور شاعر ہونے کے علاوہ ریاضی دان بھی تھا۔ اس نے اپنے والد ابوالعبّاس المَنْجُور، القَصّار، ابوزکریا یحیٰی السّرّاج، ابن مُجْبر المَساری، ابوعبداللہ محمد بن جلّال، احمد بابا، ابومحمد عبدالوہّاب الزّجْلماسی، مفتیِ مراکش وغیرھُم سے تحصیلِ علم کی۔ ابوالمحاسن الفاسی سے اس کے گہرے تعلّقات تھے۔ اور وہ اس کی مجالس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ پہلی دفعہ جب اس نے بہ ارادۂ حج مشرق کا رخ کیا تو مکّہ [معظّمہ] میں ابراہیم العَلْقَمی، سالم السَّنْہُوری، یوسف بن فُجْلۃ الزَّرقانی، یحیٰی الحطّاب، بدر الدّین القرافی وغیرھم کے درس میں بھی حاضر رہا۔ ۹۹۰ھ میں دوسری مرتبہ جب پھر وہ مشرق کو جا رہا تھا تو ۱۴ شعبان ۹۹۴ھ/ ۳۱ جولائی ۱۵۸۴ء کو اسے عیسائی بحری قزاقوں نے پکڑ لیا۔ بالآخر گیارہ ماہ کی قید کے بعد سلطان ابوالعبّاس المنصور السَّعْدی نے ۱۷ رجب ۹۹۵ھ/ ۲۳ جون ۱۵۸۷ء کو اسے بیس ہزار آؤنس زرِفدیہ کی ادائیگی سے رہائی دلائی۔ اس عرصے میں جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے، اسے ہر طرح کی تکلیف اور بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑا۔ سلا (Salé) میں کچھ عرصہ قاضی کے عہدے پر مامور رہنے کے بعد اسے فاس واپس بلا لیا گیا۔ اس نے یہیں سکونت اختیار کر لی اور مسجد الاندلسین میں درس دیتا رہا۔ اس کے شاگردوں میں ابوالعبّاس احمد یوسف الفاسی اور خاص طور پر نفح الطیب کے مصنّف ابوعباس احمد المَقَّری کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جس نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ وہ ۶ شعبان ۱۰۲۵ھ/ ۱۹ اگست ۱۶۱۶ء کو فاس میں فوت ہوا اور بابِ الجِیسہ کے قریب دفن ہوا۔

اس کی تیرہ تصانیف میں سے، جن کا ذکر اس کے سوانح نگاروں نے کیا ہے ہمیں صرف مندرجۂ ذیل کا علم ہے: (۱) جذوۃ الاقتباس فی مَنْ حَلّ من الأعلام مدینۃ فاس، یہ فاس کے رہنے والے مشہور آدمیوں اور عالموں کے سوانحِ حیات کی ایک لغت ہے، فاس میں ۱۳۰۹ھ میں شائع ہوئی؛ (۲) دُرّۃ الحِجال فی اسماء الرّجال، سوانحِ حیات کی کتاب ہے، جو ابن خلّکان کی وَفَیات الأعیان کا تکملہ ہے اور گیارھویں/ سترھویں صدی کی ابتدا پر ختم ہوتی ہے، فہرست کتب جامعۂ الجزائر، شمارہ ۲۰۲۲؛ (۳) لَقْط الفرائد من لُفاظۃ الفوائد، طبقاتِ ابن قُنْفُذ کا تکملہ، جس میں ہر صدی دس طبقات میں تقسیم کی گئی ہے اور ہر طبقے میں دس بہت مختصر سوانحِ حیات دیے گئے ہیں (مقالہ نگار کے کتب خانے میں ہے)؛ (۴) المنتقی المقصور علی مآثر (یا محاسن) الخلیفۃ ابن العبّاس المنصور، سلطان المنصور کی پُر از مدح تاریخ، جو الوُفرانی کی نزھۃ الحادی اور السلاوی کی استقصاء کے مآخذ میں سے ہے۔ [ان کتابوں کے علاوہ الزِرِکْلی: اَعلام، ۱: ۲۲۵، میں اس کی حسبِ ذیل تصانیف کا بھی ذکر ملتا ہے؛ (۵) درۃ السلوک فی من حوی الملک من الملوک؛ (۶) غنیۃ الرائض فی طبقات اھل الحساب والفرائض؛ (۷) المدخل فی الھندسۃ]۔

مآخذ: (۱) جذوۃ الاقتباس، فاس ۱۳۰۹ھ، کی ابتدا میں ترجمۂ احوال مصنّف: (۲) القادری: نشر المثانی، فاس ۱۳۱۰ھ، ۱: ۱۲۸؛ (۳) الوفرانی: صفوۃ، فاس، غیر مؤرّخ، ص ۷۷؛ (۴) الکتانی: سَلْوۃ الانفاس، فاس ۱۳۱۶ھ، ۳: ۱۳۳؛ (۵) محمد بن شِنِب: *Et.s. les pers. ment. dans 'Idjāza de sidi Abd al Qādir al Fasi*، پیرس ۱۹۰۷ء، عدد ۳۰۷؛ (۶) ہُوار (Huart): *A Hist. of Arab. Lit.*، ۳۹۰۔

(محمد بن شِنِب MOH. BEN CHENEB)

✱ **ابن قاضی سماؤنہ:** بدر الدّین محمود بن اسمٰعیل، [الشقائق النعمانیۃ اور ھدیۃ العارفین میں: محمود بن اسرائیل بن عبدالعزیز،] ترکی فقیہ اور صوفی، کوتاہیہ سنجاق کے شہر سماؤنہ میں، جہاں اس کا باپ قاضی تھا، پیدا ہوا۔ ایک غیر مصدّقہ بیان کے مطابق وہ سلاطین سلجوق کی نسل میں سے تھا، البتہ ہمارے پاس اس بیان کی بہتر سند موجود ہے کہ اس نے قاہرہ میں تعلیم حاصل کی اور فَرَج کا استاد تھا، جو بعد میں مملوک سلطان بنا، نیز یہ کہ اس کے بعد وہ ارمینیہ چلا گیا جہاں وہ صوفیہ کے اس سلسلے میں شامل ہو گیا جس کا شیخ حسین اخلاتی تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسی زمانے میں اس نے تفلیس میں تیمور کے دربار میں بعض فقہا سے مناظرہ کیا اور تیمور کے خدم و حشم کے ساتھ وہ پھر اپنے اصل وطن کو چلا آیا۔ بایزید کی وفات پر جانشینی کے لیے جو لڑائیاں ہوئیں ان میں اس نے موسٰی کا ساتھ دیا، جس نے یورپی ترکی میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر رکھا تھا اور موسٰی نے اسے قاضیٔ عسکر کا عہدہ عطا کیا۔ لیکن موسٰی ۸۱۶ھ/ ۱۴۱۳ء میں اپنے بھائی محمد اوّل سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ محمد اوّل نے ابن قاضی سماونہ کو معاف کر دیا، لیکن اسے مجبورًا ازنیک [اِزْنِیق] میں سکونت اختیار کرنا پڑی۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد ایشیاے کوچک میں ایک مذہبی تحریک شروع ہوئی، جس کا سربراہ بورقلوجی مصطفٰی تھا، جسے اس کے پیرو دِدِہ سلطان کہتے تھے۔ اس کا ایک تفصیلی حال دوکا (Ducas) نے (طبع بون، ص ۱۱۱ببعد) دیا ہے۔ اس تحریک کے بیانات کلیۃً واضح نہیں ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد شریعتِ اسلامیہ کو منسوخ کرنا اور ایک

محدود نوعیّت کی اشتراکیت کو رائج کرتا تھا، جس کی وجہ سے یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی اس تحریک میں حصّہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس تحریک کا ایک رہنما یہودی تھا، اگرچہ اس کا نام جو ہم تک مختلف شکلوں میں پہنچا ہے، یعنی طورلق کمال (طَورلَق ہُوت [ہُود] یا ہُو)، قطعًا یہودی معلوم نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کے بیان کے مطابق بورا قلوجی مصطفٰی ابن قاضی سماونہ کا، جب کہ وہ قاضی عسکر تھا، کَتخدا [= عامل یا نائب؛ رکّ بہ مادّۂ کَتخدا] تھا۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے شاگردوں میں سے تھا، لیکن جب یہ تحریک شروع ہوئی تو ابن قاضی سماونہ ایشائے کوچک میں نہیں بلکہ یورپی ترکی میں تھا؛ یا تو اس لیے کہ اس کے وہاں روابط تھے اور وہ وہاں ذریعۂ معاش کی تلاش میں گیا تھا، یا یہ کہ اس کے اور مصطفٰی کے درمیان تعلّقات کی بنا پر اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ بھی اس تحریک کی لپیٹ میں نہ آ جائے اَور اس لیے وہ یورپ چلا گیا۔ قطب الدّین: *Die Chroniken des Stadt Mekka*، طبع وسٹینفلٹ (Wüstenfeld)، ۳: ۲۵۳، کا یہ بیان کہ اس نے خود سلطنت کا دعوٰی کیا غیر اغلب سی بات نظر آتی ہے۔ بہرصورت سلطان محمد نے مصطفٰی اور طورلق کے خلاف فوج بھیجی اور ان دونوں کو قید کر کے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد قاضی سماونہ کو بھی قید کر لیا گیا اور حیدر ہَرَوی کے فتوے سے سِرِس میں ۸۱۸ھ/ ۱۴۱۵ء میں قتل کر دیا گیا۔ [صاحبِ کشف الظنون نے اس کے قتل کا سن ۸۲۳ھ دیا ہے۔ امیر تیمور کے دربار میں اس کا بڑا مقام تھا۔] ابن سماونہ نے فقہ اور تصوّف کی کئی کتابیں لکھیں، جن کے نام براکلمان (Brockelmann) نے دیے ہیں۔ اس کی تصوّف کی کتابوں مسرۃ القلوب اور الواردات کی ابھی جانچ نہیں ہوئی۔ الواردات [الغیبیۃ] لائڈن میں مع شرح موجود ہے، قبّ .Cat، ۵: ۲۳۔ [قاہرہ میں بھی اس کا نسخہ محفوظ ہے۔ اس کی ایک اور تصنیف جامع الفُصُولَین طبع ہو چکی ہے، قاہرہ ۱۳۰۰ھ، بولاق ۱۳۰۱ھ۔ فروع کی اس کتاب میں اس نے العمادی اور الاستروشنی کی فصول کو جمع کیا ہے۔ اس کی تالیف سے وہ ۸۱۴ھ میں فارغ ہوا تھا۔ اللآلی الدریۃ فی فوائد الخیریۃ کے نام سے خیر الدّین الرملی (م ۱۰۸۱ھ) نے اس کی شرح بھی لکھی تھی۔ جو قاہرہ والے ایڈیشن کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔ نشانچی زادہ (م ۱۰۳۱ھ) نے بھی اس کی شرح لکھی تھی، جس کا مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، نیز اسکندریہ میں محفوظ ہے۔ اسی طرح تصوّف میں اس کی مسرۃ القلوب بھی موجود ہے]۔

مآخذ: (۱) طاش کوپرولو زادہ: الشقائق النعمانیۃ، بر حاشیۂ ابن خلِّکان (بولاق ۱۲۹۲ھ)، ۱: ۱۱۱ ببعد؛ [(۲) وہی مصنّف: مفتاح السعادۃ، ۲: ۱۴۸]؛ (۳) صُولاق زادہ: تأریخ، ص ۱۳۴ ببعد؛ (۴) Hammer: *Geschichte des osm. Reiches*، طبع ثانی، ۱: ۲۸۱، ۲۹۳ ببعد؛ (۵) براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۲۲۴ ببعد [وتکملہ، ۲: ۳۱۴؛ (۶) الفوائد البہیۃ، ص ۱۲۷؛ (۷) طاہر بروسلی: عثمانلی مؤلفلری، ص ۳۹؛ (۷) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ص ۵۴۶، ۱۶۷۶، ۱۸۰۷؛ ہدیۃ العارفین، ۲: ۴۱۰]۔

---

* **ابن قاضی شُہبہ:** تقی الدّین ابوبکر [بن، بقول السخاوی] احمد بن محمد بن عمر الاَسَدی الدمشقی، عرب سیرت نگار، ۷۷۹ھ/ ۱۳۷۷ء میں پیدا اور ۸۵۱ھ/ ۱۴۴۸ء میں [باتیں کرتے کرتے اچانک دمشق میں] فوت ہوا۔ [اسے قاضی شہبہ اس لیے کہتے تھے کہ اس کا پردادا نجم الدّین عمر حوران کے ایک قصبے شہبہ کا چالیس برس تک قاضی رہا تھا۔] وہ یکے بعد دیگرے مدرّس، قاضی، قاضی القضاۃ وغیرہ کے عہدوں پر مامور رہا اور اس نے الذہبی [رکّ بآن] کی تاریخ کی طرف، جس کا اس نے خلاصہ [ذیل] تیار کیا اور جسے اس نے جاری رکھا، خاص توجّہ دی۔ [اس کی اپنی تاریخ ۲۰۰ - ۷۹۲ھ کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کی دو اور کتابیں طبقات الشافعیۃ اور طبقات الحنفیۃ ہیں]۔

اس کے بیٹے ابوالفضل محمد نے، جو ۸۷۴ھ/ ۱۴۶۹ء میں فوت ہوا، نہ صرف اپنے باپ کی زندگی کے حالات لکھے بلکہ کئی کم تر اہمیت کی اور کتابیں بھی لکھیں، جن کی تفصیل براکلمان (Brockelmann) (۲: ۳۰) نے دی ہے۔

مآخذ: [(۱) السخاوی: الضوء اللّامع، ۹: ۲۱ ببعد؛ (۲) السُّیوطی: نظم، ص ۹۴؛ (۳) ابن تغری بردی، ۷: ۳۱۴؛ (۴) شذرات الذھب، ۷: ۲۶۹؛ (۵) حوادث الدھور، ۱: ۲۵؛ (۶) کشف الظنون، ص ۱۲۷، ۱۱۰۱؛ (۷) ایضاح المکنون، ۱: ۳۰۲؛ (۸) الزرکلی: الاَعلام، طبع اوّل، ۱: ۱۶۳]؛ (۹) براکلمان، ۲: ۵۱ [وتکملہ، ۲: ۵۰]۔

---

* **ابن قُتَیْبَہ:** ابو عبداللہ محمد بن مسلم (وفیات: ابوعبداللہ بن مسلم؛ ابن الانباری: عبداللہ بن مسلمۃ) الدِّینَوَری [کیونکہ وہ دِینَوَر کا قاضی رہا تھا]، (جسے اکثر اوقات القُتَیْبِی یا القُتَبی بھی کہتے ہیں اور اس کی جاے پیدائش کی نسبت سے الکوفی اور اس کے والد کی جاے پیدائش کی نسبت سے المَرْوَزی بھی کہا جاتا ہے) ایک عرب مصنّف، جو کوفے میں ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء میں پیدا ہوا اور کچھ مدت اقلیم جبل میں دِینَوَر کا قاضی رہا۔ اس کے بعد وہ بغداد میں مدرّس رہا اور وہیں رجب ۲۷۶ھ/ نومبر ۸۸۹ء (دوسروں کے قول کے مطابق ۲۷۰ یا ۲۷۱ھ) میں فوت ہوا۔ ادبی روایت میں اسے بغداد کے نام نہاد مخلوط یا انتخاب پسند دبستانِ نحوی کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے، تاہم درحقیقت اپنے معاصرین ابوحنیفہ الدِّینَوَری اور الجاحظ کی طرح اس کا دائرۂ عمل اپنے زمانے کے تمام علوم پر محتوی تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ وہ اس لغوی اور شاعرانہ موادّ کو، جسے بالخصوص کوفے کے نحویوں نے جمع کیا تھا، اَور اس کے ساتھ ہی ایسی تاریخی معلومات کو مہیّا کر دے جس سے کاروباری لوگوں اَور بالخصوص کُتّاب کی ضروریات پوری ہو سکیں، جنھوں نے اس زمانے میں حکومت میں رسوخ حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس نے اپنے زمانے کی مذہبی بحثوں میں بھی حصّہ لیا اور فلاسفہ کے شک آمیز رویے کے خلاف قرآن اور حدیث کی حمایت کی۔ تاہم خود اس پر بھی لوگوں کو الحاد کا شک ہو گیا اور اسے مُشَبِّہہ کے خلاف ایک کتاب لکھنا پڑی تاکہ اپنے آپ کو اس فرقے کا پیرو ہونے کے

الزام سے بچا سکے۔ فلسفۂ لغت میں اس کی سب سے زیادہ مشہور دو کتابیں یہ ہیں: (۱) کتاب ادب الکاتب، طبع M.Grünert، لائڈن ۱۹۰۰ء، قاہرہ ۱۳۰۰ھ؛ [اس کا ایک حصّہ لائپزگ سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا تھا، طبع W. Q. Sproull] اور (۲) کتاب معانی الشعر، جو بارہ حصّوں میں ہے اور غالبًا یہ وہی کتاب ہے جو ابیات المعانی کے نام سے جامع آیا صوفیا میں موجود ہے، شمارہ ۴۰۵۰۔ ادب الکاتب (ص ۱۷، سطر ۵) میں وہ اپنی کتاب غریب الحدیث کا حوالہ دیتا ہے (ج ۱ و ۳، مطبوعۂ دمشق؛ حبیب الزّیات: خزائن الکتب بدمشق و ضواحیھا، ص ۶۲، شمارہ ۳۴ـ۵۵) اور اس کے مقابلے کی دوسری کتاب غریب القرآن کا بھی (خزائن الکتب، ص ۶۲، شمارہ ۳۳، تا اختتام سورۃ ۲۶ [الشعراء])۔ اس کی سب سے بڑی تصنیف کتاب عیون الاخبار ہے، جو دس جلدوں میں متکلمانہ ادب کا ایک نمونہ ہے اور جس کے انداز کی بعد میں اکثر نقل کی گئی۔ پہلی چار جلدیں براکلمان (Brockelmann) نے شائع کیں ([جلد اوّل] برلن ۱۹۰۰ء، [جلد دوم تا چہارم] سٹراس بورگ ۱۹۰۳ـ۱۹۰۸ء)۔ العیون، ص ۱۲، س ۳، کے مطابق مندرجۂ ذیل کتابیں اس کا تکملہ ہیں: (۱) کتاب الشراب، طبع گائی (A. Guy)، در المقتبس (دمشق ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء)، ۲: ۲۳۴ـ۲۴۸، ۳۸۷ـ۳۹۲، ۵۲۹ـ۵۳۵؛ (۲) کتاب المعارف (*Handbuch der Geschichte*، طبع وُسٹنفلٹ (F. Wüstenfeld)، گوٹنگن (Göttingen) ۱۸۵۰ء، قاہرہ ۱۳۰۰ھ (و اردو ترجمہ مطبوعۂ لکھنؤ)؛ (۳) کتاب الشعر و الشّعراء (*Liber Poesis et Poetarum*) طبع دخویہ (M. J. de Goeje)، .Lugd .Bat ۱۹۰۴ء، [مطبوعۂ قاہرہ، جو ناقص ہے؛ اردو ترجمہ: شعر العرب، ج ۱، از عبدالصمد صارم، لاہور ۱۹۶۲ء]؛ (۴) کتاب تاویل الرؤیا، جو مفقود ہے۔ اس کی چھوٹی لغوی کتابوں میں سے کتاب الرَّحل و المَنزِل اب بھی موجود ہے، طبع شیخو، در *Dix anciens Traités de Philologie arabe*، بیروت ۱۹۰۸ء، ص ۱۲۱ـ۱۴۰۔ اس کی دو بڑی مذہبی کتابیں یہ ہیں: (۱) کتاب تأویل مختلف الحدیث، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، [طبع عمود شکری الاساسی] [قب گولٹ تسیہر (Goldziher): *Muh. Stud.*، ۲: ۱۳۶؛ ہوتسما (Houtsma): *De St-rijd etc.*، ص ۱۳) اور (۲) کتاب مشکل القرآن، مخطوطہ در لائڈن، دیکھیے *Catalogus Codd. Mss. Ar.*، شمارہ ۱۶۵۰، کوپرِلو دفتری، استانبول، شمارہ ۲۱۱۔ اس کی کتاب المسائل و الجوابات بھی، جو مسائلِ حدیث کے متعلّق ہے، مذہبی نوعیت کی کتاب ہے (مخطوطہ در گوتھا، دیکھیے Pertsch: *Verz. der ar. Hdss. der herz. Bibl.*، شمارہ ۶۳۶)۔ کتاب الإمامۃ و السّیاسۃ، جو ایک نیم تاریخی کتاب ہے (قاہرہ ۱۳۲۲ھ [طبع محمد محمود الرافضی] اور ۱۳۲۷ھ [و ۱۳۳۱ھ])، ابن قتیبہ سے منسوب ہے، لیکن دخویہ (de Goeje): *Riv. Stud. Or.*، ۱: ۴۱۵ـ۴۲۱، کے قول کے مطابق یہ کتاب اس کے زمانے میں غالبًا کسی مغربی یا مصری نے لکھی تھی۔ [اس کی ذیل کی کتب بھی محفوظ ہیں: الرّد علی الشعوبیۃ، مطبوعہ؛ فضل العرب علی العجم؛ الاشتقاق؛ العرب و علومھا؛ المیسر و القداح، مطبوعہ۔ اس کے اساتذہ میں ابوحاتم السجستانی اور تلامذہ میں ابن درستویہ کے نام ملتے ہیں]۔

مآخذ: (۱) کتاب الفہرست، ص ۷۷؛ (۲) ابن الانباری: نزھۃ الالباء، ص ۲۷۲ـ۲۷۴؛ (۳) ابن خلّکان، بولاق ۱۲۹۹ھ، عدد ۳۰۴؛ (۴) النّووی: *Dict. of Ill. Men*، ص ۱۷۷؛ (۵) سمعانی: کتاب الانساب، ص ۴۴۳؛ (۶) الذہبی، در Grünert: کتاب مذکور، ص vii، حاشیہ ۱؛ (۷) السُّیُوطی: بُغیۃ الوُعاۃ، ص ۲۹۱؛ [(۸) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۴۴۷؛ (۹) لسان المیزان، ۳: ۳۵۷]؛ (۱۰) فلُوگل (Flügel): *Die gramm. Schulen*، ص ۱۸۷ـ۱۹۲؛ (۱۱) Wüstenfeld: *Geschichtschreiber*، عدد ۷۳؛ (۱۲) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۲۰ [و تکملہ، ۱: ۱۸۴؛ (۱۳) آداب اللغۃ، ۲: ۱۷۰؛ (۱۴) الفہرس التمہیدی، ص ۵۵۱]۔

(C. BROCKELMANN براکلمان)

---

* [آل] ابن قُدامۃ الحنبلی: چھٹی صدی ہجری کے وسط میں جمّاعیل (فِلسطین) کے دو گھرانے (یعنی خانوادۂ ابن قُدامہ اور خانوادۂ ابن سُرُور) ہجرت کرکے دمشق میں آباد ہوگئے اور ان دونوں گھرانوں نے مدّت تک آپس میں قرابت داری قائم رکھی۔

ان میں سے خانوادۂ ابن قُدامہ زہد و تقوٰی میں مشہور تھا اور اس کے افراد نے فقہ حنبلی کی بہت خدمت کی ہے۔ منصبِ قضا پشتوں تک اس خاندان کا طُرّۂ امتیاز رہا۔ اس خاندان کی چند خواتین نے بھی علمی دنیا میں نام پایا ہے؛ وہ درس دیتی تھیں اور علما نے ان سے تخرّج کیا ہے۔

اس خاندان کے تقریبًا ہر فرد نے لمبی عمر پائی (دیکھیے شجرہ)۔

۱۔ ابوعمر محمد بن احمد بن محمد بن قدامہ: ۵۲۸ھ میں بمقام جمّاعیل پیدا ہوے اور ۵۵۱ھ میں جب فلسطین میں فرنگیوں کا زور بڑھا تو انھوں نے اپنے والد اور دیگر اقربا کے ساتھ دمشق کو ہجرت کی، جہاں وہ پہلے باب شرقی کے باہر مسجد ابی صالح (الصالحیہ) میں آن کر ٹھیرے، لیکن کچھ مدّت کے بعد انھوں نے جبل قاسیُون میں مستقل اقامت اختیار کی۔

ابوعمر عالم و عامل اور بڑے عابد و زاہد تھے۔ ظہر اور عصر کے درمیان ایک منزل کی تلاوت ان کا روز کا معمول تھا۔ نماز عشا کے بعد دیر تک آیات الحرس، یٰسین، تبارک، واقعہ، معوّذتین اور اخلاص کا ورد کرتے تھے، باوضو سوتے تھے، نماز فجر کے بعد سے ضُحٰی تک لوگوں کو درسِ قرآن دیتے تھے۔ ہر جمعہ کو عصر کے بعد زیارتِ قبور کو جاتے تھے، ہر دوشنبہ اور جمعرات کو مَغارَۃ الدم تک پاپیادہ جاتے تھے اور مسکین لوگوں اور نادار بیواؤں کو آٹا اور درہم پہنچاتے تھے۔ ان کی قناعت کا یہ عالَم تھا کہ نان جو کے سوا کچھ نہ کھاتے تھے اور چٹائی پر سوتے تھے۔

ابن قدامۃ الحنبلی

ابوعمر خوش خط تھے اور زود نویس تھے۔ لوگوں کو کتابیں اور مصحف لکھ کر مفت دیا کرتے تھے۔ جامع مظفری (دمشق) کے خطیب بھی تھے اور رِقّت انگیز وعظ کہتے تھے۔

وہ سلطان صلاح الدّین کے ساتھ غزوات میں بھی شامل ہوئے۔ جب ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس میں لشکرِ اسلام وارد ہوا تو صلاح الدّین ابوعمر کے خیمہ میں زیارت کے لیے چل کر آئے۔ وہ نماز ادا کر رہے تھے۔ انھوں نے نماز اور بعد کے ورد کو وقار اور اطمینان سے ختم کیا، پھر سلطان سے ملاقات کی۔

ابوعمر محمد نے ۶۰۷ھ میں وفات پائی۔ ان کے دو بیٹے تھے: عبدالرحمٰن: (دیکھیے نمبر ۳) اور عبداللہ۔

مآخذ: (۱) سبط ابن الجوزی: مرآۃ الزمان، جزء ۸، حیدر آباد ۱۹۵۱ - ۱۹۵۲ء، ۵۴۶ - ۵۵۳؛ (۲) جمال الدّین بن واصل: مُفَرِّج الکُرُوب (مخطوطۂ مکتبۂ کیمبرج، عدد ۱۶۱، .Lt، ورق ۱۴۴ب؛ (۳) تاریخ عمومی (تا ۶۷۹ھ)، (مخطوطۂ مکتبۂ کیمبرج، عدد Add. ۲۹۲۵)، ورق ۱۲۶ب؛ (۴) الذہبی: تأریخ دول الاسلام، حیدر آباد ۱۳۳۷ھ، ۸۵:۲؛ (۵) ابن تغری بردی: النُّجوم الزاہرۃ، القاہرۃ ۱۹۳۵ء، ۲۰۱:۵ - ۲۰۲؛ (۶) ابن العماد: شذرات الذہب، القاہرۃ ۱۳۵۱ھ، ۲۷:۵ - ۳۰۔

۲- موفّق الدّین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ الحنبلی المقدسی الصّالحی: خانوادۂ ابن قدامہ کے روشن ترین چراغ موفّق الدّین ۵۴۱ھ میں بمقام جمّاعیل پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں وہ ہجرت کر کے دمشق چلے گئے، ۵۶۰ھ میں اپنے خالہ زاد بھائی عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی ابن سرور المقدسی (م ۶۰۰ھ) کے ساتھ بغداد گئے، جہاں وہ تقریباً چار سال تک رہے اور شیخ عبدالقادر الجیلانی (م ۵۶۱ھ)، ہبۃ اللہ الحسن بن ہلال الدّقاق (م ۵۶۲ھ) اور الباجسراوی (م ۵۶۳ھ) جیسے علما سے استفادہ کرتے رہے۔ ۵۶۷ھ میں وہ پھر لوٹ کر بغداد آئے اور ابوالفتح نصر بن فِتیان بن مُطرّف بن المَنّی (م ۵۸۱ھ) سے فقہ میں درس لیتے رہے۔ ۵۷۳ھ میں وہ مکّے گئے، ۵۷۴ھ میں حج کیا اور مبارک بن علی بن الطبّاخ الحنبلی سے فقہ پڑھی۔ ابن الطبّاخ کی وفات (=شوال ۵۷۵ھ) کے بعد موفّق الدّین بغداد چلے گئے، جہاں وہ ابن المَنّی کے درس میں پھر شامل ہوگئے۔ ایک سال کے بعد جب انھوں نے دمشق کا عزم کیا تو ابوالفتح ابن المَنّی نے کہا کہ یہیں رہو کیونکہ بغداد کو تمھاری ضرورت ہے، لیکن وہ نہ رکے اور دمشق آ کر المغنی کی تالیف میں مصروف ہوگئے۔ ۶۰۷ھ میں بھائی (دیکھیے ابن قدامہ، نمبر ۱) کی وفات کے بعد موفّق الدّین جامع مظفری کے خطیب بنائے گئے۔

موفّق الدّین اپنے بھائی ابوعمر کے بعد زہد و ورع میں عزیز المثال تھے اور شکوہ و وقار میں ممتاز۔ وہ تفسیر، حدیث اور فقہ کے علوم میں امامِ زمانہ تھے اور نحو، حساب اور نجوم میں بھی دسترس رکھتے تھے۔

موفّق الدّین اپنی پگڑی میں ریت کی پڑیا رکھتے تھے اور جب فتویٰ یا اجازہ لکھتے تھے تو تحریر کو ریت سے خشک کر لیا کرتے تھے۔ ایک شب کسی مجمع میں ان کی پگڑی کھل کر گر گئی اور ایک منچلے نے اٹھالی۔ انھوں نے فوراً کہا: میاں پڑیا رکھ لو اور پگڑی مجھے دے دو کہ باندھ لوں۔ اس شخص نے جب دیکھا کہ کاغذ میں کچھ وزنی چیز ہے تو پڑیا جیب میں ڈال لی اور پگڑی انھیں کو لوٹا دی۔

یکم شوّال ۶۲۰ھ کو موفّق الدّین فوت ہوئے۔ محمد بن عبدالرحمٰن العلوی سے روایت ہے کہ "ہم جبل بنی ہلال (یاقوت: اواخر رمضان) میں تھے کہ ناگہاں دیکھا کہ قاسیُون میں روشنی ہو رہی ہے۔ ہم یہ سمجھے کہ دمشق میں آگ لگ گئی ہے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ موفّق فوت ہوگئے"۔ مرآۃ الزّمان میں ان کی کئی کرامات کا ذکر ملتا ہے۔

موفّق الدّین کے تین بیٹے تھے: محمد، یحییٰ اور عیسیٰ اور تینوں ہی ان کی زندگی میں فوت ہوگئے۔ عیسیٰ کے دو بیٹے ہوئے، جو لاولد مر گئے۔ اس طرح موفّق کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

موفّق الدّین کی تالیفات کی تعداد پچیس سے اوپر ہے (دیکھیے براکلمان: تکملہ، ۶۸۸:۱ - ۶۸۹)، جن میں سے المُغْنِی، المُقْنِع، رَوْض النّاظر، ذمّ الوسواس، ذمّ التأویل اور عقیدۃ طبع ہو چکی ہیں۔ المُغْنِی، نشر محمد رشید رضا، قاہرہ ۱۳۴۱ - ۱۳۴۸ھ، ۱۲ جز) کے ناشر نے کتاب کے تعارف میں شیخ عزّالدّین بن عبدالسّلام کی رائے کو دہرایا ہے اور تائید کی ہے کہ فقہ اسلامی کی جملہ کتب میں سے ابن حزم کی المحلّٰی اور موفّق کی المغنی سب سے افضل ہیں۔ المغنی کی خوبیاں گناتے ہوئے صاحب المنار نے کہا ہے کہ یہ کتاب کافّۃ المسلمین کے لیے ہے، تعصّب سے بالا ہے، اس میں صرف مسائل الاجماع ہی بیان کیے گئے ہیں، جو ہر مسلم پر واجب ہیں۔ اگر کسی مسئلے میں موفّق نے حنبلی مذہب کی طرف میلان ظاہر کیا ہے تو دلیل اور حجّت کو بنیادِ ترجیح بنایا ہے۔ المغنی میں جا بجا تقلید محض سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے۔

المغنی کا مطالعہ اس نظریے کی بھی تردید کرتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے احکام معاملات رومیوں کے قانون (Roman Law) سے اخذ کیے ہیں۔

موفّق کی المقنع بھی بہت مقبول ہوئی۔ اس پر کئی شروح اور حواشی لکھے جا چکے ہیں۔

مآخذ: (۱) یاقوت الحموی: معجم البلدان (طبع وُسْتَنْفِلْٹ)، ۱۱۳:۲، ۱۱۴ و ۷۹۶:۳؛ (۲) سبط ابن الجوزی: مرآۃ الزمان، حیدر آباد ۱۹۵۱ - ۱۹۵۲ء، ۵۱۹:۸، ۶۲۷ - ۶۳۰؛ (۳) تأریخ عمومی (مخطوطۂ مکتبۂ کیمبرج، عدد Add.۲۹۲۵)، ورق ۱۳۷ب؛ (۴) الذہبی، تاریخ دول الاسلام، حیدر آباد ۱۳۳۷ھ، ۹۳:۲، ۹۴؛ (۵) تأریخ فی بحث الصحابہ و التّابعین (مخطوطۂ برٹش میوزیم، لنڈن، عدد Or. ۶۴۲۸، جسے A. G. Ellis نے الذہبی کی العبر سمجھا ہے، لیکن بعض اوراق پر ایسی عبارت موجود ہے: قال الذہبی کذا و کذا و قلت انا....)، ورق ۱۴۳الف؛ (۶) ابن شاکر الکتبی: فوات، بولاق ۱۲۹۹ھ، ۲۰۳:۱، ۲۰۴؛ (۷) ابن تغری بردی: النجوم الزاہرۃ، قاہرہ

۱۹۳۶ء، ۶:۱۰۱، ۲۵۶؛ (۸) ابن العماد: شَذَرات الذھب، قاہرہ ۱۳۵۱ھ، ۵:۸۸۔ ۹۲؛ (۹) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، لائپزگ ۔لنڈن ۱۸۳۵ ۔۱۸۵۸ء، ۲:۱۸۸ و ۵:۲۲، ۶۵، ۸۰، ۸۸، ۳۴۳، ۶۵۴ و ۶:۹۶؛ (۱۰) براکلمان، ۱:۳۹۸ و تکملہ، ۱: ۶۸۸ بعد؛ (۱۱) سرکیس: معجم المطبوعات، القاہرہ ۱۹۳۰ء، عمود ۲۱۳، ۲۱۴؛ (۱۲) ہنری لاووست (Henri Laoust): *De Precis de Droit d' Ibn Qudama*، بیروت ۱۹۵۰ء.

۳۔ قاضی القضاۃ شمس الدّین عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن محمد بن قدامة الحنبلی الصالحی، شوّال ۵۹۷ھ میں قاسِیُون میں پیدا ہوے۔ انھوں نے اپنے والد اور چچا موفّق الدّین اور دیگر علماے وقت سے علم حاصل کیا۔ عبدالرحمٰن بڑے وجیہ اور باوقار تھے، ساتھ ہی ساتھ حلیم اور بردبار بھی تھے، بلکہ رقیق القلب اور سریع الدمعہ تھے۔ فخر الدّین البعلبکی (م ۶۸۸ھ) کا قول ہے: "میں پچاس سال سے جانتا ہوں کہ شمس الدّین کبھی غصے نہیں ہوے".

۶۵۸ھ میں الملک الظاہر نے دمشق میں بھی الگ الگ مذہب کے قاضی مقرّر کیے۔ شافعیوں کے قاضی ابن خلِّکان (۶۸۱ھ) تھے، احناف کے قاضی الاذرعی (۶۷۳ھ) تھے اور حنابلہ کے قاضی عبدالرحمٰن ابن قدامہ تھے۔ یہ عجیب اتّفاق ہے کہ یہ تینوں قاضی "شمس الدّین" کے لقب سے مشہور تھے، چنانچہ بعض شعرا نے اپنے کلام میں انھیں "شموس الشام" کہہ کر یاد کیا ہے.

عہدۂ قضا کو عبدالرحمٰن بارہ سال تک کرھا نبھاتے رہے۔ ان کی تصنیفات میں سے الشافی (=الشّرح الکبیر)، جو موفّق الدّین کی المقنع پر ایک مبسوط شرح ہے، چھپ چکی ہے۔ ان کی دوسری تصنیف کا عنوان تسھیل المطلب فی تحصیل المذھب ہے.

عبدالرحمٰن ربیع الآخر ۶۸۲ھ میں فوت ہوے۔ تقی الدّین ابن تیمیہ اور مجدّ الدّین اسمٰعیل بن محمد الحرّانی ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اسمٰعیل بن الخبّاز المحدّث نے ان کا ترجمہ ۱۵۰ اجزا میں لکھا.

مآخذ: (۱) الذہبی: تاریخ دول الاسلام، حیدرآباد ۱۳۳۷ھ، ۲: ۱۴۳؛ (۲) ابن شاکر: فوات، بولاق ۱۲۹۹ھ، ۱:۲۶۲؛ (۳) ابن تغری بردی: النُّجُوم الزاھرة، القاھرة ۱۹۳۸ء، ۷:۱۳۷، ۳۵۸، ۳۶۰؛ (۴) ابن العماد: شَذَرات الذھب، القاھرة ۱۳۵۱ھ، ۵:۳۷۶۔۳۷۹؛ (۵) سرکیس: معجم المطبوعات، القاھرة ۱۹۳۰ء، عمود ۲۱۳؛ براکلمان، ۱:۳۹۹ و تکملہ، ۱:۶۹۱.

آل ابن قدامة الحنبلی کے مشہور افراد (۴۸۱-۸۰۳ھ)

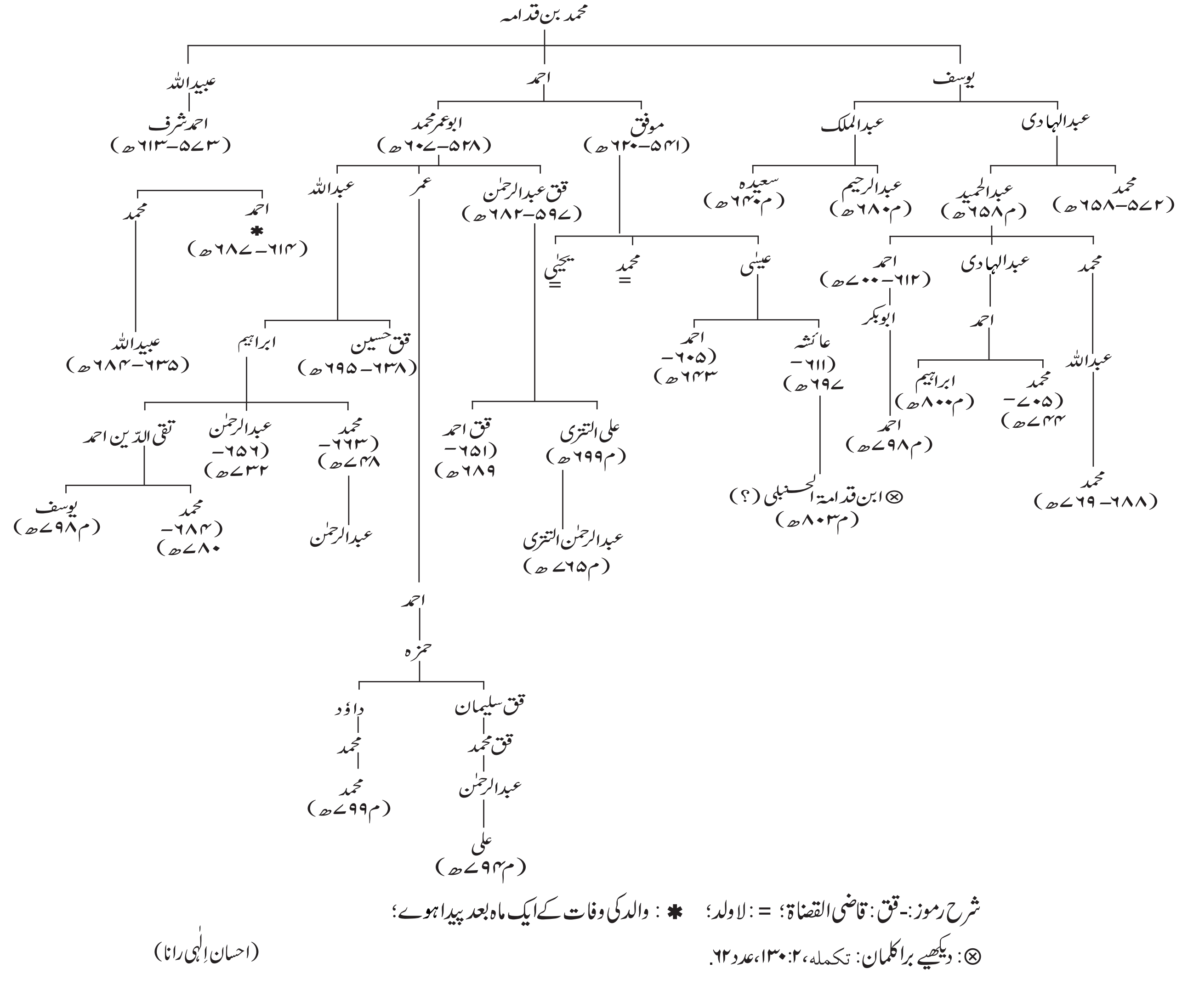

شرح رموز:- قق: قاضی القضاۃ؛ =: لاولد؛ *: والد کی وفات کے ایک ماہ بعد پیدا ہوے؛

⊗: دیکھیے براکلمان: تکملہ، ۲:۱۳۰، عدد ۶۲.

(احسان الٰہی رانا)

* **ابن قُزمان**: جسے ابو بکر بن قُزمان بھی کہا جاتا ہے (ابن خَلدون، ۱: ۵۲۴؛ المقّری، اشاریہ اور المحبّی: خلاصۃ الأثر [فی اعیان القرن الحادی عشر]، ۱: ۱۰۸، میں ''ابو بکر قزمان المغرسانی'' کے بجاے ''ابن قزمان المغربی'' یا ''القُرطُبی'' پڑھنا چاہیے)۔ ابن خاقان (کتاب العِقْیان، ص ۱۸۷) اور ابن بسّام نے اس کے نام ساتھ الوزیر الکاتب کے لقب کا اضافہ کیا ہے۔ [مسالک الاخبار] اور اس کے دیوان کے نسخے میں، جسے گُنز برگ (Günzberg) نے [موزۂ سینٹ پیٹرز برگ کے منحصر بفرد نسخے سے] عکسی شکل (facsimile) میں (برلن سے ۱۸۹۶ء میں مع شرح) شائع کیا ہے، اسے ''الوزیر الاجلّ ابو بکر محمد بن عبدالملک بن قزمان'' کہا گیا ہے۔ ابن الابّار کی تالیف تحفۃ القادِم (غزیری (Casiri)، ۱: ۷۷ب) اور ابن الخطیب کی کتاب احاطۃ (غزیری (Casiri)، ۲: ۷۷ب) میں اس کا نام زیادہ صحیح طور پر ابو بکر بن عیسٰی بن عبدالملک بن قزمان لکھا گیا ہے۔ اس کا انتقال ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء میں ہوا (احاطۃ کے اس قلمی نسخے کی رو سے، جو تونس میں محفوظ ہے، اس کی وفات کی زیادہ صحیح تاریخ ۵۵۵ھ کی آخری رات، یعنی ۳۰ دسمبر ۱۱۶۰ء ہے)۔ *Catalogus Lugduno- Batav.*، ۲: ۲۰۸ کی عبارت ''خدم فی اوّل عمرہ المنعوت بالمُتوکّل'' (قبّ ابن خاقان) سے ظاہر ہوتا ہے کہ عنفوان شباب میں وہ بطلیوس (Badajoz) کے آخری اَفطسی حکمران المتوکّل کی ملازمت میں تھا، [جس نے اسے اپنا کاتب مقرّر کیا تھا اور] جسے المرابطون نے ۴۸۸ھ/۱۰۹۴-۱۰۹۵ء میں بے دخل کر دیا۔ وہ اپنے وطن اور مسکن معہود قرطبہ سے ہسپانیہ کے مختلف حصّوں میں متواتر جاتا رہتا تھا، بالخصوص اشبیلیہ اور غرناطہ کی طرف، جہاں اس کی ملاقات عالم شاعرہ نُزْہُون سے ہوئی (المقّری، ۲: ۶۳۶)۔ رُوزِن (Rosen) نے *Notices somm-aires*، ص ۲۴۲، تعلیقہ ۲، میں جو بے بنیاد اعتراض اس کے وزیر کے لقب پر کیا تھا اور جس کی تائید براکلمان (Brockelmann) نے کی ہے (۱: ۲۷۲، حاشیہ ۲) اس کا ردّ ڈوزی (Dozy) نے اُس خط میں کر دیا جو اس نے ۱۸۸۱ء میں روزن (Rosen) کو لکھا تھا (یہ خط گُنز برگ (Günzberg) کے دیباچے میں شائع ہو چکا ہے)۔ ابن قزمان نے مقبول عام موشّحات [رکّ بآن، نیز M. Hart-mann: *Muwaššah*، بہ امداد اشاریہ] لکھے، لیکن وہ ایک اَور قسم کی مقبول عام صنف شاعری یعنی زَجَل [رکّ بآن، نیز ڈوزی: *Supplément*] کا بھی اہم نمائندہ بن گیا ہے، جس کی بنیاد وحدتِ وزن (quantity) پر نہیں بلکہ وحدتِ قافیہ (accent) پر ہے اور جو مختلف بحور میں لکھی جاتی ہے۔ اس سے پہلے زَجَل کا استعمال چھوٹے چھوٹے قطعات میں ہوتا تھا، جو فی البدیہہ کہے جاتے تھے، لیکن ابن قزمان نے اسے قصیدے سے مشابہ طویل نظموں کی بلند تر سطح پر پہنچا دیا۔ گُنز برگ Günzberg (م ۲۸ دسمبر ۱۹۱۰ء) اپنے عکسی ایڈیشن کے بعد، جو ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا، ابن قزمان اور اس کی تصانیف کے متعلّق اپنی موعودہ تحقیقات کو جاری نہ رکھ سکا۔ کودیرا (Codera) نے اپنے مقالے *Discursos leidos ante la Real Academia Española*، ۱۹۱۰ء: *Impo-rtancia de las fuentes árabes para conocer el estado del vocabolario en las lenguas ó dialectos espãnoles desde el siglo VIII al XII*، ص ۱۳، ۴۳، میں قزمان کے نام پر چند ملاحظات قلم بند کیے ہیں۔ اس کی راے میں یہ نام عربی ہے اَور مغربی قوطی زبان کا لفظ گزمان Guzman نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں ربیرا اور ترّاگو (Julián Ribera y Terragó) کے مقالے مندرجۂ *Discursos leidos ante la Real Academia Española*، ۱۹۱۲ء، کو بالخصوص مدِّنظر رکھنا چاہیے اور خاص طور پر اس راے کو جو اس نے ہمارے دیوان *Cancionero de Abencuzmān* کے بارے میں دی ہے۔ اس نے اپنے نئے نظریے کی تائید میں ایک ایسی راے کا اظہار کیا ہے جو عربی اور رومانوی (romance) فاضلوں کی عام راے سے مختلف ہے (ص ۵۰)۔ وہ کہتا ہے: ''وہ پُراسرار کلید جس سے دنیا کے متمدّن ممالک کے مختلف غزلیہ نظاموں کی ان اشکالِ شعری کی ساخت کی توضیح ہو سکتی ہے جو قرونِ وسطٰی میں رائج تھیں اندلس کی اس غزلیہ شاعری میں ملتی ہے جس سے دیوان ابن قزمان کا تعلّق ہے''، صفحہ ۲۵، تعلیقہ ۲ میں اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ Menéndez Pidal کے ساتھ مل کر ان ہسپانوی لغات اور عبارات کی ہسپانوی بولی (dialect) پر بحث کرے گا جو [اس دیوان کی] باقی ماندہ ۱۴۹ نظموں میں پائی جاتی ہیں۔ عربی اور رومانوی فضلا ابن قزمان کی انتہائی اہم زجل نظموں کی مزید تحقیقات میں بیش از پیش دلچسپی لے رہے ہیں لٰہذا اس کے دیوان (*Cancionero*) کی فاضلانہ تشریح، ترجمہ اور اشاعت جہاں تک ہو سکے جلد شروع کرنا چاہیے۔ ابن بسّام، ابن الابّار اور ابن الخطیب کی تصنیفات میں اس کی زندگی کے جو حالات درج ہیں انھیں بھی متفرّق مخطوطات کی مدد سے شائع کرنا چاہیے۔

مآخذ: دیکھیے اوپر، نیز (۱) قبّ البُستانی: دائرۃ المعارف، ۱۸۷۶ء، ۱: ۶۴۸ب، جس میں اس آخری جملے کے سوا ابن خاقان کی پیروی کی گئی ہے: ''پیدائش اور موت کی تاریخیں مذکور نہیں''؛ (۲) دیکھیے سامی بِک: قاموس الاعلام، ص ۶۵۷ الف؛ (۳) Codera: *Decadencia y desaparición de los Alm-oravides en España*، ص ۱۳۴؛ [(۴) معلمۃ الاسلام، ۲: ۴۲۳؛ (۵) سرکیس، ص ۲۱۴]۔ ابن قزمان کی ولادت ۱۱۹۴ یا ۱۱۹۵ء میں ہوئی۔

ابن قزمان کا دیوان، جس کا نام خود اس نے اصابۃ الاغراض فی ذکر الاعراض رکھا تھا، مع ہسپانوی ترجمے کے چھپ چکا ہے، طبع A. R. Nykle، میڈرڈ ۱۹۳۳ء۔ اس میں Nykle نے ایک تہائی نظموں کا تو مکمّل ترجمہ کیا ہے اور بقیہ حصّے کا ملخّصًا۔ دیوان کے متن کا عکس مع مقدمے کے سات صفحات کے لینن گراڈ (Petrograd) کے منحصر بفرد نسخے سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہو چکا تھا، طبع Günsberg.

مآخذ: (۶) H. A. R. Gibb، در *Legacy of Islam*، اوکسفرڈ ۱۹۳۱ء، ص ۱۸۹ ـ ۱۹۱؛ (۷) G. S. Colin، در *Hesperis*، ۱۹۳۳ء، ۱۶: ۱۶۱ ـ ۱۷۰؛ (۸) J. Hell، در *OLZ* ، ۱۹۳۵ء، ص ۲۳۷ ـ ۲۴۱ ـ ان دونوں مقالوں میں Nykle کے بعض تسامحات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے.

(مقتبس از [آ]، تکملہ، لائڈن، طبع اوّل، ص ۹۱ ببعد)

(C. F. SEYBOLD)

✱ **ابن قَسِیّ:** [ابوالقاسم] احمد [بن الحسین] ، شیخ الصوفیہ، جس نے اندلس میں ۱۱۴۰ء کے لگ بھگ مہدی کی حیثیت سے خروج کرتے ہوئے میرتلہ (Mertola) اور بعض دوسرے شہروں پر قبضہ کرلیا (۱۱۴۱ء)۔ [وہ بڑا صاحبِ مکروفن اور شعبدہ باز تھا۔ عبدالواحد المراکشی نے اس کا شمار اصحابِ ضلالت میں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ] اس کے مریدوں نے [۵۴۰ھ میں] اسے الموحدون کے حوالے کردیا۔ لیکن عبدالمؤمن نے اس سے درگزر کیا [اور وہ یوں کہ عبدالمؤمن نے جب اس سے اس کے دعوِیِ مہدویت کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا: ''صبح کی دو صورتیں ہیں، صبح کاذب اور صبح صادق۔ میں صبح کاذب ہوں''۔ اس پر عبدالمؤمن کو ہنسی آگئی (المعجب، ص ۱۵۰)]۔ کچھ عرصے تک وہ الموحدون ہی کے دربار سے وابستہ رہا تا آنکہ اس کے ایک سابق مرید نے اسے قتل کرڈالا۔ ابن قَسِیّ مصنّف تھا اور اس نے خلع النعلین فی التصوف کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی تھی، قب حاجی خلیفہ، ۳: ۱۷۱؛ *Cat. Wien*، مرتبۂ فلُوگل، ۲: ۴۰۱.

مآخذ: (۱) عبدالواحد المراکشی: [المعجب فی تلخیص اخبار المغرب]، طبع ڈوزی، [لائڈن ۱۸۸۱ء]، ص ۱۵۰ [و ۱۵۱]؛ (۲) ابن خلدون: مقدمۃ (طبع کاترمیئر (Quatremère)، ۱: ۳۲۷؛ [(۳) الحلۃ السیراء، ص ۱۹۹ ببعد].

⊗ **ابن قُطْلُوْبُغا:** زین الملّۃ والدّین ابوالفضل و ابوالعدل القاسم بن قُطلو بغا بن عبداللہ الجمالی السودونی المصری الحنفی، مشہور سوانح نگار و محدّث، جس کے اساتذہ میں ابن حجر العسقلانی [رکّ بآن]، احمد الفرغانی اور ابن ہمام اور تلامذہ میں السخاوی کے نام ملتے ہیں۔ وہ ۸۰۲ھ/ ۱۳۹۹ء میں قاہرہ میں پیدا ہوا اور ۸۷۹ھ/ ۱۴۷۴ء میں وہیں فوت ہوا۔ ابھی وہ کم سن ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ابتدا میں کچھ عرصے تک اس کا ذریعۂ معاش خیّاطی رہا۔ اس کی تصانیف میں سے، جن کی تفصیل ابن العماد اور براکلمان نے دی ہے، تاج التراجم فلُوگل (Flügel) نے *Abhandl. f. d. Kunde der Morgenl.*، ج ۲ میں لائپزگ سے ۱۸۶۲ء میں شائع کی۔ اس میں تین سو تیس حنفی اصحاب التصانیف کے حالات ہیں.

مآخذ: (۱) ابن قُطلو بغا: تاج التراجم، ص ۷۳؛ (۲) السخاوی: الضوء اللامع، ۶: ۱۸۴ ـ ۱۹۰؛ (۳) ابن العماد: شذرات الذهب، ۷: ۳۲۶؛ (۴) الشوکانی: البدر الطالع، ۲: ۴۵ ببعد؛ (۵) عبدالحی لکھنوی: الفوائد البھیۃ، ص ۹۹؛ (۶) المنہل الصافی، ورق ۲، بحوالۂ سرکیس، عمود ۲۱۶؛ (۷) التیموریۃ، ۳: ۲۴۴؛ (۸) خزائن الاوقاف، ص ۵۹، ۸۱، ۲۵۲؛ (۹) الکتانی: فہرست، ۲: ۳۲۱؛ (۱۰) وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *.Gesch*، ص ۴۹۲؛ (۱۱) براکلمان، ۲: ۸۲؛ تکملہ، ۲: ۹۳؛ (۱۲) [آ]، لائڈن، طبع اوّل، ۲: ۴۰۰.

(عبدالمنّان عمر)

✱ **ابن القِفْطی:** ابوالحسن علی بن یوسف القِفطی، المعروف بہ جمال الدّین، ۵۶۸ھ/ ۱۱۷۲ء میں قِفط [رکّ بآن] میں صعیدِ مصر میں پیدا ہوا۔ [الطالع السعید میں سالِ پیدائش ۵۶۳ھ دیا ہے۔] وہ اوائل عمر ہی میں قاہرہ چلا آیا، جہاں اس نے عربی اور اسلامی علوم کی بیشتر مختلف شاخوں میں تعلیم پائی اور پھر بیت المقدس جاکر اپنی تعلیم جاری رکھی، جہاں اس کے باپ کو ۵۸۳ھ/ ۱۱۸۷ء میں ایک اہم عہدہ سنبھالنے کے لیے بلایا گیا تھا۔ وہاں تقریبًا پندرہ سال گزارنے کے بعد وہ حلب چلا گیا، جہاں دس سال تک ادبی مطالعات میں ہمہ تن مصروف رہا، یہاں تک کہ ۶۱۰ھ/ ۱۲۱۳ء میں اسے مالیات کا انتظام سپرد کیا گیا۔ وہ اس عہدے پر ۶۲۸ھ/ ۱۲۳۰ء تک فائز رہا سوائے ۶۱۳ھ سے ۶۱۶ھ تک کے ایک سہ سالہ وقفے کے؛ پھر وہ پانچ سال تک نجی طور پر ادبی مشاغل میں مصروف رہا۔ بعد ازاں الملک العزیز نے اسے ۶۳۳ھ/ ۱۲۴۸ء میں اپنا وزیر بنالیا اور وہ اس عہدے پر اپنی وفات، یعنی ۶۴۶ھ/ ۱۲۳۶ء تک فائز رہا۔ منصبِ وزارت میں اسے اپنی ذاتی ادبی سرگرمی جاری رکھنے کے علاوہ دوسرے فضلا کی مدد کرنے کا موقع مل گیا، مثلاً جب یاقوت [رکّ بآن] مغلوں کے ڈر سے بھاگا تو ابن القِفطی نے اس کی بڑی مدد کی، جس کا یاقوت نے بار بار شکریہ ادا کیا ہے.

ابن القِفطی کی متعدّد تصانیف میں سے، جن میں سے زیادہ تر تاریخی کتابیں ہیں (ایک تاریخ قاہرہ، ایک تاریخ یمن، ایک تاریخ المغرب، ایک تاریخ سلاجقہ وغیرہ) صرف ایک، اور وہ بھی منتخب اقتباسات کی شکل میں، ہم تک پہنچی ہے۔ غالبًا اصل کتاب کا نام کتاب اِخبار العلماء باَخبار الحکماء تھا۔ الزَّوْزَنی کے خلاصے کا نام المُنْتَخَبات المُلْتَقَطات من کتاب تأریخ الحکماء ہے، جسے عام طور پر اختصار سے تأریخ الحکماء کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب جسے جے لِپّرٹ (J. Lippert) نے [لائپزگ سے ۱۹۰۴ء میں] شائع کیا (دیکھیے مآخذ) اور ۱۳۲۶ھ میں قاہرہ میں بھی چھپی [طبع امین خانجی]، ابتدائی زمانے سے لے کر مصنّف کے زمانے تک کے ۴۱۴ طبیبوں، نجومیوں اور فلسفیوں کے حالات پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے بہت قدر و منزلت کی مستحق ہے کہ ''اس میں یونانی ادب کے متعلّق عربوں کی معلومات کا ایک لامتناہی ذخیرہ موجود ہے اور اس میں یونانیوں کے عہدِ قدیم کے بارے میں وہ معلومات درج ہیں جو ابھی قدیم کلاسیکی مآخذ میں بھی مفقود ہیں''۔ [اس کی کتاب اِنباہ الرواۃ علی اَنباہ النحاۃ بھی چھپ

چکی ہے، قاہرہ ۱۹۵۰ء].

مآخذ: (۱) *Ibn al Ḳifti's Ta'rikh al-Ḥukamā*، شائع کردۂ لپرٹ (Julius Lippert)، لائپزگ ۱۹۰۳ء، اس مواد سے جو Aug. Müller نے اکٹھا کیا تھا (مزید مآخذ مقدّمے میں دیے ہیں)؛ (۲) یاقوت: ارشاد، طبع مرجلیوث (Margoliouth)، ۵: ۴۷۷ ببعد؛ [(۳) فوات الوفیات، ۲: ۹۶؛ (۴) حسن المحاضرۃ، ۱: ۲۶۵؛ (۵) بُغیۃ الوُعاۃ، ص ۳۵۸؛ (۶) ابن العربی، ص ۴۷۶؛ (۷) الحوادث الجامعۃ، ص ۲۳۷؛ (۸) اعلام النبلاء، ۴: ۴۱۴؛ (۹) الفہرس التمہیدی، ۴۲۵؛ (۱۰) ابن العماد: شذرات الذہب، ۵: ۲۳۶؛ (۱۱) مرآۃ الجنان، ۴: ۱۱۶؛ (۱۲) براکلمان، ۱: ۳۹۶ و تکملہ، ۱: ۵۵۹؛ (۱۳) نالینو (Nalino): تاریخ علم الفلک عند العرب، ۵: ۶۴؛ (۱۴) وُسٹنفلٹ: *Gesch.*، عدد ۳۳۱].

(E. MITTOWOCH)

---

* **ابن قَلاقِس:** ابوالفتوح نصر اللہ [یا نصر] بن عبداللہ بن مَخْلُوف [بن علی بن عبدالقوی] اللَّخْمِی، الملقب بالقاضی الاعزّ، عرب شاعر، جو ربیع الآخر ۵۳۲ھ/ دسمبر ۱۱۳۷ء میں اسکندریہ میں پیدا ہوا۔ اس نے ۵۶۳ - ۵۶۵ھ/ ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ء کی مدّت صقلیہ میں بسر کی، جہاں اسے ایک قائد ابوالقاسم ابن الحجر نامی کی سرپرستی حاصل تھی اور اسی کے نام پر اس نے اپنی کتاب الزُّھر الباسِم فی اوصاف ابی القاسم منتسب کی۔ بعدازاں وہ یمن چلا گیا اور شوال ۵۶۷ھ/ مئی ۱۱۷۲ء میں عیذاب کے مقام پر فوت ہوا۔ [کشف الظنون میں اس کا سالِ وفات ۵۶۹ھ دیا گیا ہے۔] اس کا دیوان، جو بہت مبسوط نہیں ہے، ۱۳۲۳ھ میں قاہرہ میں خلیل مُطران نے شائع کیا۔ مخطوطۂ کتب خانۂ اہلیہ پیرس، شمارہ ۳۱۳۹، کے مقابلے میں یہ ایڈیشن بہت نامکمّل ہے۔

مآخذ: (۱) ابن خلّکان: وَفَیات، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، شمارہ ۷۷۲؛ مطبوعۂ قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۲: ۱۵۶؛ [(۲) یاقوت: ارشاد، ۷: ۲۱۱؛ (۳) وہی مصنّف: معجم البلدان، ۴: ۱۱۵؛ (۴) السیوطی: حسن المحاضرۃ، ۱: ۲۷۰؛ (۵) الخطط الجدیدۃ، ۱۴: ۵۶؛ (۶) البدایۃ و النہایۃ، ۱۲: ۲۶۹؛ (۷) سرکیس: معجم المطبوعات العربیۃ، ۱۹۲۸ء، عمود ۲۱۷]؛ (۸) براکلمان، ۱: ۲۶۱ [و تکملہ، ۱: ۴۶۱]؛ (۹) الزِرِکْلی: الأعلام، طبع ثانی، ۸: ۲۴۴].

---

* **ابن القَلانِسی:** ابویعلیٰ حمزہ بن اسد التَّمِیْمی، ایک عرب مؤرّخ، جس کا تعلّق دمشق کے ایک سربرآوردہ خاندان سے تھا اور جو [ربیع الاوّل] ۵۵۵ھ/ [مارچ] ۱۱۶۰ء میں وہیں فوت ہوا۔ اس نے ہلال الصّابیٔ کی تاریخ کو، جو اس نے ۴۴۸ھ تک لکھی تھی، جاری رکھ کر ۵۵۵ھ تک پہنچایا اور اس کا نام محض ذیل رکھا۔ بعد کے مصنّفین نے اس سے بکثرت عبارتیں نقل کی ہیں اور ایمڈروز (H. F. Amedroz) نے اوکسفرڈ کے ایک مخطوطے سے، جو شروع میں ناقص ہے اور ۳۶۳ھ سے شروع ہوتا ہے، اسے شائع کیا (۱۹۰۸ء)، قبّ دیباچۂ طابع.

---

* **ابن القُوطِیّہ:** ابوبکر محمد بن عمر بن عبدالعزیز بن ابراہیم بن عیسٰی بن مُزاحم، جسے بالعموم ابن القوطیہ، یعنی قُوطی عورت کا بیٹا، اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے جدِّ اعلیٰ عیسٰی، مولی عمر بن عبدالعزیز نے سارہ نامی ایک ہسپانوی شہزادی سے جو قوطی بادشاہ اوپّاس (Oppas؛ ابن القوطیہ کے قول کے مطابق اَوْلَمُنْد و Olemundo) کی بیٹی اور وِتّی زا (Witiza) کی پوتی تھی، شادی کر لی تھی۔ سارہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس اپنے چچا اَرْدَبَسْت (Ardabast) کے خلاف شکایت کرنے دمشق گئی تھی۔ عیسٰی کو اس کی اس بیوی کے ساتھ ہسپانیہ بھیج دیا گیا اور اس کی اولاد اشبیلیہ میں رہنے لگی۔ ابن القوطیہ خود قرطبہ میں پیدا ہوا تھا اور اپنے آبائی وطن اشبیلیہ میں محمد بن عبداللہ ابن القُون، حسن بن عبداللہ الزُّبَیْدی اور سعید بن جابر وغیرھُم سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے اصلی وطن چلا گیا اور وہاں طاہر بن عبدالعزیز، محمد ابن عبدالوہّاب بن مُغیث، محمد بن عمر بن لُبابہ، قاسم ابن اَصْبَغ، محمد بن عبدالملک بن اَیْمَن وغیرھُم سے تکمیلِ تعلیم کی۔ قاضی ابوالحزم خَلَف بن عیسٰی الوَشْقی اور مؤرّخ ابن الفَرَضی اس کے شاگردوں میں سے تھے۔ ابوعلی القالی، مصنّف الامالی، نے خلیفہ الحکم ثانی سے اس کا تعارف کرایا اور اسے اپنے ملک کا سب سے بڑا فاضل بتایا۔ کچھ عرصے تک قاضی کے عہدے پر رکھنے کے بعد اسے قُرطبہ کا صاحب الشُّرطہ بنا دیا گیا۔ ابن القوطیہ لُغوی، نحوی، مؤرّخ اور شاعر بھی تھا، لیکن اس کے متعلّق مشہور تھا کہ اسے حدیث اور فقہ میں زیادہ درک حاصل نہیں ہے؛ بایں ہمہ لوگ اس کے پاس ان احادیث اور فقہی مسائل کے متعلّق مشورہ لینے آتے تھے جن میں کوئی خاص لغوی اشکال ہو۔ اس نے بہت بڑی عمر میں چہارشنبہ ۲۳ ربیع الاوّل ۳۶۷ھ/ نومبر ۹۷۷ء کو قرطبہ میں وفات پائی [ابن خلّکان نے لکھا ہے کہ ماہ رجب میں اس کی وفات کی روایت کمزور ہے].

وہ مندرجۂ ذیل کتابوں کا مصنّف ہے: (۱) تأریخ فَتْح (متبادل نسخہ: اِفْتِتاح) الاندلس، اسلامی فتح سے خلیفہ عبدالرحمٰن الثالث تک اندلس کی تاریخ، جسے میڈرڈ کی اکادمی (Academy of Madrid) نے ۱۸۶۸ء میں شائع کیا اور ہوداس (Houdas) نے *Recueil de textes* etc.، ج ۱، پیرس ۱۸۸۹ء، ص: ۲۱۹ - ۲۸۰، میں پیرس کے مخطوطے (*Cat.*: de slane، شمارہ ۱۸۶۷)، سے لے کر شائع کیا (اسی نسخے سے Cherbonneau: *Histoire du régne d'Elhakam fils de Hicham*، در *JA*، ۱۸۵۳ء، ۱: ۴۵۸ ببعد)، [اردو ترجمہ از جمیل الرحمٰن، الٰہ آباد ۱۹۴۰ء]؛ (۲) کتاب الافعال [و تصاریفھا]، ثُلاثی اور رُباعی افعال کی ایک فہرست، طبع گوئیدی (Guidi)، لائڈن ۱۸۹۴ء.

مآخذ: ابن خَلِّکان: وَفَیات، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۱: ۵۱۲؛ (۲) ابن الفَرَضی: تأریخ

علماء الاندلس، ص ۳۰۷، عدد ۱۳۱۶؛ (۳) الضَّبّی: بُغیة الملتمس، ص ۱۰۲، عدد ۲۲۳؛ (۴) الثعالبی: یتیمة الدّھر، دمشق ۱۳۰۴ھ، ۱: ۴۱۱؛ (۵) الفتح بن خاقان: مطمح الأنفُس، استانبول ۱۳۰۲ھ، ص ۵۸؛ (۶) السُّیُوطی: بُغیة الوعاة، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۸۴؛ (۷) ابن العذاری: البیان المغرب، طبع ڈوزی، مقدّمہ، ص ۲۸؛ [(۸) ابن فرحون: الدیباج المذھب، ۲۶۲؛] (۹) وُسٹنْفِلْٹ (Wüstenfeld): *Die Geschichtschreiber d. Araber*، ص ۴۶، عدد ۱۴۱؛ (۱۰) Pons Boigues: *Ensayo bio-bibliografico*، ۸۳، عدد ۴۵؛ (۱۱) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۵۰ ببعد؛ (۱۲) Huart: *A. History of Arab. Lit.*، ص ۱۸۸؛ (۱۳) محمد بن شِنِب (Moh. Ben Cheneb): *Et. sur les pers. ment. dans l'Idjāza du Cheikh Abd al-Qādir al-Fāsī*، ص ۲۵۹، عدد ۲۳۱.

(محمد بن شِنِب MOHD. BEN. CHENEB)

✱ **ابن القَیْسَرانی**: اس نام کے دو شخص ہمارے علم میں ہیں:۔

(۱) ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی، ایک عرب ماہرِ لسانیات [ومحدّث]، جو [۶ شوال] ۴۴۸ھ/ [۱۷ دسمبر] ۱۰۵۶ء کو [بیت المقدس میں] پیدا ہوا اور اس نے [۲۸ ربیع الاوّل] ۵۰۷ھ/ [۱۳ ستمبر] ۱۱۱۳ء کو [بغداد] میں وفات پائی۔ بعض لوگوں نے تاریخ وفات ۲۰ ربیع الاوّل بتائی ہے۔ یونگ (D. Jong) نے اس کی ایک تصنیف کو *Homonyma inter nomina relativa* کے نام سے شائع کیا ہے (Lugd. Bat. ۱۸۶۵ء)۔ اس کا عربی نام براکلمان (Brockelmann) نے ۱: ۳۵۵ پر دیا ہے، جہاں مزید حوالہ جات بھی درج ہیں۔ اس کی کتاب الجامع بین کتابی ابی نصر الکلاباذی و ابی بکر الاصبہانی فی رجال البخاری ومسلم بھی حیدرآباد میں ۱۳۲۳ء میں چھپ چکی ہے۔ [حصولِ علم کے لیے اس نے متعدّد سفر کیے۔ اس کی بعض اور تالیفات کے نام یہ ہیں: اطراف الکتب السّتة؛ اطراف الغرائب تصنیف الدار قطنی؛ کتاب الانساب، جس کی ذیل ابو موسٰی الاصفہانی نے لکھی تھی (لائڈن ۱۸۶۵ء)۔ اس کا بیٹا ابو زرعہ طاہر (م ۵۶۶ھ/ ۱۱۷۰ء) بھی صاحبِ علم تھا]۔

(۲) ابوعبداللہ محمد بن نصر شرف الدین، ایک عرب شاعر، جو عکے میں ۴۷۸ھ/ ۱۰۸۵ء میں پیدا اور دمشق میں ۵۴۸ھ/ ۱۱۵۳ء میں فوت ہوا۔ اس کے لیے قب ابن خلّکان، طبع وُسٹنْفِلْٹ (Wüstenfeld)، شمارہ ۶۸۸.

مآخذ: (۱) ابن خلّکان: وفیات الاعیان، ۱: ۶۱۲؛ (۲) الذہبی: تذکرةُ الحُفّاظ، ۴: ۳۹؛ (۳) وہی مصنّف: میزان الاعتدال، ۳: ۷۵؛ (۴) ابن حجر: لسان المیزان، ۵: ۲۰۷؛ (۵) یاقوت: معجم الادباء، طبع احمد فرید، ۱۹: ۶۴؛ (۶) المنتظم، ۹: ۱۷۷؛ (۷) الوافی بالوفیات، ۳: ۱۶۶؛ (۸) آداب اللغة، ۳: ۶۷؛ (۹) الفہرس التمہیدی، ص ۴۳۳؛ (۱۰) ابن العماد: شَذَرات، ۴: ۱۸؛ (۱۱) براکلمان، ۱: ۲۵۵ و تکملہ، ۱: ۶۰۳].

([وعبدالمنّان عمر] —)

✱ **ابن قیس الرُقیّات**: عبیداللہ بن قیس الرقیات [بن شریح] بنوامیہ کے عہد کا مشہور شاعر، جو قبیلۂ قریش سے تھا، اگرچہ اس کے کسی ممتاز خاندان کا رکن نہ تھا۔ [وہ نواح ۷۵ھ/ ۶۹۴ء میں فوت ہوا۔ الجوہری نے اس کا نام عبداللہ لکھا ہے، جو درست نہیں، دیکھیے تاج۔] اس کی زندگی ان لڑائیوں سے وابستہ ہے جو خلافت کے بارے میں مکّے کے [حضرت] ابن زبیر اور دمشق کے بنوامیہ کے درمیان ہوتی رہیں۔ یہ شاعر، جس کے بہت سے خویش و اقارب جنگ حَرّہ [رکّ بآن] میں کام آ چکے تھے، بنو زبیر کا پُرجوش حامی تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اتنی سیاسی سوجھ بوجھ رکھتا تھا کہ وہ اس کشمکش کو جس میں خود بھی الجھ گیا تھا نہایت تأسّف کی نظر سے دیکھے۔ یہ بات تو اسے خوب معلوم تھی کہ قریش عربوں پر مضبوط و محکم حکمرانی کے لیے مقدّر ہو چکے تھے اور اس نے اپنے اس خیال کی پردہ پوشی نہیں کی کہ اس نوعیّت کے اضطرابات قریش کے اقتدار کو ضرور صدمہ پہنچا کر رہیں گے۔ ہمارے شاعر کو عراق کے زبیری حاکم مُصْعَب سے خاص طور پر انس تھا۔ جب مُصْعَب کو شکست ہوئی اور وہ مَسْکِن میں شہید ہو گئے تو ان کے بھائی عبداللہ کی قسمت کا فیصلہ بھی ہو گیا، جنھوں نے مکّے میں ایک متوازی خلافت قائم کر لی تھی۔ اس کے بعد ابن قیس الرقیّات خاصے عرصے تک روپوش رہا۔ اس کے روپوش ہو جانے اور پھر شام میں بنوامیّہ کے سامنے نمودار ہونے کی کہانی کو رومانیت سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔ جس طرح پہلے ابن قیس [حضرت] عبداللہ بن زبیرؓ مقیم مکّہ کی نسبت ان کے بھائی مصعب سے زیادہ مانوس و مالوف تھا بالکل اس طرح اب بھی اسے حاکم دمشق خلفیہ عبدالملک کا قرب و التفات اس حد تک حاصل نہ ہو سکا جتنا کہ عبدالعزیز کا، جو اپنے بھائی کے نام پر مصر کے حکمران تھے۔ یہ تو سچ ہے کہ اموی خلیفہ کے لیے شاعر سے انس و محبت کی کوئی وجہ بھی نہ تھی، خواہ مؤخّر الذّکر کیسے ہی مؤثّر طریقے سے اس کے لطف و کرم کی بھیک مانگتا رہتا۔

اس کی نظموں میں سے جو انتخاب السُّکَّرِی نے تیسری صدی ہجری میں کیا تھا وہ ہم تک پہنچا ہے [وی انا ۱۹۰۱ء طبع M. Rhodokanakis)۔ اس انتخاب سے ہم ان واقعات کا براہ راست تصوّر کر سکتے ہیں جنھوں نے اس عہد میں اسلامی دنیا کو بے چین و مضطرب کیے رکھا اور جن کا اظہار ایک ایسے شخص کے بیانات و تأثّرات کے ذریعے ہوا ہے جس کا تعلّق ان سے رہا تھا۔ دیوان کی سیاسی نظموں کو اس عہد کے سیاسی رسائل سمجھنا چاہیے۔

اس دیوان میں بہت سی غیر اہم عاشقانہ نظمیں، یعنی معمولی رسمی نسیب (غزلیات)، بھی موجود ہیں، بلکہ درحقیقت اس شاعر کا نام الرُقیّات ایک خاتون رُقیّہ نامی کا رہین منت ہے، جسے شاعر مخاطب کرتا ہے۔ [الجُمحی اس کی یوں توجیہ کرتا ہے کہ شاعر کی کئی دادیوں کا نام یکے بعد دیگرے رقیہ تھا: ''انما نُسِبَ الی

الرقیات لانّ جدّات له توالَین یُسمّین رُقیۃ'' (الجُمحی: طبقات الشعراء، ص ۱۳۷)]۔ قدیم ترین نقّادوں نے ابن قیس الرقیات کو عمر بن ابی ربیعہ سے تشبیہ دی ہے [الجُمحی]۔ لیکن عمر بن ابی ربیعہ اس سے نہ صرف غزل گوئی میں بہت بلند و بالا ہے، بلکہ بحیثیّت انسان بھی بہت اونچا ہے، البتہ یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ابن قیس الرُّقیّات میں تنوّع زیادہ ہے۔ مدیح، یعنی بڑے اور معزّز مربّیوں کی ستائش ہمارے شاعر کا مرغوبِ طبع موضوع ہے اور مدح کہنے میں بڑی مہارت دکھاتا ہے، لیکن وہ زمانۂ مابعد جاہلیت (post-classic) کی فرسودہ شاعری کی تمام پامال روشوں پر بھٹکتا پھرتا ہے، البتہ کہیں کہیں معاصر اسالیب کی رعایت بھی ملحوظ رکھتا ہے اور اس میں کم از کم اس عہد کے دوسرے شاعروں کی طرح غیر مفہوم قدیم الفاظ و تعبیرات تلاش کرنے کی غلطی نہیں کرتا۔ اس کے دیوان کی بعض وصفیہ نظموں کی تازگی اور اپج سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مثلاً حلوان کا مختصر مگر دلکش بیان (دیوان، ۶:۳ بعد) اور بعض چھوٹی چھوٹی عشقیہ غزلیں۔

مآخذ: [(۱) الأغانی، ۴:۱۵۵؛ (۲) الشعر و الشعراء، ۳۴۳ بعد؛ (۳) سمط اللآلی، ص ۲۹۴ بعد؛ (۴) الموشح، ص ۱۸۶؛ (۵) الجُمحی، لائڈن ۱۹۱۳ء، ص ۱۳۷؛ (۶) شرح الشواهد، ص ۴۷؛ (۷) البغدادی، خزانۃ، ۳:۲۶۵-۲۶۹؛ (۸) تاج، ۱۰:۵۵؛ الروض الانف، ۱:۵۰]؛ (۹) *Der Dīwān des ʿUbaid Allāh Ibn Ḳais al-Ruḳaiyāt*، [یعنی دیوان ابن قیس الرقیات،] متن مع ترجمہ و حواشی و تمہید از N. Rhodokanakis: *Sitzungsber. der Kais. Akademie der Wissensch.* (= in Wien, philos. -histor. Classe، ج ۱۴۴، ۱۹۰۲ء؛) اسی کے بارے میں (۱۰) Th. Nöldeke: *Wiener Zeitschrift f. d. Kunde des Morgenlandes*، ج ۲۲، ۱۹۰۳ء، ص ۷۸ بعد۔

(رودوکاناکیس N. RHODOKANAKIS)

⊗ **ابن القیّم**: شمس الدّین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایّوب بن سعد الزَّرعی، ۶۹۱ھ/ ۱۰۹۸ء میں دمشق میں پیدا ہوے۔ ان کے والد دمشق کے مدرسۃ الجوزیہ کے قیّم (مہتمم) تھے۔ اس بنا پر ابتدا میں انھیں ابن قیّم الجوزیہ کہا جاتا تھا؛ بعد میں صرف ابن القیّم کے نام سے مشہور ہوے (الدُرَر الکامنۃ، ۳: ۴۰۰؛ النُّجوم الزاهرة، ۵:۱۰۵)۔ ان کے والد ابو بکر بن ایّوب علم الفرائض کے ماہر تھے جو انھوں نے اپنے والد سے سیکھا، اور ایک مدّت تک جمیع اصناف علوم و فنون میں اپنے دور کے مشہور شیوخ سے تکمیل کی۔ ۷۱۲ھ/ ۱۳۱۲ء میں جب ابن تیمیہ مصر سے مراجعت کرکے دمشق میں مقیم ہوے تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوے اور ۷۲۸ھ تک، جب ابن تیمیہ نے وفات پائی، متواتر ان کے پاس رہے اور ایک لمحے کے لیے ان کی مفارقت گوارا نہ کی (الدرر الکامنۃ، ۳:۴۰۱؛ البدایۃ والنہایۃ، ۱۴:۲۳۴)۔ اس طویل صحبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن تیمیہ کا رنگ ان پر غالب آگیا۔ وہ ابن تیمیہ کے صحیح جانشین اور ان کے علوم کے صحیح معنی میں حامل تھے۔ ابن تیمیہ کی وفات کے بعد ان کی کتابوں کی تہذیب و تبویب اور نشر و اشاعت ان کی بدولت ہی ہوئی (طبقات الحنابلۃ، مخطوطہ؛ الدُرر الکامنۃ، ۳:۴۰۱؛ البدر الطالع، ۲:۱۴۲)۔ مسئلہ شدّ الرحیل لزیارۃ قبر الخلیل اور مسئلہ طلاق ثلاثہ میں امام ابن تیمیہ کی راے جمہور علما سے مختلف تھی۔ ابن القیّم ان مسائل میں اپنے استاد کے ہمنوا تھے۔ علماے وقت نے ان مسائل کی بنا پر کئی دفعہ ان کے خلاف ہنگامے کھڑے کیے اور کئی دفعہ انھیں محبوس ہونا پڑا۔ سب سے آخری بار ۷۲۶ھ/ ۱۳۲۶ء میں ابن تیمیہ کو دمشق کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ اس قید میں ابن القیّم بھی ابن تیمیہ کے ہمراہ تھے۔ چونکہ وہ ابن تیمیہ کے خاص الخاص شاگرد تھے، اس لیے انھیں خاص طور پر نشانۂ ستم بنایا گیا اور اونٹ پر سوار کرکے سارے شہر میں مشتہر کیا گیا اور بعد ازاں قلعۂ دمشق میں ابن تیمیہ سے علٰحدہ قید کر دیا گیا۔ ابن تیمیہ کی وفات کے بعد انھیں قید سے رہائی نصیب ہوئی، لیکن مسلک ابن تیمیہ کی تائید و حمایت کی وجہ سے انھیں دوبارہ پہلی سی مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں (طبقات الحنابلۃ، مخطوطہ؛ الدُرر الکامنۃ، ۳:۴۰۱؛ البدر الطالع، ۲:۱۴۳)۔

ابن القیّم تقلید شخصی کے سخت خلاف تھے۔ بہر حال مسائل میں ان کا میلان اپنے استاد کی طرح امام احمد بن حنبل کی طرف تھا۔ اصول و عقائد میں حنبلی المذہب تھے، لیکن فروع میں آزاد تھے (عبدالحی بن العماد: شذرات الذهب، ۶: ۱۶۹)۔ اپنے استاد کی طرح وہ فلسفیوں، معتزلیوں، جہمیوں، حشویوں اور وحدت الوجودیوں کے سخت مخالف تھے اور کلام، عقائد اور تصوّف کے مسائل میں سلف صالحین کے نقطۂ نظر کے حامی تھے۔ وہ بدعات و محدثات کو ناپسند کرتے تھے اور مسلمانوں کو ابتدائی دور کے سادہ اسلام کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے عقائدِ باطلہ کی تردید میں بھی انھوں نے متعدّد کتابیں تحریر کیں۔

ابن القیّم نے ۶۰ برس کی عمر میں بروز جمعرات ۱۳ رجب ۷۵۱ھ/ ۱۶ اگست ۱۳۵۰ء میں عشا کی اذان کے وقت دمشق میں وفات پائی۔ آئندہ روز بعد نمازِ ظہر جامع جرّاح میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور انھیں ان کے والد کے پاس باب الصغیر کے قبرستان میں دفن کیا گیا (البدایۃ والنہایۃ، ۱۴:۲۳۴؛ طبقات الحنابلۃ، مخطوطہ)۔ انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جن میں بیشتر دستبردِ زمانہ کے باعث نادر الوجود ہو چکی ہیں۔ عبدالحی ابن العماد الحنبلی نے اپنی کتاب شذرات الذهب میں ان کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست دی ہے، جس میں مذکورہ کتابوں کی تعداد ۴۵ ہے اور اس کے بعد ''وغیرہ ذلک'' لکھ دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن القیّم نے ان کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں۔ براکلمان نے اپنی ''تاریخ ادبیاتِ عربی'' میں ابن القیّم کی ۵۲ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے [تکملہ، ۲:۱۲۶ بعد)۔ اغاثۃ اللهفان من مصائد الشیطان میں صفحہ ۲۳ پر ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف کی ایک نسخۂ مفصّل فہرست درج ہے، جس کا بیشتر حصّہ طبقات الحنابلۃ سے ماخوذ ہے۔ چند اہمّ مطبوعہ تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) اجتماع الجیوش الاسلامیة، امرتسر ۱۳۱۴ھ، مصر ۱۳۵۰ھ؛ (۲) إعلام المُوقّعین عن ربّ العالمین، دہلی ۱۳۱۳ [- ۱۳۱۴ھ، ۲ جز]؛ مصر ۱۳۲۵ھ [۳ جز] (اس کتاب کا اردو ترجمہ دینِ محمّدی کے نام سے دہلی سے شائع ہو چکا ہے)؛ (۳) اغاثة اللهفان فی حکم طلاق الغضبان، مصر ۱۳۲۲ھ؛ (۴) إغاثة اللهفان من [یافی] مصائد الشیطان، مصر [۱۳۲۰ھ، طریق الهجرتین کے ساتھ] ۱۳۲۲ھ، ۱۳۵۷ھ؛ (۵) التبیان فی اقسام القرآن، مکّہ ۱۳۲۱ھ، مصر ۱۳۵۲ھ؛ (۶) تحفة الودود فی احکام المولود، لاہور ۱۳۲۹ھ؛ (۷) حادی الارواح الی بلاد الافراح، اعلام الموقّعین کے حاشیے پر [مطبع فرج اللہ الکردی، ۱۳۲۵ - ۱۳۲۶ھ] اور علیحدہ بھی چھپ چکی ہے۔ صاحب کشف الظنون کے بیان کے مطابق ابن القیّم کے ایک شاگرد نے اس کتاب کا اختصار الداعی الی اشرف المساعی کے نام سے کیا تھا؛ (۷) کتاب الرُّوح، حیدرآباد ۱۳۱۸ھ، ۱۳۲۴ھ۔ برہان الدّین البقاعی نے اس کا اختصار سرّ الرُّوح کے نام سے کیا، مطبوعۂ مصر ۱۳۲۶ھ؛ (۸) زاد المعاد فی هدی خیر العباد، کان پور ۱۲۹۸ھ، مصر ۱۳۲۴، ۱۳۴۷ھ، [اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری، کراچی ۱۹۶۲ء اور اس کی تلخیص هدی الرسول کا اردو ترجمہ: اسوۂ حسنہ، از عبدالرزاق ملیح آبادی، لاہور ۱۹۳۱ء]؛ (۹) شفاء العلیل فی القضاء والقدر والحکمة والتعلیل، مصر ۱۳۲۳ھ، [اردو ترجمہ: کتاب التقدیر، مطبوعۂ لاہور]؛ (۱۰) الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، مصر ۱۳۱۷ھ؛ (۱۱) الکافیة الشافیة فی الفرقة الناجیة، مطبوعۂ مصر؛ (۱۲) مدارج السالکین [جز اوّل، مصر ۱۳۳۱ھ و جز ثانی و ثالث ۱۳۳۳ھ]، مصر ۱۳۷۵ھ؛ (۱۳) مفتاح دار السعادة، مصر ۱۳۲۳ [- ۱۳۲۵ھ]، ہندوستان ۱۳۲۹ھ؛ (۱۴) هدایة الحیاری من [یافی اجوبة، دیکھیے کشف الظنون] الیهود والنصاری، مصر ۱۳۲۳ھ؛ (۱۵) الرسالة التبُوکیّة، مکّہ ۱۳۴۷ھ؛ (۱۶) عدة الصابرین و ذخیرة الشاکرین، مصر ۱۳۴۱ھ، ۱۳۴۹ھ؛ (۱۷) بدائع الفوائد، مطبوعۂ مصر؛ (۱۸) حکم تارک الصلوة؛ (۱۹) روضة المحبین و نزهة المشتاقین؛ (۲۰) الصواعق المنزلة علی الجهمیة والمعطلة؛ (۲۱) الوابل الصّیب، اردو ترجمہ: ذکر الٰہی، مکتبۂ عقیقیہ، تاندلیانوالہ (پاکستان)؛ [(۲۲) تفسیر المعوّذتین، قاہرہ بدون تاریخ، اردو ترجمہ از عبدالرحیم، لاہور ۱۹۲۸ء؛ (۲۳) تفسیر القیّم کے نام سے اویس ندوی نے ابن القیّم کی تحریرات سے قرآن مجید کی تفسیر مرتب کی ہے، مکۂ معظّمہ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء].

مآخذ: (۱) ابن آلوسی البغدادی: جلاء العَینَین، بولاق ۱۲۹۸ھ؛ (۲) ابن تغری بردی: النُّجوم الزاهرة فی اخبار مصر و القاهرة، مطبوعہ University of California Press؛ (۳) ابن حجر: الدُّرر الکامنة فی اعیان مائة الثامنة، حیدرآباد دکن، [۳: ۴۰۰ بعد]؛ (۴) ابن رجب: ذیل طبقات الحنابلة (مخطوطہ مولانا داؤد غزنوی لاہور کے کتب خانے میں موجود ہے)؛ (۵) ابن العماد: شذرات الذهب، ۶: ۱۶۸؛] (۶) ابن کثیر: البدایة والنهایة، مطبعة السعادہ، [۱۴: ۲۳۴]؛ (۷) ابو زُہرہ محمد: ابن تیمیة حیاته وعصره، دارالفکر العربی مصر؛ (۸) ابو عبداللہ شمس الدّین محمد بن ابی بکر: الرّدّ الوافر، مصر ۱۳۲۹ھ؛ (۹) السیوطی: بغیة الوعاة، [مصر ۱۳۲۶ھ، ص ۲۵؛] (۱۰) جرجی زیدان: تاریخ آداب اللغة العربیة، مصر ۱۹۳۱ء؛ (۱۱) حاجی خلیفه: کشف الظنون، مصر ۱۳۱۱ھ؛ (۱۲) سرکیس: معجم المطبوعات العربیة، مصر ۱۳۴۶ھ؛ (۱۳) الشوکانی: البدر الطالع، مطبعة السعادہ؛ (۱۴) صدیق حسن خان: ابجد العلوم، بھوپال ۱۲۹۶ھ؛ (۱۵) وہی مصنّف: اتحاف النبلاء، کان پور؛ (۱۶) ابراہیم میر سیالکوٹی: رسالة الهادی (علمائے اسلام)، پنجاب پریس سیالکوٹ، جلد دوم، عدد ۱۰؛ (۱۷) محمد یوسف کوکنی: رسالۂ معارف، اعظم گڑھ، (مقالہ امام ابن القیم الجوزیة) (۱۸) ملک ذوالفقار علی، *OCM*، مئی ۱۹۶۳ء؛ (۱۹) Clement Huart: *Arabic Literature*؛ (۲۰) براکلمان: ۲: ۱۰۵ و تکملہ، ۱: ۷۷۴، ۲: ۱۲۶ بعد؛ [(۲۱) آ، لائڈن طبع اوّل، تحت مادۂ ابن القیّم].

(ذوالفقار علی ملک)

✱ **ابن کثیر:** ۱۔ عبداللہ ابوبکر و ابو مَعبَد (جسے تحریف کرکے ابوسعید بنا لیا گیا ہے)، قرآن [مجید] کے قرّاء سبعہ میں سے ایک، جو مکّۂ [معظّمہ] میں ۴۵ھ/ ۶۶۵ھ میں پیدا ہوا۔ وہ ایران کے ایک ایسے خاندان سے تھا جو ہجرت کرکے جنوبی عربستان چلا آیا تھا۔ وہ عَمرو بن علقمہ الکنانی کا مولی تھا اور ادویہ فروشی کی بنا پر داری یا دارانی کہلاتا تھا۔ وہ مکّۂ [معظّمہ] میں قاضی الجماعة کے عہدے پر مامور تھا اور وہیں ۱۲۰ھ/ ۷۳۸ء میں فوت ہوا۔ اس سے قراءتِ قرآن کی روایت دو قاریوں نے کی - ایک قُنبُل، یعنی محمد بن عبدالرحمٰن المَخزُومی (م ۲۹۱ھ/ ۹۰۴ء) نے اور دوسرے البزّی، یعنی احمد بن محمد الفارعی (م ۲۷۰ھ/ ۸۸۳ء) نے۔ اس کے بارے میں ہماری معلومات محض اُس بیان پر مبنی ہیں جو کسی گمنام شخص نے لکھا اور برلن کے ایک مخطوطے میں موجود ہے، دیکھیے Ahlwardt: *Verzeichn.*، عدد ۶۳۲.

مآخذ: (۱) ابن الندیم: الفہرست، ص ۲۸؛ (۲) ابن خلکان، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، عدد ۳۲۶ (طبع بولاق ۱۲۹۹ھ، ۱: ۳۱۴)؛ (۲) النّووی: *Biographical Dictionary*، ص ۷۶۳؛ (۳) ابو المحاسن [ابن تغری بردی]: *Annales*، ۱: ۳۱۴، ۳۱۷.

(۲) اسمٰعیل بن عمر عماد الدّین ابو الفداء ابن الخطیب القُرشی البُصری الشافعی، عرب مؤرّخ، جو دمشق میں ۷۰۱ھ/ ۱۳۰۱ء میں پیدا ہوا، جہاں اس نے حدیث کا درس دیا اور اپنے استاد مشہور حنبلی ابن تیمیہ کے ساتھ اذیّتیں بھی برداشت کیں۔ اس نے شعبان ۷۷۴ھ/ فروری ۱۳۷۳ء میں وفات پائی۔ اس کی سب سے بڑی تصنیف ایک تاریخ عالم، بعنوان البدایة والنهایة ہے، جو ابتدائے آفرینش سے اس کے اپنے زمانے تک کے واقعات پر مشتمل ہے اور